ربط شناسائی
تحریر : منزہ مرزا

صبح کے نو بجے کا وقت تھا دسمبر کے مہینے میں سردی جسم میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھی۔

ابتسام ولا کے وسیع لان میں روحا اور نبیہا چائے پینے میں مگن تھیں۔روحا سر اٹھا کر آسمان پر تیرتے سرمئی بادلوں کو اٹھکھیلیاں کھاتا دیکھ رہی تھی۔یوں معلوم ہوتا تھا سرمئی بادل ایک دوسرے کو پکڑنے کی سعی میں آسمان پر بھاگ رہے تھے اور کُچھ نے ایک ہی سمت میں چلتے اپنی اپنی منزلوں کے لئے رخت سفر باندھ لیا ہے۔پیلاہٹ زدہ پتے ٹہنیوں سے سر نکالے اُنہیں تک رہے ہیں۔سرخ و سفید کے ملاپ کا جوڑا اُس کی گلابی رنگت کو مزید نکھار دے رہا تھا۔سفید دوپٹے تلے سیاہ بال ہوا کے ساتھ جھول رہے تھے۔کسی ہوا کے جھونکے کے ساتھ وہ چہرے پر گرتے تو وہ اُنہیں پیچھے اڑیستی۔

وہ گلاب کی شگفتہ کلی سی تھی، نسیمِ سحر کا ایک جھونکا تھی، شفاف پانی کا ایک چشمہ تھی، سراپا محبت تھی وہ روحا ابتسام آفندی تھی۔وہ اپنے نام کی مانند زندگی سے بھرپور شخصیت کی مالک تھی۔

لان میں لگے پودوں کو تراش خراش کے بعد مختلف اشکال دے رکھی تھیں۔خزاں کی ہواؤں سے پودوں،بیلوں اور درختوں کے پتے آہستگی سے نیچے آ گر رہے تھے اور پھر اپنی ایک خاص کھنک کے ساتھ جھنکار سے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کر رہے تھے روحا آنکھیں سکیڑے محوت سے اُن کی جانب دیکھتی تھی۔

ہوا کے خوش کن جھونکے کے سنگ رقص کرتے خشک پتے جب تالیاں بجاتے پاس سے گزرتے تو وہ اُس جانب چہرہ موڑ کر اُنہیں دیکھتی۔اُن پتوں کی سرسراہٹ طبیعت میں فرحت کی بالیدگی کا باعث بن رہی تھی۔

نبیہا اُسے پندرہ منٹ پہلے جگا کر لان میں لائی تھی مگر اس کے چہرے پر نیند کے اثرات ابھی بھی رقم تھے۔وہ چائے کا کپ لبوں تک لے جانے لگی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ پر اُس کا ہاتھ تھما تھا۔روحا نے کپ میز پر رکھتے سر اٹھا کر آنے والے کی جانب دیکھا اور اُسے دیکھنے پر چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ننھے شیطان اتنی صبح کیسے آنا ہوا؟" روحا اذلان کے گال کھینچتے خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

سامنے کھڑا گیارہ سالہ بچہ نام سے اذلان جبکہ حرکتوں سے واقعی شیطان تھا۔

"کیا ہم اِس وقت کرکٹ کھیل سکتے ہیں؟" اذلان نے چہرے پر جہاں بھر کی معصومیت سمیٹتے پوچھا۔

"اتنی صبح کرکٹ کیوں کھیلنی ہے؟" روحا نے ایک ابرو سوالیہ انداز میں اٹھائی۔

"میرا شام میں میچ ہے اور وہ مُجھے ہر حال میں جیتنا ہے۔" اُس نے اپنی پریشانی سامنے رکھی۔اذلان کی فرمائش غیر متوقع نہیں تھی وہ ایسی ہی فرمائشیں لے کر اُس کے پاس آتا تھا مگر وقت روحا کے لیے

غیر مناسب ہی تھا وہ جو یونیورسٹی سے چھٹی کر کے ابھی نیند سے بیدار ہوئی تھی اور بمشکل اپنی آنکھیں کھولے ہوئے تھی ایسے میں کرکٹ کھیلنا اُس کے لیے خطرے سے دوچار ہونے والی بات تھی۔ مگر وہ اس معصومیت بھرے چہرے پر اُداسی لانے کا موجب بھی نہیں بننا چاہتی تھی۔

"لیکن ہم کہاں کھیلیں گے؟" روحا ٹھوڑی مسلتی لان پر نظر دوڑا رہی تھی۔ "گھر سے باہر کیونکہ آپ شوٹس بہت اونچے لگاتی ہیں کچھ ٹوٹ گیا تو الزام بھی مجھ پر لگا دیں گی۔" اذلان نے کمال کی صاف گوئی دیکھائی تھی۔

روحا نے آنکھیں پھیر کر خفگی سے اذلان کی جانب دیکھا پھر اس کے ہاتھ میں موجود بلا تھامتے دروازے کی طرف لپکی۔

نبیہا نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ روحا اُس کی نہیں سنے گی۔ وہ برائے نام ہی اُس کی بڑی بہن تھی ورنہ نبیہا کو نہیں یاد پڑتا تھا کہ روحا نے کبھی اُس کی کوئی بات ماننے کی زحمت کی ہو۔

نبیہا نے اپنا ارغوانی رنگ کا دوپٹہ سر پر دُرست کیا۔ سامنے پڑی خشک میوؤں کی پلیٹ سے پیستہ اٹھایا اور اس کا خول اُتارتے منہ میں ڈالا۔

لان کی نسبت باہر موسم خنک افزوں تھا۔ رات کی مہاوٹ کے بعد سردی میں اِضافہ لگ رہا تھا۔ سڑک کے سرمئی فرش پر اب بھی نمی تھی سورج کی مضمحل سی کرنیں پھیل رہی تھیں۔ کراچی میں موسم سرما میں ایسی ابرِ کرم بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے الگ سے کرم تھا۔

روحا نے بلا سنبھالا جبکہ اس کے ہاتھ ٹھرٹھرا رہے تھے ٹھنڈ کے معاملے میں وہ صحیح معنوں میں کراچی شہر کا باشندہ معلوم ہوتی تھی جو ذرا سا سرد موسم ہونے پر کپکپانے لگتے ہیں۔ازلان نے اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ نظر انداز کرتے گیند اچھالی وہ جانتا تھا شوٹ وہ پھر بھی اونچا ہی لگائے گی۔ بچپن سے کرکٹ کھیلنے کی بدولت اب گیند پاس آتی دیکھ کر اُس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ، لڑکڑاہٹ ڈھول ہو جایا کرتی تھی اور گیند بلے سے ٹکراتی ہواؤں میں سفر کرنے لگتی تھی۔

گاڑی برق رفتاری سے سڑک پر چل رہی تھی۔جونہی گاڑی ڈی ایچ اے فیز میں داخل ہوئی تو مریان نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ساحل سمندر کے قریب یہ علاقہ اُسے اپنی جانب کھینچتا تھا شاید وجہ ساحل سمندر کی پُر سکون فضا تھی۔ماحول میں سکوت تھا۔باقی شہر کی بدولت یہ علاقہ ہے ہنگم آوازوں اور شور سے مباح تھا۔فرحتِ آثار سے معمور ہو کر مریان نے پُر سکون سانس بھرا۔سڑک کے دونوں جانب خوب صورت طرز تعمیر کی حامل عمارتیں سر اٹھائے شان سے کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ مریان نے گاڑی ابتسام ولا کے سامنے روکی تھی۔اُس نے ابھی گاڑی کا دروازہ کھولا تھا کہ سامنے کے شیشے میں کوئی چیز آ لگی اور چھن کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹا۔

مریان چونکہ باہر نکلنے لگا تھا تو اُس نے رُخ پھیرا ہوا تھا ورنہ وہ اس اچانک ہونے والے حملے سے اب تک زخمی ہو چکا ہوتا۔

مریان نے ٹوٹے ہوئے شیشے سے پار دیکھا سامنے کا منظر اب براہ راست نظر آ رہا تھا۔

ایک نو عمر لڑکی دانتوں میں اُنگلی دبائے دوسرے ہاتھ میں بلا پکڑے پریشان سی اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

مریان سنجیدہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔وہ متین چہرے اور سوچتی آنکھوں کا مالک تھا۔وہ اب اس کی گاڑی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”معزرت۔۔مُجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپکی گاڑی آگے سے آ جائے گی۔“ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا وہ معزرت کی بجائے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہے اِس بات سے بے خبر کے سامنے والے کو اس کی کسی بات میں قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔”میں آپکے نقصان کا ازالہ کر دوں گی۔“ روحا اُسے خاموش پا کر مزید گویا ہوئی۔

مریان نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔بھوری آنکھوں میں اس کا عکس بنا۔

سیاہ آنکھیں، سفیدی مائل گُلابی رنگت، ستواں ناک جو سردی کی وجہ سے سُرخ پڑ گیا تھا۔سیاہ بال جو سر پر موجود سفید دوپٹے میں ڈھنپے ہوئے تھے۔

”اِس کی ضرورت نہیں۔“ وہ عطردان سے لہجے میں بے نیازی سے کہتا ابتسام ولا کے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔اپنے نقصان پر مریان کا ایسا ٹھنڈا ردِ عمل روحا کو حیرت میں ڈال گیا تھا۔اسے اپنے گھر کی جانب جاتا دیکھ کر روحا کے اوسان خطا ہوئے۔

”کیا مطلب یہ میری شکایت لگانے جا رہا ہے؟“ روحا ازلان کی جانب دیکھتی مضطرب سی بڑبڑائی۔

ازلان جو خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا شانے اچکاتا زغند لگا کر اپنے گھر کی طرف بھاگا۔روحا ہونکوں کی طرح اُسے جاتا دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لے کر گھر میں داخل ہوئی۔

مریان کو پورچ میں کھڑی گاڑی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ ابتسام آفندی ابھی تک آفس نہیں گئے۔ روِش پر نظریں جمائے وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔روِش کے دونوں جانب وسیع لان پھیلا ہوا تھا۔روش پر چلتے ہی سامنے پورچ اور اس میں بیک موجود تین گاڑیاں نظروں کے سامنے آتی تھیں۔

دروازہ کھلتے چند قدم چلنے پر اُس کے قدم تھمے تھے۔نظر دائیں جانب کی دیوار پر لگی خوبصورت پینٹنگز پر پڑی۔پینٹنگز کے درمیان چند انچ کے فاصلے پر تصاویر لگی تھیں۔تصاویر میں تین نفوس نظر آ رہے تھے۔ایک کُچھ دیر پہلے ملی لڑکی، اس سے مماثلت کھاتی شکل کی ایک اور لڑکی جو اُس کے اندازے کے مطابق اُس کی بہن تھی اور ایک لڑکا جو اُن کے ساتھ ہر تصویر میں موجود تھا۔اُسے اتنا تو معلوم تھا ابتسام آفندی کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور وہ جو تھا اُسے جاننے میں مریان کو رتی بھر دلچسپی نہیں تھی۔ دیوار پر لگی آخری تصویر مضحکہ خیز تھی جس میں سب کے چہرے کیک سے لتھڑے ہوئے تھے اور چہروں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں سجی تھیں۔مریان کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

سامنے اُسے ابتسام ولا کا لاؤنج نظر آیا تھا۔لاؤنج کے اگلے حصے میں دو سیاہ کوچ مقابل رکھے گئے تھے۔ابتسام آفندی سیاہ و سفید پینٹ کوٹ زیب تن کیے لاؤنج میں ٹھاٹھ سے بیٹھے سامنے پڑی فائلوں میں منہمک تھے۔

مریان نے کھنکھار کر اُنہیں اپنی جانب متوجہ کیا۔

"مریان لکھانی وہ بھی ہمارے غریب خانے میں کیسے؟" ابتسام آفندی اُسے دیکھ کر جوشیلے انداز اٹھے اور والہانہ انداز میں اُس سے ملے۔

مریان نے گھر پر جائزائی نظر ڈالی۔ سمندر کنارے بنا یہ مکان بلاشبہ تعمیر کی تمام تر خوبیوں سے مزین تھا۔ سفید ٹائلز سے چمکتا فرش، لکڑی کا بھاری فرنیچر، جدید طرز کے نرم صوفے، شیشے کی الماری میں رکھے قیمتی نفیس برتن اور دیواروں پر آویزاں پینٹنگز، غرض کہ ہر شے مکینوں کے اعلیٰ ذوق کی آئینہ دار تھی۔ تقریباً سات ایکڑ کے محل نُما گھر کو غریب خانہ کہنے پر اُسے تعجب ہوا تھا۔

"ہمم۔۔۔۔غریب خانہ تو بہت عالیشان ہے۔" وہ سرد، ٹھہرے انداز میں بولا۔

ابتسام آفندی اُس کا طنز سمجھ گئے تھے مگر انداز کر گئے۔ کوئی منافقت دیکھائے اور مریان خاموش رہے یہ تو مُمکن نہیں تھا۔

"تُم مجھے بلا لیتے آفس جانے سے پہلے تُم سے ملتا جاتا۔" ابتسام آفندی اپنے لہجے کی مٹھاس کو ہنوز قائم کیے ہوئے تھے۔

"آپکے مطالبے نے مُجھے یہاں آنے پر مجبور کیا۔" وہ اُس کے مقابل کاوچ پر بیٹھتا سنجیدہ سا بولا۔

"بھلا مریان لکھانی کے سامنے مطالبہ کون کر سکتا ہے؟" ابتسام آفندی نے انکسرانہ انداز اپنایا۔

"مریان لکھانی کے سامنے مطالبہ تو کیا جا سکتا ہے مگر مریان فضول قسم کے مطالبے زیرِ غور نہیں لاتا۔" اُس کی آواز اور لہجہ نرم تھا مگر الفاظ سخت تھے۔

"مگر تُمہیں اِس مطالبے پر غور کرنا چاہیے یہ تمھارے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہو گا۔" وہ اُسے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"چلیں آپ یہ تو مانے کہ آپ نے مطالبہ ہی کیا ہے۔" ابتسام آفندی لحظے بھر کو خاموش ہوئے سامنے بیٹھا شخص خاموش کروانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"دیکھو مریان اگر تُم وہ جگہ اُن عام لوگوں کو دینے کی بجائے میرے حوالے کرو گے تو تُمہیں ڈبل فائدہ ہو گا۔وہ لوگ تو وہاں رہنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔" وہ سخت گیر مگر محتاط لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"کیسے؟" مریان ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے کاوچ کی پشت پر سر ٹکائے غور سے سامنے ابتسام آفندی کی بات سننے لگا حالانکہ اُسے اُن کی بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر وہ اپنا وقت برباد کرنے کا سوچ کر آیا تھا اُسے پتہ تھا ابتسام آفندی اپنے فائدے کی خاطر ہزار دلیلیں نکالے گا۔

"دیکھو اُس جگہ پر کنسٹرکشن کا کام میں کرواؤں گا اور واہ واہ تُمھاری ہو گی جب وہ جگہ بِکنے لگے گی تو آدھے پیسے میں تُمھارے حوالے کروں گا۔وہاں مکان بہت بھاری قیمت پر بِکیں گئے یہ ہم دونوں کے لیے بہت اچھا موقع ہے۔" وہ سامنے بیٹھے شخص کی فطرت سے انجان اُسے لالچ میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ابتسام صاحب اگر کنسٹرکشن کمپنی آپ کی ہے تو میری بھی میں کنسٹرکشن کے معاملات میں خود دیکھ سکتا ہوں آپ کی مدد کی مجھے ضرورت نہیں۔اور آپ بھول رہے ہیں کہ میں سیاستدان ہونے کے ساتھ ایک آرکیٹکٹ بھی ہوں۔جگہ کی مناسبت کا خیال میں نے رکھا تھا تبھی اس جگہ پر آپ کی نیت بد ہو گئی ہے۔ویسے بھی مجھے تو نہ ستائش کی طلب ہے نہ پیسے کی ضرورت۔۔۔" مریان دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کرتے اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

”زیادہ پارسا نہ بنا کرو مریان لکھانی۔۔“ ابتسام آفندی کا لہجہ سخت ہوا تھوڑی دیر پہلے کی مٹھاس ہوا ہوئی۔

”تُم سب سیاستدان ایک سے ہوتے ہو پیسے اور ستائش کے ہوس میں ڈوبے ہوئے۔

عوام کا پیسہ جمع کر کے کھانے والے پھر اُن پر ذرا سا خرچ کر کے واہ واہ کروانے والے تُم لوگ کسی کے سگے ہو ہی نہیں سکتے۔“ ابتسام آفندی زہر خند لہجے میں بولے۔

”اور آپکا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟

پاکستان میں سیاستدانوں سے زیادہ امیر بزنس مینز ہیں۔پاکستان میں پہلے تین امیر ترین شخصیات بزنس مینز ہیں سیاستدانوں کا نمبر تو بعد میں آتا ہے۔آپ لوگ عوام کا پیسہ نہیں کھاتے؟ ٹیکس دیتے ہیں؟ آپ نے اپنی اب تک کی بنائی گئی بارہ ہاؤسنگ سوسائٹز میں سے کبھی کسی غریب کو ایک گھر بھی دیا ہے؟“ مریان نے ان پر سوالوں کی بوچھاڑ کر ڈالی تھی۔

”ہم لوگ نسل در نسل رئیس ہیں۔“

ابتسام آفندی قدرے اونچی آواز میں تفاخر سے بولے۔

”اور ہم نہیں ہیں جو نسل در نسل سیاست میں ہیں اور بقول آپکے عوام کو خوب لوٹتے ہیں ہم نسلی امیر نہیں ہوتے؟“ پھر سے اُس کی جانب سے مُشکل سوال داغا گیا۔ابتسام آفندی پھر خاموش ہوئے مقابل یہی چاہتا تھا۔

”ہاں میں ایک سیاستدان ہوں۔ مگر میں نے کسی غریب کا ایک روپیہ خود پر خرچ نہیں کیا کیونکہ نہ تو میں اِن کا حقدار ہوں اور نہ ہی کوئی ضرورت مند ہوں۔ میرا اب تک کا ریکارڈ صاف ہے کوئی بھی تحقیق کر سکتا ہے۔

میں لوگوں کا حق کھانے نہیں بچانے آیا ہوں۔

ہر شعبے میں اچھے لوگ ہوتے ہیں پھر سیاست میں کیوں نہیں ہو سکتے؟

اگر نہیں بھی ہیں تو ایک واحد مریان لکھانی ضرور ہے اور لوگ ایک دِن اس بات کو تسلیم کریں گے۔ یہ جو سیاستدان بہروپیے ہیں کبھی اپنا اچھا اور کبھی بُرا روپ دیکھا کر خبروں کی زینت بنے رہتے ہیں میں اِن کی طرح نظروں میں نہیں رہنا چاہتا میں دلوں میں رہنا چاہتا ہوں۔“

وہ کہہ رہا تھا اور سامنے بیٹھے شخص کے چہرے پر ناگواری مزید بڑھ رہی تھی۔

مریان نے کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا وہی بیس بائیس سال کی لڑکی ہاتھ میں کاغذ پکڑے بغور اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ ابتسام آفندی سے بحث میں مریان کو اُس کی آمد کا علم ہی نہیں ہو پایا تھا۔

اُس کے چہرے پر سنجیدگی اور معصومیت تھی۔

مریان سر جھٹکتے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”مریان تُم کب تک جواب دو گے؟“ ابتسام آفندی بھی ساتھ کھڑے ہوئے اُنہیں بات بگڑتی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میں جواب دے چُکا ہوں وہ زمین میں نے بے گھر لوگوں کے لئے مختص کی ہے کوئی میرے آگے پیسوں کا ڈھیر بھی لگا دے تو میں وہ جگہ اُسے نہیں دوں گا۔" مریان قطعیت سے بولا۔

"مریان پھر سوچ لو وہ جگہ بہت قیمتی ہے۔"

"جانتا ہوں اور اُن لوگوں کے لئے اور بھی قیمتی ہے جو ساری زندگی اپنے ذاتی گھر کے لئے ترسے ہیں جن کی آدھی زندگی کرائے دینے کی فکر میں گزر جاتی ہے۔وہ لوگ جب وہاں رہیں گے تو وہ جگہ قیمتی ہی نہیں بلکہ جنت نُما بن جائے گی۔

افتتاح پر آپکو ضرور بلاؤں گا۔"

مریان مسکراہٹ کے ساتھ بولا چہرے پر اطمینان تھا لہجے میں مضبوطی تھی۔وہ اٹل فیصلے کرنے کا عادی تھا۔

وہ جانتے تھے مریان کو قائل کرنا اتنا آسان نہیں۔

"نیا نیا انسانیت کا بھوت چڑھا ہے ڈپٹی مئیر کراچی کو دیکھتے ہیں کب تک قائم رہتا ہے۔"

ابتسام آفندی جل کر بولے۔

"میں زبان سے جواب نہیں دیتا کام سے جواب دیتا ہوں۔"

ابتسام آفندی نے غصے سے مٹھیاں بھنچیں۔

آخر کار اِس ضدی لڑکے کی وجہ سے کروڑوں روپے اُن کے ہاتھ سے نکلے تھے۔وہ پیر پٹختے اپنے کمرے کی جانب بڑھے۔

مریان لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب نکلا۔

”روکیں مریان لکھانی۔۔“

مریان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی یقیناً اُس نے ابھی اپنے باپ سے اُس کا پورا نام سنا تھا۔

”جی بولیں۔۔“ وہ مڑتے ہوئے روحا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔گہری بھنویں اٹھیں بھوری آنکھوں کی چمک نے سامنے کھڑی لڑکی کو اپنی لانبی پلکیں جھکانے پر ناچار کیا۔

اور اُس کی اِس حرکت سے مریان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

”یہ چیک آپ اپنی گاڑی کی مرمت کروا لیجئے گا۔“ روحا نے ہاتھ میں پکڑا چیک اُس کی جانب بڑھایا۔

”یہ آپ اپنے بابا کو دے دیجئے گا اُنہیں اِس وقت اِن پیسوں کی خاصی ضرورت ہو گی۔“ دفعتاً اُس کا لہجہ سخت ہوا۔

”لیکن یہ آپکے۔۔“

”کہاں نہ مُجھے نہیں چاہیے۔“ مریان درشتگی سے روحا کی بات کاٹتا پلٹا۔۔

”اتنی اکڑ۔۔۔“

روحا بڑبڑائی مگر آواز مریان کی تیز سماعتوں تک پُہنچ گئی تھی۔

وہ جواب دینے کے لئے پلٹا مگر روحا اب سیڑھیوں کے زینے پھلانگتی اوپر جا رہی تھی۔مریان نے ایک تعمق نظر اس پر ڈالی۔

”اِس سے بھی زیادہ۔۔“ مریان خود کلامی کے انداز میں کہتا دروازہ کھولتا پورچ سے گزرتا لان میں پُہنچا۔

روحا درمیانی زینے پر کھڑی ہو گئی تھی اور مریان کے باہر نکلتے ہی اُس کے پیچھے لپکی۔

مریان نے ایک نظر لان میں بیٹھی نبیہا پر ڈالی پھر پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہونے پر پلٹا۔روحا اس کے اچانک مڑ کر دیکھنے پر دانتوں تلے زُبان دباتے نبیہا کی جانب بڑھی۔مریان بھی باہر کی طرف چل پڑا اُسے اپنے لیے دوسری گاڑی کا بندوبست کرنا تھا۔

"کیا یار نبیہا سب کچھ کھا جاتی ہو۔" روحا نے ڈرائی فروٹ کی تقریباً خالی ہوئی پلیٹ کی جانب دیکھتے پُر شکوہ انداز میں کہا۔

"تم نے ہی آنے میں دیر کر دی ورنہ میں نے تمہارے لیے بچائے تھے۔" نبیہا نے دفاعی انداز اپنایا۔

"ہاں وہ مجھ سے گاڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔" "بابا کی گاڑی کا شیشہ توڑ دیا؟" نبیہا فکر مندی سے بولی۔

"ارے نہیں کراچی کے میئر کی گاڑی کا ٹوٹ گیا۔" نبیہا کے ہاتھ میں پکڑا آخری چلغوزے کا دانہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گھاس پر گرا۔"اُس نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟" نبیہا متحیر سی پوچھ رہی تھی۔"نہیں اسی بات کی تو حیرت ہے اتنا پر سکون کھڑا تھا جیسے کُچھ ہوا ہی نہ ہو۔مجھے تو لگ رہا تھا گیند شیشے میں نہیں بلکہ اس کے سر میں لگی ہے جو ایسا متحمل بنا کھڑا تھا۔میں تو بابا کی چیک بک سے چیک بھی لے آئی مگر اکڑتے ہوئے کہتا اس کی ضرورت نہیں۔" نبیہا مُکمل آنکھیں کھولے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔"اب ایسے کیوں دیکھ رہی ہو میں کون سا بوم بلاسٹ کر آئی ہیں اور غلطی تمہاری بھی ہے نہ تم مجھے اتنی جلدی اُٹھا کر لاتی نہ مجھے اذلان کے ساتھ کرکٹ کھیلنی پڑتی اور نہ گیند اُس کی گاڑی کے شیشے میں لگتی۔" روحا نے جھٹ سے سارا مدعا اپنی سادہ لوح بہن پر ڈال دیا تھا۔

"سبحان اللہ۔" سارا الزام خود پر آنے پر نبیہا کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"ویسے یہ کراچی کا میئر تُمھارے ہتھے کیسے چڑھ گیا؟" نبیہا نے ٹھوڑی مسلتے پوچھا۔

"بابا سے ملنے آیا تھا اور ابھی جاتے ہوئے تمہیں بھی دیکھ رہا تھا۔" روحا کے چہرے سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"ہاں میں تو جیسے حسن و دلکشی کا مرقع ہوں جو وہ مجھے دیکھے گا۔" نبیہا نے منہ بناتے کہا وہ روحا کے مکھن لگانے کی وجہ سمجھ رہی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ہلنا گناہ سمجھتی تھی ہڈ حرامی میں نبیہا ابتسام آفندی کا کوئی ثانی نا تھا۔

"خودی جا کر لانا پڑے گا۔" روحا نے رونی صورت بناتے نبیہا کے سامنے پڑی پلیٹ اٹھائی اور پاؤں گھسیٹنے کے انداز میں چلنے لگی۔"زیادہ سارے ڈرائی فروٹ لے کر آنا۔" نبیہا نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

روحا نے کچھ سوچتے ہوئے قدم دروازے کی جانب موڑے اور دروازے سے باہر جھانکنے لگی۔مریان ہاتھ میں باندھی گھڑی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔نظر اٹھائی تو دروازے سے چہرہ نکالے کھڑی روحا کو دیکھ کر آنکھیں سکیڑیں۔روحا اُسے اپنی طرف متوجہ پا کر فوراً واپس پلٹی۔مریان نے اُس کے اِس طرح غائب ہونے پر مسکراتے سر جھٹکا۔

قریباً دس منٹ بعد گاڑی اُس کے سامنے آ کر رکی تھی۔

موسم میں پہلے سی خنکی نہیں تھی۔"کراچی کی سب سے بری بات موسم کا لُطف اٹھانے سے پہلے ہی موسم بدل جاتا ہے۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی میں بیٹھا۔

سورج کی جتنی کراچی سے دوستی تھی اس کی اُتنی ہی سورج سے دشمنی تھی۔
وہ ٹھنڈے مزاج کا تھا اُسے آس پاس کا ماحول بھی ٹھنڈا ہی پسند تھا۔
مگر وہ گرم علاقے اور گرم دماغ لوگوں میں بری طرح پھنسا تھا۔

....

اِس وقت جامعہ کراچی میں سورج نے سردی کے اثرات زائل کر دیئے تھے۔سورج کی نرم گرم کرنیں چاروں اطراف پھیل گئی تھیں، آسمان بہت دھلا دھلا، نکھرا نکھرا سا ملوم ہو رہا تھا۔سفید بادلوں کی سلوٹوں کے بغیر تنی چادر بہت پاکیزہ معلوم ہو رہی تھی۔شبنم سے نہاتی ہوئی گھاس پر چلتے نرم گداز سا احساس اُس کی اُداس آنکھوں میں پھیلا۔بہت سے طلبہ گراؤنڈز کی طرف آ رہے تھے اور کُچھ پہلے سے ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے تھے جبکہ علیحہ برگد کے پیڑ تلے اکیلی بیٹھ گئی۔اُس نے آس پاس نظر دوڑائی سب خوش گپیوں میں محو تھے کوئی بھی اُس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔اُس کے لیے بھی اُن ڈھیروں چہروں میں سے زیادہ تر چہرے غیر شناسا ہی تھے۔اُس کے یہاں داخلے کو لگ بھگ ایک ہفتہ ہوا تھا اور اس عرصے میں اُس کی دوستی صرف روحا سے ہوئی تھی۔آج اُس کے اکیلے بیٹھے ہونے کی وجہ بھی یہی تھی کہ اُس نے بغیر بتائے چھٹی کر لی تھی۔اُسے عجیب اُداسی نے آ گھیرا تھا۔
گہرا سانس لیتے اُس نے لیپ ٹاپ کھول لیا۔
زیام جو ہاتھ میں چائے کا کپ لئے اگلے لیکچر تک آرام کی غرض سے گراؤنڈ کی جانب آیا تھا سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔اِس جگہ پر کسی کی موجودگی اُس کے لیے حیران کن تھی۔

”سنیں۔۔“ زیام تھوڑی دیر تذبذب کا شکار کھڑا رہنے کے بعد بولا۔علیحہ جو لیپ ٹاپ میں سر دیئے بیٹھی تھی کسی کے پکارنے پر چونکی۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ وہ ذرا تامل سے بولا۔علیحہ نے آنکھیں سکیڑ کر جائزائی نظر اُس پر ڈالی۔کپڑے، جوتے حتیٰ کہ گھڑی تک خاصی مہنگی تھی وہ اُسے برانڈز میں لپٹا امیر زادہ لگا۔اُس نے خاصا جزبز ہو کر اُس کی جانب دیکھا۔

یونیورسٹی میں داخلے کے بعد وہ ہر کسی کے حلیے پر نظر رکھنے لگ پڑی تھی اور اس نے بیشتر کا حلیہ خود سے بہتر پایا تھا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں؟“ اُس کے انکسارانہ انداز پر علیحہ دنگ رہ گئی تھی مگر اُس کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔”میں یہاں بیٹھ جاؤں؟“ زیام نے علیحہ کی خود پر جمی نظروں سے گڑبڑا کر استفسار کیا۔وہ خود کو عجیب مخمصے میں پھنسا محسوس کر رہی تھی اجازت دیتی تو خود اٹھنا پڑتا نا دیتی تو سامنے کھڑے اُس انکساری کے مرقع کی توہین ہوتی۔”آپکے برانڈیڈ کپڑے خراب ہو جائیں گے۔“

زیام اُس کے جواب پر بونچکا رہ گیا۔اُسے ہر گز ایسے جواب کی اُمید نہیں تھی مگر وہ ڈھیٹائی دکھاتا اُس سے کُچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

”میں نے تو آپکو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔“

علیحہ اُسے بیٹھتا دیکھ کر رکھائی سے بولی۔

”مُجھے یہاں بیٹھنے کے لئے آپکی اجازت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔“ زیام اُس سے زیادہ سخت لہجے میں بولا تھا۔علیحہ نے اُس کے مزاج کے اِس تغیر پر کوفت سے اُسے دیکھا وہ دبتی رنگت اور گہری سیاہ آنکھوں کا مالک تھا۔وضع قطع سے کسی امیر گھر کا سپوت معلوم ہوتا تھا۔

”زیام تُم یہاں بیٹھے ہو مُجھے تو لگا اب تُم نے یہ جگہ چھوڑ دی ہو گی۔“ آذر علیحہ پر ایک نظر ڈالتا اُس کے پاس جا کر دھپ سے زمین پر بیٹھا۔

”میں اپنی پسند نہیں بدلتا یہ برگد کا پیڑ مجھے پچھلے چار سالوں سے پسند ہے میں روزانہ یہی بیٹھتا ہوں میں ایک ہفتہ نہیں آیا تو نئے لوگ قبضہ جما رہے ہیں۔“ زیام غصیلی نگاہوں سے علیحہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

شرمندگی کے احساس نے علیحہ کو گھیرا وہ ہر کسی کو غلط نقطہ نظر سے دیکھنے لگ پڑی تھی۔

مگر وہ یہاں ایک ہفتے سے یہی تو دیکھ رہی تھی یہاں لڑکے لڑکیوں کے پیچھے منڈلاتے پھر رہے تھے۔

اُس نے بھی زیام کے اُسے مخاطب کرنے پر اُسے بھی اُن لڑکوں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

وہ یونیورسٹی کے پہلے دن سے اسی درخت کے نیچے بیٹھتی تھی۔درخت کی شاخیں اتنی جھکی ہوئی تھیں کہ انسان بیٹھا ہوا بھی ہاتھ بڑھا کر چھو لے۔موسم سرما کی وجہ سے پتے زرد رنگ میں ڈھلے ہوئے تھے اگر ہوا کا جھونکا تیز ہوتا تو نیچے بیٹھے شخص پر چند زرد پتے گرتے تھے۔

اُسے بھی یہ درخت بہت پسند تھا مگر وہ سامنے بیٹھے شخص کو بتا نہیں سکتی تھی بتا بھی دیتی اگر وہ ایسے تیوری چڑھائے نہ بیٹھا ہوتا۔

"معزرت مجھے اندازہ نہیں تھا میں جب آئی تو یہاں کوئی نہیں ہوتا تھا۔" علیحہ شرم ساری سے کہتی اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ برگد کے پیڑ کے چند سنہری پتے نیچے گر کر چٹخے وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ زیام کو علیحہ کی آواز بھیگی سی لگی۔ خاموش لبوں کے ساتھ اُس کی بولتی آنکھیں سورج کے سنہری رنگ سے منعکس ہو کر جھلملانے لگی تھیں۔ ملال اور اضطراب کی کرچیاں اُن آنکھوں میں واضح نظر آ رہی تھیں۔

زیام کے ماتھے پر موجود شکنیں سیدھی ہوئیں۔ "آپ یہاں بیٹھ سکتی ہیں میں نے جانے کا تو نہیں کہا۔ ہم لوگ درخت کی دوسری سائڈ پر بیٹھ جاتے ہیں۔" زیام نرمی سے کہتا بیگ کندھے پر لٹکائے اُٹھا۔ آذر کا حیرت کے مارے منہ کھل گیا تھا۔ زیام تو اپنے ساتھ اُسے بھی یہاں برداشت نہیں کرتا تھا پچھلے چار سالوں سے کسی کو یہاں بھٹکنے نہیں دیتا تھا اور اب وہ یہ جگہ ہی کسی کے ساتھ بانٹ رہا تھا وہ بھی ایک لڑکی کے ساتھ یہ بات اُس کے لیے ہضم کرنا خاصہ مُشکِل ہو رہا تھا۔

زیام نے آذر کی حیرت بھاپ لی تھی مگر اُسے خود بھی حیرت ہوئی تھی کسی لڑکی کے ذرا سا افسردہ ہونے پر وہ کیسے پگھل گیا۔

وہ تو لڑکیوں کے معاملے میں بہت سنگدل تھا کسی کو گھاس نہیں ڈالتا تھا آج خود چارا کیسے بن گیا تھا۔

علیحہ جو اپنا سامان اٹھا رہی تھی دوبارہ سکون سے لیپ ٹاپ میں محو ہو گئی۔

اُس کا اطمینان دیکھ کر زیام کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی۔

جو آذر کی اُس پر گڑھی نظروں کی وجہ سے فوراً معدوم ہو گئی۔

علیحہ لائبریری میں گردن کے گرد سیاہ سکارف لپیٹے سر سفید دوپٹے سے ڈھانپے کاغذ پر تیزی سے قلم چلا رہی تھی۔کتابیں آس پاس بے ڈھب انداز میں بکھری پڑی تھیں۔

"کیسی ہو علیحہ؟" روحا اُس کے پاس کھڑی شائستگی سے پوچھ رہی تھی مگر علیحہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اُس کے شائستہ لہجے کی وجہ جانتی تھی۔

"ناراض ہو؟" روحا کُرسی کھینچ کر اُس کی کُرسی کے ساتھ جوڑ کر بیٹھ گئی۔علیحہ نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"یار میرا بلکل دِل نہیں کر رہا تھا یونیورسٹی آنے کو اور مُجھے لگا بارش کی وجہ سے تُم بھی نہیں آؤ گی۔" وہ چہرے پر معصومیت طاری کرتی اُس کی ناراضگی ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بارش رات میں ہوئی تھی صبح نہیں۔" علیحہ بھی اُس کے بہانوں کو خوب جاننے لگی تھی۔

"اچھا چلو معاف کر دو۔" علیحہ کے بگڑے تاثرات دیکھ کر اُس نے کان پکڑ لیے۔

علیحہ نے اب کی بار اُسے سر اٹھا کر دیکھا۔اُس کو کان پکڑے دیکھ کر چہرے پر تبسم نمودار ہوئی۔

"تُمہیں پتہ ہے نہ یہاں میری اور کوئی دوست نہیں ہے سارا دِن میں اکیلی بیٹھی رہی مُجھے تمھاری اتنی یاد آئی۔" علیحہ روہانسی ہو گئی ذہن میں کل کا واقعہ گھوما اسے یقین تھا روحا اس کے ساتھ ہوتی تو اسے شرمندہ ہونے کی نوبت نا آتی۔

اُن کی دوستی کو صرف ایک ہفتہ ہوا تھا مگر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سالوں پرانی شناسائی ہو۔یونیورسٹی کے پہلے دن ہی اُن میں بات چیت ہوئی تھی دونوں کو ایک دوسرے کی باتیں اور انداز اچھا لگا تھا اور اس کے بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی پائی جاتی تھیں۔

اکثر لمحوں میں لوگ ہمیں بہت عزیز ہو جاتے ہیں اُن میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آپ آس پاس کے ہزاروں لوگوں کو چھوڑ کر صرف ایک واحد شخص کا انتخاب کرتے ہیں اور اگر آپکا منتخب کردہ شخص بھی آپکو بدلے میں اتنا ہی خلوص اُتنی ہی محبت دے تو نہ ختم ہونے والے تعلق قائم ہو جاتے ہیں۔

"آئندہ کے بعد ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" روحا اُس کی گردن کے گرد باہیں لپیٹتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا چل رہا ہے؟" آذر اُن کے سامنے کھڑا شوخ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔پیچھے سے آنے والی آذر کی آواز پر روحا نے علیحہ کی گردن میں حمائل بانہیں پیچھے کیں۔

"پیار جتایا جا رہا ہے۔" روحا سینے پر بانہیں لپیٹے اطمینان سے بولی۔

"پیار کو کب سے جتانے یا دکھاوے کی ضرورت پڑنے لگی؟" آذر کے ساتھ کھڑے زیام نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔

روحا کے ساتھ علیحہ بھی اُس کی جانب متوجہ ہوئی۔علیحہ نے اُس کی جانب دیکھا پھر فوراً سر جھکا گئی۔ مگر زیام اُسے یہاں آنے سے پہلے ہی دیکھ چُکا تھا۔

”یہ میرا دوست ہے زیام۔۔“ آذر نے بلاوجہ ہی ساتھ کھڑے زیام کا تعارف کروایا تھا حالانکہ روحا پہلے سے یہ بات جانتی تھی اور کل کے بعد علیحہ بھی جان چکی تھی اور آذر سے تو روحا پہلے دن ہی اُس کی ملاقات کروا چکی تھی۔

”کبھی کبھی دیکھانا پڑ بھی جاتا ہے ورنہ لوگ بھولنے لگتے ہیں کہ کوئی اُنہیں چاہنے والا بھی ہے۔“ روحا کا پُر سکون انداز ہنوز قائم رہا تھا۔

”مگر بن کہے جذبات میں پاکیزگی رہتی ہے ملاوٹ نہیں ہوتی دکھاوے کی بھی نہیں۔“ وہ مسکرا کر بولا تو روحا بھی جواباً مسکرائی۔

”آپکی اپنی رائے ہے۔“ روحا عام سے انداز میں بولی وہ بات کو بڑھاوا کبھی بھی نہیں دیتی تھی۔

آذر بڑے غور سے روحا کی باتیں سن رہا تھا اسے وہ اپنے مطلب کی باتیں لگی تھیں۔روحا کے منہ سے ادا ہونے والی ہر بات اسے اپنے کام کی لگتی تھی کیونکہ اُس کے سارے کام روحا تک ہی محدود تھے۔ مگر وہ اس کے الفاظ پر صحیح سے غور بھی نہیں کر پا رہا تھا آنکھوں پر جُھکی لانبی پلکیں اور رُخسار پر کندن کی سی چمک اُس کا دھیان بٹا دیتی تھیں۔

روحا اُس کی تایا زاد تھی اور اُس سے چار سال چھوٹی تھی بچپن سے اُن میں گہری دوستی تھی جو اب تک قائم تھی۔

افتخار آفندی کے دو بیٹے ابتسام آفندی اور احتشام آفندی تھے۔آذر احتشام آفندی کی اک لوتی اولاد تھی جبکہ ابتسام آفندی کی دو بیٹیاں نبیہا اور روحا تھیں۔نبیہا روحا سے چار سال بڑی تھی وہ آذر کی

ہم عمر تھی مگر اس کی شروع سے روحا کے ساتھ زیادہ بنتی تھی۔ پڑھائی کھیل کود حتیٰ کہ شرارتوں میں بھی وہ ساتھ ہوتے تھے۔

روحا کا معصوم چہرہ ہر کسی کے دِل میں گھر کر لیتا تھا سب اُس سے بہت محبت کرتے تھے مگر آذر کو یقین تھا وہ روحا سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اُس سے زیادہ روحا ابتسام کو کوئی نہیں چاہ سکتا۔

اُس کی لانبی پلکوں کی جنبش پر وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا آس پاس کا منظر کہیں کھو جاتا تھا اب بھی ایسے ہو رہا تھا۔

"تُم لوگوں کا ماسٹر کب مُکمل ہو گا؟" روحا کے پوچھنے پر وہ سر جھٹکتے حواس میں آیا۔

"بس آخری سمسٹر ہے تُم لوگ بہت دیر سے آئے ہو۔" آذر اُلجھی ہوئی سانس بھر کر صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"اب ہم سکول سے ڈائریکٹ یونیورسٹی تو نہیں ٹپک سکتے تھے۔" روحا شرارت سے بولی۔

"زیام چلو لیکچر کا ٹائم ہو رہا ہے۔" آذر کی نظر کلائی میں بندھی گھڑی پر پڑی تو اسے وقت کا احساس ہوا۔ مگر وہ علیحہ کے تیزی سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"زیام چلیں؟" وہ آذر کے دوبارہ بلانے پر چونکا اور خاموشی سے چل پڑا۔

"زیام رکو۔" عقب سے آنے والی آواز پر دونوں کے چہرے کے تاثرات بدلے دونوں نے ایک دوسرے کے چہرے کی جانب دیکھا اور گہرا سانس لیتے پلٹے۔

عینی اب اُن کے پاس کھڑی ہانپ رہی تھی۔

شاید اُنہیں دیکھ کر دور سے دوڑتی ہوئی آئی تھی۔زیام نے کوفت سے اُس کی جانب دیکھا مگر بولا کُچھ بھی نہیں۔

"تمھارے لیے کافی لائی ہوں۔" اُس نے دونوں ہاتھوں میں کافی کے دو کپ تھام رکھے تھے ایک وہ زیام کی جانب بڑھا چُکی تھی۔

وہ دراز قامت کھلی رنگت والی قرۃالعین تھی۔

"میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں کافی نہیں پیتا۔" اس کے چہرے سے اکتاہٹ جھلک رہی تھی

"کڑوے تو پھر بھی بہت ہو۔" عینی کپ پیچھے کرتے نروٹھے پن سے بولی۔پہلے والی پُر جوشی خاک ہو گئی تھی۔

"اسی لیے نہیں پیتا کہ کہیں مزید کڑوا نہ ہو جاؤں۔آفر کا شُکریہ۔۔" وہ سرسری سا کہتا آگے بڑھ گیا۔

علیحہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑے فاصلے پر کھڑے زیام کی باتیں سُن رہی تھی۔

اُس کا انداز اُسے الگ لگا بارُعب جو کسی کو اپنی مرضی کے خلاف اپنی جانب بڑھنے نا دے۔

عینی نے سرد آہ بھر کر اُس کی پُشت کو دیکھا۔

وہ اُس کے ساتھ اتنے عرصے سے تھی دونوں کا ایک ہی ڈیپارٹمنٹ تھا مگر چاہ کر بھی کبھی اُس کے قریب نہیں ہو سکی تھی۔اُسے لگتا تھا اُن کے درمیان ایک دیوار ہے جو زیام کی طرف سے قائم کی گئی ہے اور وہ اُس کو کبھی پار نہیں کر پائے گی۔وہ لڑکیوں سے دوستی کے خلاف تھا عینی تقریباً چار

سالوں سے اُس کے ساتھ پڑھ رہی تھی مگر اس نے کبھی اُسے کسی لڑکی سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

یہی بات اسے اطمینان دیتی تھی کہ وہ اس کے علاوہ اور کسی لڑکی کی بات کا جواب بھی نہیں دیتا تھا یہی عزت دار مردوں کی نشانی ہوتی ہے عورتوں کے پیچھے بھاگتے نہیں ہیں اور نہ ہی اُنہیں اپنے پیچھے لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عینی نے ٹھنڈی سانس لے کر روحا اور نبیہا کی جانب دیکھا جو اب سر جھکائے ہاتھ چلا رہی تھیں۔

"سید زیام شاہ تُم لڑکیوں کے معاملے میں زیادہ ہی احتیاط نہیں کرتے؟" آذر نے کافی کا کپ لبوں سے لگاتے پوچھا۔وہ آنے سے پہلے عینی کے ہاتھ سے دوسرا کپ پکڑ لایا تھا۔

"بابا کہتے ہیں کہ پہلے کُچھ بنو پھر لڑکیوں کے پیچھے بھاگنا۔" زیام سنجیدگی سے بولا۔

"چاہے تب تک لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے کا وقت ختم ہو جائے اور آپکا لکڑی کے سہارے چلنے کا وقت آ جائے؟" آذر کے تمسخرانہ انداز میں کہنے پر زیام نے اُسے گھوری سے نوازا۔

"ایسے کیا آنکھیں نکال رہے ہو ٹھیک کہہ رہا ہوں تُم بس اپنے گھر والوں کی سنتے ہو۔" آذر اس کی گھوری سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"تُم فضول باتیں کہو گے تو کیسے مانوں گا۔"

"میں نے تمھیں یہ نہیں کہا کہ لڑکیوں سے دوستیاں کرو مگر کم از کم بات کرتے وقت لہجہ ٹھیک رکھا کرو۔اتنے کٹھور پن سے بول کر رعب جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"اِس سے زیادہ ٹھیک نہیں رکھ سکتا۔" آذر نے منہ بسورا وہ شخص اس کی کسی بات پر بھی کان دھرنے والا نہیں تھا۔

"ویسے تُم علیحہ کے ہاتھوں کی طرف کیوں دیکھ رہے تھے؟" اُس کے اگلے سوال پر زیام نے تھوک نگلا۔ اگر اسے لگا تھا وہ آذر آفندی کی عقاب نظروں سے بچ گیا تھا تو یہ اُس کی خوش فہمی تھی۔ "کون علیحہ؟"

زیام نے مُکمل لا علمی کا مظاہرہ کیا۔

"روحا کی دوست، وہی درخت والی واحد لڑکی جس کے ساتھ تُم نے درخت شیئر کر لیا ہے۔"

"ہاں آ گئی یاد تُم ساری تاریخ کھول کر نہ بیٹھ جایا کرو۔" زیام اُس کی یاد دھیانی کروانے پر خجل ہوا۔

"سید زیام شاہ کو ایسے ہی لڑکیوں کے بارے میں سمجھایا جا سکتا ہے۔" آذر شریر لہجے میں بولا۔

"مُجھے وہ ذہین لڑکی لگی۔"

"ذہین کیسے؟" آذر نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

"جِس رفتار سے وہ لکھ رہی تھی ذہین لوگ ہی لکھ سکتے ہیں۔ جن کے ہاتھ تیز رفتاری سے چلیں ان کا دماغ اُس سے زیادہ تیزی سے سوچ رہا ہوتا ہے۔"

"ایک تو تُم ہر چیز اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہو۔ آذر اُس کے دیکھنے کی وجہ معلوم ہونے پر خاصا بد مزہ ہوا۔"

"چلو سر آ چکے ہونگے۔" زیام عجلت سے بولتا چل پڑا۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ کوئی نیا سوال پوچھ لے اور اس کے لیے جواب ڈھونڈھنا مُشکل ہو جائے۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی وہ یہ تو نہیں بتا سکتا

تھا کہ وہ علیحہ کے دودھیا رنگت کے ہاتھوں سے نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا اور اُن میں پہنی گئی سیاہ پتھر والی انگوٹھی نے اُسے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا تھا۔
زیام نے اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھایا جِس کی شہادت کی اُنگلی میں پہنی گئی انگوٹھی میں لگا سیاہ پتھر خوب بچ رہا تھا۔

کُچھ تو ربط ہو گا نہ تُجھ سے ہمارا
یوں ہی تو ہم شناس نہیں ہوئے

زیام لیکچر لینے کے بعد جینیٹک انجینرنگ ڈیپارٹنٹ کے بڑے بڑے سفید گول ستونوں کے بیچ سے گزرتا گراؤنڈ کی طرف بڑھا۔
آذر پہلے ہی کسی اور لڑکے کے ساتھ باتیں کرتا کہیں غائب ہو چکا تھا۔اُس کے دوستوں کی لمبی فہرست تھی مگر اس کی سب سے گہری دوستی زیام سے ہی تھی اور زیام کی صرف اس سے دوستی تھی۔
ڈیپارٹنٹ کی پچھلی جانب درختوں سے بھرے اُس دو ٹکڑوں میں بٹے وسیع گراؤنڈ میں اسے صرف ایک چیز نظر آتی تھی برگد کا درخت۔۔
ڈیپارٹمنٹ کے سامنے بنے گراؤنڈ میں درختوں کی نسبت پودے تھے جبکہ پچھلی جانب کا حصے میں بڑے درخت اور پھول دار جھاڑیاں تھیں وہ پرانے باغ نُما لگتا تھا۔

اُس نے درخت کی طرف قدم بڑھائے مگر اُس کے پاس پُہنچتے اس کے قدم تھم گئے تھے۔
علیحہ آنکھیں موندے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔شاید سو رہی تھی وہ دور سے اندازہ نہیں لگا سکا۔
آنکھوں کو سفید کلائی سے ڈھانپا ہوا تھا۔
بازو سے لڑھکتے ہوئے ہاتھ میں موجود سیاہ پتھر والی انگوٹھی دوبارہ زیام کی نظروں کے سامنے آئی۔
وہ سر جٹکتا درخت کی دوسری جانب بڑھا۔
"زیام تُم ادھر بیٹھ سکتے ہو۔"
روحا کی آواز پر وہ پلٹا اُسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ روحا بھی وہاں موجود تھی۔مُجھے ایسا کیوں لگا کہ یہاں صرف دو لوگ ہیں یہ اور میں۔۔وہ سوچ کر رہ گیا۔
زیام کُچھ لحظے سوچنے کے بعد اُن کے قریب بیٹھ گیا وہ آذر اور زیام کی کالج کے زمانے کی دوستی کی وجہ سے روحا کو جانتا تھا۔روحا اور آذر کے گھر بالکل ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے وہ پہلے کافی بار مل چکے تھے۔ایک دو بار آذر اپنے ساتھ اُسے روحا کے گھر بھی لے جا چکا تھا۔
دونوں کے گھروں کے لان کے درمیان میں دروازہ بنایا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ ایک دوسرے کے گھر با آسانی پُہنچ جاتے تھے۔
"تمھاری دوست یونیورسٹی سونے آتی ہے؟"
زیام نے نا جانے کیوں پوچھا حالانکہ وہ کسی کے معاملات میں بولنے کا عادی نہیں تھا۔
"اِس کے سر میں کافی درد تھا تھکی ہوئی تھی شاید رات میں سوئی نہیں اسی لیے آنکھ لگ گئی۔"

زیام نے اس کی طرف چہرہ پھیرا اب بازو ایک آنکھ پر تھا بالوں کی لٹیں چہرے پر بکھری ہوئی تھیں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

مگر زیام نے اُس کی آنکھوں کے گرد پڑے گھرے ہلکے دیکھ لیے تھے اُس کے چہرے پر تھکن کے واضح اثرات تھے۔وہ ایک رات نہیں بلکہ کئی راتوں سے جاگی معلوم ہو رہی تھی۔

روحا اُس سے باتیں کر رہی تھی اور زیام کی نظر بار بار سوئی ہوئی علیحہ پر پڑتی تھیں۔

....

”آذر ہزار بار کہا ہے گاڑی آہستہ چلایا کرو۔“ روحا اُس پر چلا رہی تھی۔

آذر کی تیز رفتار ڈرائیونگ کی وجہ سے اُن کی گاڑی سامنے سے آتی گاڑی میں لگی تھی۔

وہ دونوں یونیورسٹی ساتھ آتے جاتے تھے۔

ابتسام آفندی نے آذر کی وجہ سے ہی روحا کا اُس یونیورسٹی میں داخلہ کروایا تھا تا کہ اُنہیں روحا کی طرف سے فکر نہ ہو۔ورنہ روحا کو آذر کی طرح جامعہ کراچی میں پڑھنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔اُس کے نزدیک گورنمنٹ، پرائیویٹ دونوں یونیورسٹیاں برابر ہوتی ہیں مگر آذر آفندی کے نزدیک گورنمنٹ یونیورسٹی سے لی گئی ڈگری زیادہ اہم ہوتی ہے۔

سامنے موجود گاڑی سے دو ہٹے کٹے مرد باہر نکلے اور انہیں دیکھ کر آذر کی بے فکری پر کسی نے شب خون مار دیا۔

”دیکھو اب تمھارا کیا حشر ہوتا ہے۔“ روحا آذر پر کہر آلود نظر ڈالتے بولی۔

"تم زیادہ ڈرا رہی ہو اُن کی بھی غلطی تھی وہ کون سا آہستہ چلا رہے تھے ہیڈ لائٹس ہماری گاڑی کی ٹوٹی ہیں ہمیں غصہ ہونا چاہیے۔" آذر سہما سا اپنی صفائی دے رہا تھا۔

"اور جو تُم نے اُس کی گاڑی کا حشر کیا ہے۔" روحا کے اشارے پر آذر نے سامنے دیکھا وہ واقعی اُس کی گاڑی کا حشر کر چکا تھا اور اب اپنے ہونے والے حشر سے خوف زدہ تھا۔

"باہر نکلیں۔۔" سامنے بھاری بھرکم شخص ہاتھ میں بندوق پکڑے کڑے تیوروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

اُسے دیکھ کر لمحے کو وہ دونوں پریشان ہوئے۔

"کیوں نکلیں باہر؟" آذر کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی جس کی وجہ سامنے کھڑے شخص کا رُعب تھا۔

"آپکو اندازہ ہے آپ نے کس کی گاڑی کو نقصان پُہنچایا ہے آپ کے خلاف ایسا کیس ہو گا کہ مہینوں جیل سے نہیں نکلیں گے۔"

"ایسے کون سے سیٹھ کی گاڑی ہے؟" آذر زبان کی لرزش پر قابو پاتے مستحکم لہجے میں بولا۔

کم از کم وہ جیل نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا ایسا ہو گا تو اُسے احتشام آفندی کی پھٹکار سننا پڑے گی۔روحا کا ساتھ تھانے جانے کے بارے میں سوچ کر اُس کے دِل و دماغ میں ہول اٹھنے لگے تھے۔

"یہ جس شہر میں آپ آزادانہ گھوم رہے ہیں اور گاڑیاں لگاتے پھر رہے ہیں اس کے ڈپٹی میئر کی گاڑی ہے۔نکلیں باہر ورنہ۔۔"

وہ دھمکی آمیز انداز میں بولا تو اُس کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا۔

آذر کو گارڈز سے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ گاڑی کسی معمولی شخص کی نہیں تھی ڈپٹی میئر کا نام سن کر اس کی گھبراہٹ میں یک لخت اضافہ ہوا تھا۔

اِدھر ڈپٹی میئر کا سنتے ہی روحا کے دماغ میں جھماکا ہوا۔

"ڈپٹی میئر مطلب مریان لکھانی۔" وہ بڑبڑائی پھر

گاڑی کا دروازہ کھولتی مریان کی گاڑی کے پچھلے شیشے کو ہاتھ سے کھٹکھٹانے لگی۔ آذر بھی اُس کے پیچھے لپکا۔

مریان نے شیشہ نیچے کیا اور سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔

"محترمہ آپ نے میری ساری گاڑیوں کا کباڑا کرنے کا ٹھیکہ اُٹھایا لیا ہے؟"

روحا اس سے پہلے کے کُچھ بولتی مریان نے بولتی بند کروا دی تھی۔ پچھلی ناخوشگوار ملاقات کے بعد بھی اُسے اُمید تھی وہ اُس بار بھی کُچھ نہیں کہے گا اور اُنہیں جانے دے گا۔

"دیکھیں اُس کا نقصان پورا کرنے کے لئے میں نے چیک دیا تھا مگر آپ نے لیا نہیں۔ میرے پاس آپکی امانت تھی یہ لیں اور اس کا نقصان بھی ہم پورا کر دیں گے اب پلیز اِن لوگوں کو کہیں کہ ہمیں جانے دیں۔" روحا نے بازو پر لٹکتا پرس کھول کر اُس میں سے چیک نکال کر مریان کی جانب بڑھایا۔

مریان نے ایک نظر روحا پر اور دوسری پیچھے کھڑے شخص پر ڈالی۔ آذر نے برافروختہ ہو کر مریان کی جانب دیکھا۔

روحا کے لہجے میں طنز نہیں تھا مگر آذر کی نگاہوں کو وہ نظرانداز نہیں کر سکا تھا۔

مریان نے چیک کو پکڑ کر دو ٹکڑے کر دیے تھے اُس کا پارا پیچھے کھڑے شخص کی معنی خیز مسکراہٹ پر ہائی ہوا تھا اُسے اپنی تذلیل محسوس ہوئی۔ اُسے وہ شخص پہلی نظر میں زہر لگا تھا حالانکہ عموماً ایسا ہوتا نہیں تھا۔

”یہ کیوں پھاڑ ڈالا اب میں دوبارہ اتنے پیسے کیسے دوں گی میں نے اپنی سیونگز میں سے دیئے تھے۔“ روحا نے چہرے پر مظلومیت لاتے جھوٹ بولا۔

”آپ نے مجھے دے دیئے میں نے لے لیے اب میں چاہے اِنہیں پھاڑ دیتا یا آگ لگاتا یہ آپکا مسئلہ نہیں۔ اُنہیں اِن کی گاڑی کے ساتھ تھانے پُہنچاِیں تاکہ اگلی بار یہ احتیاط کریں۔ مریان سنجیدگی سے کہتا سامنے دیکھنے لگا۔

اُس کی آخری بات پر آذر اور روحا نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”مریان لکھانی آپ اِن بڑی بڑی گاڑیوں میں چار چار آدمی ساتھ لے کر گھومنے والے عام عوام کے مسائل نہیں سمجھ سکتے اتنی ٹریفک ہوتی ہے انسان نے بدحواس ہی ہونا ہے۔“ آذر بھی اس کی بات پر تاؤ کھا گیا تھا۔

”محترم میں نے آج یہ گاڑی اور گارڈز سیکیورٹی کی وجوہات کی وجہ سے رکھے ہیں مُجھے کانفرنس میں جانا تھا ورنہ میں بھی انہی سڑکوں پر آپ سے چھوٹی گاڑی کے ساتھ سفر کرتا ہوں میں نے تو حواس کبھی نہیں کھوئے۔ آپ کی سپیڈ تیز تھی اپنی غلطی کو تسلیم کریں۔“ وہ اب کی بار نرم لہجے میں اُسے بتا رہا تھا۔ آذر اُس کی بات پر خاموش ہوا۔

”لیکن میں آپکو کہہ رہی ہوں نہ۔۔۔“

"محترمہ آپ گاڑی میں بیٹھیں آپکو آپکے گھر چھوڑ دیتا ہوں عورتیں تھانوں میں اچھی نہیں لگتیں۔" مریان روحا کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی میں آذر کے ساتھ ہی جاؤں گی۔" روحا کا انداز دوٹوک تھا۔

"تو آپ اپنے گھر کی عزت تھانے میں اچھالنا چاہتی ہیں؟" مریان نے ہنوز نظریں سامنے ٹکائے کہا۔

"روحا ضد نہ کرو تُم چلی جاؤ اِن کے ساتھ میں نپٹ کے آتا ہوں۔" آذر جتانے والے انداز میں مریان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔اُس کے چہرے سے نفرت ٹپک رہی تھی اُس کا بس نہیں چل رہا تھا اُسے اس کی گاڑی سمیت اُڑا دے۔جتنی تعریف وہ مریان کی میڈیا پر سن چکا تھا وہ اس پر اتنا اعتبار تو کر سکتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور روحا کو باحفاظت گھر پہنچا آئے گا۔وہ کٹھور مزاج لگتا تھا مگر اس کے کردار کی شفافی اس کی آنکھوں سے نظر آتی تھی۔

مگر مریان لکھانی پر نفرت اثر نہیں کرتی تھی۔

اُسے نفرت کی عادت ہوگئی تھی ہزاروں تھے اُس سے نفرت کرنے والے وہ ہر کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔

روحا دانت پیستی گاڑی میں بیٹھ گئی۔وہ آذر کی بات کبھی نہیں ٹالتی تھی اور اکیلے وہ کبھی باہر نکلتی بھی نہیں تھی ہمیشہ آذر یا ابتسام آفندی کے ساتھ ہی آتی جاتی تھی۔اب اکیلے جانا بھی اُس کے لیے کہیں کھو جانے کے مترادف ہی تھا۔

وہ منھ پھلائے گاڑی کے شیشے پر چہرہ ٹکائے باہر دیکھتی رہی۔

مریان دوسرے کونے میں بیٹھا لا پرواہی سے اپنے موبائل کی سکرین سکرول کرتا رہا۔
اُس نے سارے راستے ایک بار بھی اُسے مخاطب نہیں کیا مگر گاہے بگاہے چہرہ موڑ کر اسے دیکھتا ضرور تھا۔
اور وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی ہلی بھی نہیں تھی۔وہ مجبوری میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی ورنہ اسے جتنا غُصہ اُس پر آ رہا تھا وہ کبھی اس کی گاڑی میں نا بیٹھتی۔
"روحا بی بی آپکا محل آ گیا ہے۔"
مریان ابتسام ولا کے سامنے گاڑی رکواتا بولا۔
اور بی بی کہنے پر روحا کا پارا مزید ہائی ہوا۔
"میرا نام روحا ابتسام آفندی ہے۔"
اور وہ بغیر پیچھے دیکھے زور دار طریقے سے گاڑی کا دروازہ بند کرتی ابتسام ولا کی جانب بڑھی۔
"مطلب اِس نے میری ساری گاڑیاں تباہ کر کے چھوڑنی ہے۔" مریان مسکراہٹ کے ساتھ بڑبڑایا۔
"مجھے گھر چھوڑ کر گاڑی ٹھیک کروانے لے جانا۔" مریان نے ڈرائیور کو ہدایت دی تو اس نے سر ہلا دیا۔
اُس نے جو کیا وہ اُس سے مطمئین تھا مگر اُسے سمجھ نہیں آیا کہ اتنی سی بات پہ اُس نے آذر کو تھانے تک کیوں پُہنچا دیا۔حالانکہ وہ بدلے لینے کا متحمل نہیں تھا بڑی سے بڑی بات پر لوگوں کو معاف کر دیا کرتا تھا۔

~~~

روحا اُنگلیاں مروڑتی پنڈولم بنی کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔غصے سے چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔اُس کے دماغ میں بنے سیاستدان کے خاکے پر مریان پورا اُتر رہا تھا۔"صحیح کہتے ہیں لوگ سیاستدان بد دماغ ہوتے ہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھی نبیہا کی جانب اُنگلی اُٹھا کر بولی۔

"روحا یار بیٹھ جاؤ اِس طرح کھڑے رہنے سے کیا ہو گا؟" روحا کو یوں چکر کاٹتا دیکھ کر اُس کا اپنا سر چکرانے لگا تھا۔وہ اُسے کب سے ایک ہی بات کہی جا رہی تھی مگر روحا سنی ان سنی کر رہی تھی۔

"شام کے پانچ بج گئے ہیں بابا اور تایا ابو گھر نہیں آئے اور نہ آذر کی کوئی خبر ہے۔" وہ وال کلاک پر نظر دوڑا کر فکر مند سی بولی۔

"تُم بابا کو کال کر کے دیکھو۔" نبیہا نے تجویز پیش کی۔

"کی تھی کال بابا کہہ رہے تھے تھوڑی دیر میں آئیں گے میں نے سوچا آذر کے بارے میں اُن کے گھر آنے کے بعد بتاؤں گی۔"

"لو آ گئے بابا۔" نبیہا ابتسام آفندی کو دیکھتے ہی اُن کی طرف لپکی اور اُنہوں نے اُس کے ماتھے پر بوسا دیا نبیہا اُنھیں روحا سے زیادہ عزیز تھی۔ایسا روحا کے سمیت سب لوگوں کو لگتا تھا۔

روحا یہ تضاد دیکھتی تھی مگر خاص غور نہیں کرتی تھی۔قدرتی طور پر ماں باپ کو ایک اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے اور اُنہیں نبیہا تھی۔
~~~

روحا اپنے تایا تائی کی زیادہ لاڈلی تھی بچپن میں وہ اپنے گھر کی نسبت اُن کے گھر زیادہ پائی جاتی تھی۔ وہ بھی اُسے بیٹی کہتے اور مانتے تھے۔

روحا نے پیچھے آتے آذر اور احتشام آفندی کو دیکھ لیا تھا۔اُس کی پریشانی سوا ہوئی۔وہ جانتی تھی اب آذر کی احتشام آفندی سے اچھی خاصی ہو گی۔

"تایا جان اس کے بارے میں آپکو کس نے بتایا؟"

"پولیس اسٹیشن سے کال آئی تھی سفارش لگوا کر معاملہ رفا دفع کروایا ورنہ محترم کو رات وہیں گزارنی پڑتی۔"

احتشام آفندی نے خون ٹپکاتی نظروں سے آذر کو دیکھا اُنہیں یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ اُن کا بیٹا حوالات سے ہو کر آیا ہے۔

"تایا جان آذر کی غلطی نہیں مریان کا دماغ خراب ہوا تھا ہلکی سی گاڑی کو ٹکر لگی اور اس نے تھانے ہی بھجوا دیا۔" روحا نے آذر کو بچانے کی خاطر مریان کو موردِ الزام ٹھہرا دیا تھا۔

"مریان لکھانی؟" ابتسام آفندی اُس کے نام پر ٹھٹھکے۔

"جی وہی ڈپٹی مئیر کراچی۔۔" روحا منہ بسورتے بولی۔

ابتسام آفندی نے طیش سے مٹھیاں بھینچیں۔

"اسے تو میں چھوڑوں گا نہیں اِس کے پر کاٹنے پڑیں گے۔"

روحا اپنے باپ کے بگڑے تیوروں سے پریشان ہوئی اُس کا مقصد کسی کو مصیبت میں ڈالنا ہر گز نہیں تھا وہ صرف آذر کو احتشام آفندی کی ڈانٹ سے بچانا چاہ رہی تھی۔

"بابا پلیز آپ کُچھ غلط نہیں کریں گے مار دھاڑ تو ہر گز نہیں آپ اپنے اثر و رسوخ اور پیسوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔" اُس نے ہمیشہ کی طرح اب بھی ابتسام آفندی کی سوچ پر مزاحمت کی ان کی ہر غلط بات پر روحا کی اُن سے مخالفت لازم و ملزوم تھی۔

"تُم اپنی زبان بند رکھا کرو میرے معاملات میں مداخلت نہ کیا کرو۔" روحا اُن کے اونچی آواز میں دھاڑنے پر سہمی۔"چاچو پلیز روحا کو ایسے مت ڈانٹا کریں وہ غلط نہیں کہتی۔" آذر بھی روحا کی وکالت کو پیش پیش تھا۔

"تُم بچوں کا تو دماغ خراب ہے ایسے تو کوئی بھی ہمارے خلاف کُچھ بھی کرتا پھرے اور ہم خاموش رہیں۔"

"بابا ہمارے خلاف اُس نے کُچھ بھی نہیں کیا صرف اتفاق تھا کہ ہماری اُس کی گاڑی کے ساتھ ٹکر ہو گئی۔ غلطی بھی ہماری زیادہ تھی۔"

مریان اُس کے منہ سے اپنی حمایت سنتا تو اپنے سنے پر بھی نا یقین کرتا۔

"روحا مُجھے سمجھ نہیں آتا تُمہیں میری ہر بات سے اختلاف کیوں ہوتا ہے نبیہا نے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔"

"کیونکہ میں غلط کو صحیح پیش کر کے نہیں دیکھا سکتی۔" روحا گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کے ساتھ تڑخ کر بولی تو ابتسام آفندی نے برہمی سے اس کی جانب دیکھا۔

"ابتسام خبردار جو میری بیٹی کو اب کُچھ کہا۔"
روحا اب احتشام آفندی کے پاس صوفے پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی وہ اس کا سر تھپتھپا رہے تھے اور ساتھ ساتھ آزردہ نظریں اپنے چھوٹے بھائی پر جمائے ہوئے تھے جو اُن کے ادب کی وجہ سے اب خاموش کھڑا تھا۔
احتشام آفندی روحا کے ساتھ ایسا سلوک دیکھتے تو صبر کا گھونٹ پی کر رہ جاتے اُن کے بھائی کو اپنے مطلب کے آگے کُچھ نظر نہیں آتا تھا اپنی اولاد بھی نہیں۔
"مریان نے تمھیں ٹھیک گھر پُہنچا دیا نہ راستے میں کُچھ کہا تو نہیں؟ تُمہیں ٹیکسی پر بٹھاتا مگر تُمہیں گھر کا راستہ بتانا نہیں آتا۔"
آذر متردد ہو کر پوچھ رہا تھا۔
"اس نے کُچھ نہیں کہا۔" روحا نے آنکھوں پر ہتھیلی رگڑ کر آنسوؤں پونچھے۔
"صد شکر کے اُس نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پُہنچایا۔" احتشام آفندی کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی اُنہیں روحا آذر سے زیادہ عزیز تھی اُن کی کوئی بیٹی نہیں تھی مگر اُنھیں روحا نے یہ کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔
"تایا جان وہ آدم خور نہیں تھا کہ مُجھے نقصان پہنچاتا۔" وہ تیز لہجے میں کہتی اٹھی اور سیڑھیوں کے زینے پھلانگتی اوپر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔"آدم تو آدم خور سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔" وہ اس کی پُشت کی جانب دیکھ کر بھاری لہجے میں بولے۔
نبیہا اور ابتسام آفندی پہلے ہی ہنکار بھرتے جا چکے تھے۔

وہ آذر کو حیران کر گئی تھی۔

"یہ اس کی اتنی حمایت کیوں کر رہی تھی؟" آذر حیرت سے بڑبڑایا۔

"جذباتی ہو گئی ہے ابتسام بھی اس کے ساتھ اکثر زیاتی کر جاتا ہے۔" وہ سرد آہ بھر کر رہ گئے۔

"چاچو کسی کی مخالفت برداشت نہیں کرتے اور یہ بار بار کرتی ہے۔"

"یہ اپنے باپ کو وہ بتاتی ہے جو دوسرے لوگ اُس کے پیسے سے مرعوب ہو کر نہیں کہہ سکتے۔

ابتسام آفندی کی مخالفت کرنے کی صرف دو لوگ جرات کر سکتے تھے احتشام آفندی اور روحا مگر وہ ان کی مخالفت بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

مُجھے نہیں لگتا چاچو کبھی بدلیں گے۔" آذر رسانیت سے بولا۔

"مُجھے خود ابتسام کے پیسے کا ہوس خوف زدہ کر دیتا ہے۔یہ اسے کسی بڑی مُشکل میں نہ ڈال دے۔" احتشام آفندی کی آنکھیں چھوٹے بھائی کی فکر سے لبریز تھیں۔

"علیحہ مان جاؤ دیکھو میں تمھارے گھر آ کر آنٹی کو بھی منا لوں گی تُم بس حامی بھرو۔"

روحا علیحہ کو پچھلے ایک گھنٹے سے ویلکم پارٹی میں جانے کے لیے منانے میں لگی ہوئی تھی مگر وہ مان کے نہیں دے رہی تھی۔

"نہیں۔۔وہ نہیں منائیں گی۔" علیحہ کا اُس کے گھر آنے کے ذکر پر سانس رکا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُسکی کم حیثیتی کے بارے میں روحا کُچھ بھی جانے۔جس علاقے میں وہ رہتی تھی وہاں گاڑی تو کیا کسی

شخص کا گزرنا محال تھا۔اُس چھ فٹ کی گلی میں دو لوگ بیک وقت نہیں گزر سکتے تھے کیچڑ اور کچرے کے ڈھیر درمیان میں پڑے ہوتے تھے۔

وہ ان عالیشان گھروں میں رہنے والے لوگوں میں موجود ضرور تھی مگر اُنہیں اپنے اصل سے روشناس نہیں کروانا چاہتی تھی۔

وہ اپنے حلیے، شکل، انداز کہیں سے بھی کسی ایسے علاقے میں رہنے والی لڑکی نہیں لگتی تھی۔اُسے اپنی عزت نفس بہت عزیز تھی وہ نہیں چاہتی تھی کوئی اُس کی حقیقت جان کر اُسے کم تر ہونے کے طعنے دے۔

علیحہ اور روحا بیٹھیں باتوں میں محو تھیں جب قدموں کی چاپ پر خاموش ہوئیں۔

علیحہ نے سر اٹھا کر دیکھا چوڑے شانوں پر سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی آنکھوں میں نمی سی تھی ناک سُرخ ہو چُکا تھا وہ اُسے بیمار لگا تھا۔

روحا یہ رات کی پارٹی کے انویٹیشن کارڈز ہیں آذر نے کہا آپ لوگوں کو دے دوں۔اُس نے ہاتھ میں موجود دو کارڈ روحا کی جانب بڑھائے جو اس نے فوراً تھام لیے۔

"ویسے ویلکم پارٹی میں ہمارے لیے کوئی سرپرائز ہو گا؟" روحا راز دارانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا اپنے کزن سے پوچھنا اُس کے یہاں بہت سے لوگوں سے تعلقات ہیں اُسے ہر خبر ہوتی ہے وہ تمہیں بتا بھی دے گا۔"

"ہاں اُسے دوست بنانے کا خاصہ شوق ہے۔"

"تُم آذر کے علاوہ اور کوئی دوست کیوں نہیں بناتے وہ تو تھوڑی دیر بعد غائب ہو جاتا ہے۔" روحا کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرایا تو شخصیت کی دلکشی بڑھی۔

"اِنسان کو تعلقات اتنے ہی بنانے چاہیں جتنے وہ اچھے سے نباہ سکے اور مُجھے لگتا ہے میں نے زیادہ تعلقات بنائے تو بہت سے لوگوں میں بٹ جاؤں گا جو مُجھے پسند نہیں۔"

وہ کہتے ہوئے مڑا پھر کچھ یاد آنے پر پلٹا۔

علیحہ جو کارڈ کو مُٹھی میں دبوچے مسل رہی تھی زیام کے پیچھے مڑنے پر رکی۔

اُسے اس کارڈ کو دیکھ کر مزید بے بسی کا احساس ہوا وہ جانا چاہتی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی ماں نہ جانے کی سو وجوہات ضرور بتائیں گی مگر جانے کی اجازت قطعاً نہیں دے گی۔

"علیحہ آپ آئیں گی؟" اُس کے لہجے میں اُمید تھی۔

"نہیں۔۔۔" وہ با مُشکل بول پائی۔ایک لمحے کو علیحہ کو اُس کے چہرے پر بڑا سنجیدہ اور انجانا سا تاثر نظر آیا جو اگلے ہی لمحے غائب ہو گیا۔

"جیسے آپکی مرضی۔۔" وہ کہتے ہوئے پلٹا مگر انداز بُجھا ہوا تھا۔

لوگ ہر موڑ پہ رُک رُک کے سنبھلتے کیوں ہیں
اتنا ڈرتے ہیں تو پھر گھر سے نکلتے کیوں ہیں
میکدہ ظرف کے معیار کا پیمانہ ہے
خالی شیشوں کی طرح لوگ اُچھلتے کیوں ہیں

موڑ ہوتا ہے جوانی کا سنبھلنے کے لیئے
اور سب لوگ یہیں آ کے پھسلتے کیوں ہیں
نیند سے میرا تعلق ہی نہیں برسوں سے
خواب آ، آ کے مری چھت پہ ٹہلتے کیوں ہیں

"زیام تم ٹھیک ہو؟"
روحا اُسکا بُجھا انداز بھانپ گئی تھی وہ شکل سے ہی خاصہ بیمار لگ رہا تھا۔
"ٹھیک ہوں بس ہلکا سا بخار ہے۔" اس نے بغیر پلٹے جواب دیا۔
"ہلکا سا تو نہیں لگ رہا۔"
اس بار اُس نے روحا کی بات کا جواب نہیں دیا اور قدم بڑھا دیئے۔
روحا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
"علیحہ ایسے صاف انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اُسے بُرا لگا ہو گا۔" روحا اُس کے جانے کے بعد علیحہ کی جانب مڑی۔
"اُسے میرے انکار سے کیا مطلب۔۔" علیحہ نے بے نیازی دیکھائی۔
"اُس کے انداز سے تمہیں نہیں لگا؟"
"مُجھے تو اچھا خاصہ مغرور قسم کا لڑکا لگتا ہے اُسے میرے آنے یا نہ آنے سے کیا مطلب ہو سکتا ہے اور بیمار ہے اسی لیے ایسے لگ رہا تھا۔" وہ رکھائی سے بولتی نظریں پھیر گئی۔

"خیریت پوچھ لیتی؟"

"میرا اُس سے کیا تعلق جو خیریت پوچھتی؟"

"علیحہ ہم ایک یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں مروتاً پوچھ لیتی۔"

"ہزاروں لوگ پڑھتے ہیں یہاں اب اُن سب کی خیریت دریافت کرتی رہوں؟ اتنی فارغ ہوں؟"

روحا خاموش ہو گئی اب تک اُسے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ علیحہ کو غُصہ جلدی آتا ہے مگر اُس کے اِس مزاج کے پیچھے کی وجہ وہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔

....

عینی متلاشی نظریں دوڑا رہی تھی مگر اُسے وہ کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

"روحا تُمہیں پتہ ہے زیام کہاں ہے؟"

روحا جو پرل کانٹینینٹل کی روشنیوں میں گم تھی عینی کے پوچھنے پر اُس کی جانب متوجہ ہوئی۔

زرق برق کے کپڑے پہنے ہر شخص دوسرے سے زیادہ خوبصورت لگنے کی سعی میں تھا۔تمام طلبہ نے آج کی پارٹی کا خاص اہتمام کیا تھا خاص طور پر فریشرز نے یہ اُن کی یونیورسٹی کی پہلی پارٹی تھی اہتمام بنتا بھی تھا۔

"آذر کے ساتھ ہو گا اگر نہیں تو وہ آیا ہی نہیں ہو گا۔" روحا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"نہیں آذر سے پوچھ کر آئی ہوں اسے نہیں پتہ وہ اپنے اور دوستوں کے ساتھ کھڑا ہے۔

اور کیا مطلب آیا نہیں ہو گا ضرور آیا ہو گا۔"

عینی بیتابی سے نظریں پھر گھمانے لگی وہ جس کے لیے آئی تھی وہی وہاں موجود نہیں تھا تو اس کے آنے کا فائدہ ہی نہیں تھا۔

"بیمار ہے اور مُجھے لگتا ہے اسے پارٹیز وغیرہ میں دلچسپی بھی نہیں ہے۔"

"تمھیں کیسے پتہ؟" عینی متحیر سی پوچھ رہی تھی۔

"انویٹیشن دینے آیا تھا تو بتا رہا تھا کہ اُسے بخار ہے اور جس مزاج کا ہے لگتا نہیں پارٹیز میں جانے کا شوقین ہو گا۔" روحا بے نیازی سے بولی تھی مگر اس کی بات نے عینی کی بے فکری غارت کر دی تھی۔وہ حیران تھی دو ہفتے پہلے آئی روحا اُس کے بارے میں اُس سے زیادہ جانتی تھی۔کوئی زیام کے بارے میں اس سے بھی جانتا تھا یہ بات اُسے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔

"عینی اس سائڈ پہ مُجھے زیادہ اچھا اریجمنٹ لگ رہا ہے ہم اُدھر چلتے ہیں۔" وہ عینی کا بازو پکڑے چلنے لگی تو عینی نے اسے پکڑ کر دوبارہ پیچھے کھڑا کیا۔

"روحا یہاں پارٹیشن کی گئی ہے اور ہمیں اپنی جگہ پر رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہم پہلے ہی بُکنگ کروا چکے تھے انہوں نے اچانک جگہ کی ڈیمانڈ کی تو پارٹیشن کرنی پڑی وہاں ملک کے سب مشہور بزنس مینز ہیں ہم وہاں نہیں جا سکتے۔" عینی اسے تنبیہہ انداز میں بتا رہی تھی۔

"تو اُنہیں اور کوئی جگہ نہیں ملی؟" روحا نے اس جانب دیکھ کر ناک چڑھائی۔

"تمھیں پتہ ہے پرل کانٹینینٹل شہر کا سب سے مشہور ہوٹل ہے سب رئیس یہیں اپنے فنکشنز کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں ہم کہیں گے کہ اُدھر غلطی سے آ گئے۔" روحا پر اس کی تنبیہہ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"لیکن روحا۔۔" عینی کے بولنے سے پہلے ہی وہ اُس کا ہاتھ تھامتی دوسری سائڈ پر آ گئی تھی اور گہری نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

وہ امیر مردوں کا بازار لگ رہا تھا ہر شخص اپنے حلیے سے اپنے پاس موجود پیسوں کی ترجمانی کر رہا تھا۔

روحا نے طائرانہ نظر دوڑائی۔

مریان جوس کا گلاس لبوں سے لگائے پاس کھڑے لوگوں سے بات کر رہا تھا جب اُس کی نظر روحا پر پڑی اور تھم گئی۔وہ پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا تھا نا اُسے لوگوں کی موجودگی کا وہم ہوتا تھا۔

"یہ یہاں کیسے پُہنچ گئی اب۔۔" وہ سوچ رہا تھا کہ نظر دوسری سائڈ پر موجود نوجوانوں پر پڑی اور وہ سمجھ گیا یہ یونیورسٹی کی پارٹی سے نکل کر ادھر آ دھمکی ہے۔

سیاہ گھٹنوں سے قدرے اوپر فراک سیدھے سیاہ بال اور کاجل کی دھار والے کالے نین جو چاروں اطراف گھوم رہے تھے۔وہ عینی سے باتوں میں محو تھی۔ہنسی اُس کی نرم تراشیدہ لبوں سے پھوٹ رہی تھی۔سیاہ رنگ نے اس کے حسن کو مزید دمکا کر رکھ دیا تھا۔مریان کی نگاہ کیا اٹھی تھم کر رہ گئی۔

اُس کے دلگیر سراپے کو دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ اُسے حسن کی دولت سے بخشنے میں بے حد فیاضی سے کام لیا گیا تھا۔

"حسین امتزاج۔۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا مگر آواز اتنی مدھم تھی کہ اُس کی خود کی سماعتوں تک نا پہنچ پائی۔

اُس کی نظر بار بار روحا کی طرف جا رہی تھی مگر اُسے یہ علم نہیں تھا اس کی یہ حرکت کوئی نوٹ کر رہا تھا۔

"روحا وہ تمھاری طرف بار بار دیکھ رہا ہے۔" عینی مریان کی نظروں سے اُسے با خبر کر رہی تھی۔

"کون دیکھ رہا ہے؟" وہ ناک میں بھوں چڑھا کر بولی۔

"وہ وائٹ شرٹ والا لڑکا مُجھے لگتا ہے تُم اسے اچھی لگی ہو۔" عینی کی آنکھوں میں شرارت تیر رہی تھی۔

روحا نے عینی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھٹھکی جو اب اُن کی طرف متوجہ نہیں تھا روحا ایک نظر میں اُسے پہچان گئی تھی وہ کل کی بات بھولی کب تھی کل کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا جسے اُس نے جھٹکا۔

"تو دیکھتا رہے۔" روحا نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"ویسے ہینڈسم تو بہت ہے اور رئیس بھی ہو گا تم سے بات کرنے کے لیے آئے تو نخرے مت دیکھانا۔" عینی مریان کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر لگ رہی تھی۔

"ہنہہ۔۔میں بیس سال کی لڑکی اور وہ پینتیس سال کا بوڑھا۔" روحا کو اُس کی کل کی حرکت پر ابھی تک غُصہ تھا۔

"بتیس سال کا بوڑھا اور غالباً آپ بھی بائیس سال کی ہونگی۔" مریان کے آفت کی طرح آنے اور اس کی صحیح عمر دریافت کر لینے پر روحا کی بولتی بند ہوگئی تھی۔مریان اُن کے اشارے دیکھ کر اُن کی طرف آیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ مریان لکھانی؟" روحا کھسمیسائی اور عینی نے حیرت سے دونوں کی جانب دیکھا اُسے توقع نہیں تھی وہ پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہونگے۔

"ویسا ہی ہوں جیسا گاڑی کا شیشہ توڑوانے کے بعد تھا۔"

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" روحا نے اُس کا طنز سمجھتے ہوئے بات بدلنا چاہی۔

"یہ پارٹی میں نے ہی ارینج کروائی ہے اصولاً مُجھے پوچھنا چاہئے تھا کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"

"وہ۔۔میں" روحا اپنے بے تکے سوال میں خودی پھنس گئی تھی۔

"آپکے دوست دوسری سائڈ پر ہیں آپ شاید غلطی سے بزنس پارٹی والی سائڈ پر آ گئی ہیں۔"

روحا اچھی خاصی شرمندہ ہو چکی تھی۔وہ بغیر کُچھ بولے ہی پلٹ گئی۔

روحا کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے مریان محظوظ ہوا تھا۔اُس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"ویسے محترمہ آپ نے بلکل غلط اندازہ لگایا میں اِن سے متاثر ہو کر ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا مُجھے ڈر تھا یہ یہاں موجود کسی چیز کو نقصان نہ پہنچا دیں انہیں چیزیں توڑنے کا کافی شوق ہے۔" مریان اب عینی سے مخاطب تھا۔

اُس کی بات پر روحا سلگ کر رہ گئی۔

روحا نے سامنے سے گزرتے ویٹر کی ٹرے سے جوس کا گلاس اٹھا کر نیچے پھینکا اور تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ مڑی۔اُس کے چہرے پر موجود استہزا دیکھ کر مریان نے جبڑے بھینچے۔

"مریان لکھانی آپکا نظر رکھنا کام نہیں آیا۔" وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

مریان کی پیشانی پر بل پڑے اپنی سنجیدہ نظریں اُس پر گاڑھیں۔روحا اُس کی سرد تاثر نظروں سے جزبز ہوئی۔

گلاس کے ٹوٹنے کی آواز پر بہت سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ویٹر انہیں یہاں سے گلاس کے پیسے لیے بغیر مت جانے دیجئے گا انہیں احساس ہونا چاہیے ہر چیز پر پیسے خرچ ہوتے ہیں اور ان کی یہ بے تکی حرکتوں سے ضائع ہونے والے پیسے کسی کے کام بھی آ سکتے ہیں۔" روحا نے جس ویٹر سے گلاس تھاما تھا مریان اُس سے مخاطب تھا۔روحا نے ناک سکیڑ کر چھوٹی سی پیشانی پر بل نمودار کرتے ہوئے اسے گھوری ڈالی تھی۔

"احساس ہے آپکو میرا انہیں اِن کا سامان ہے اور یہ آپکے باپ کا ہوٹل نہیں ہے جو کچھ بھی پکڑیں گی اور توڑ دیں گی ہو سکتا ہے یہ لڑکے کو یہاں پر ساری رات کام کرنے کے اتنے ہی پیسے ملتے ہو جتنے کا آپ گلاس توڑ چکی ہیں۔" اُس کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح روحا کے ذہن میں لگے تھے۔اُس نے نیچے کرچیوں میں گرا گلاس دیکھا اتنی تذلیل وہ بھی صرف ایک گلاس کی وجہ سے۔۔۔؟

اُس نے نظر اُٹھا کر شعلہ باز نظروں سے مریان کو دیکھا۔مگر وہ یکسر نظر انداز کر گیا نفرت اس پر بے اثر تھی۔

"یہ ابتسام آفندی کی بیٹی ہے نہ؟"

سلیم رضا نے اپنے ساتھ کھڑے اپنے پارٹنر سے پوچھا۔

"ہاں وہی ہے اُس کی چھوٹی بیٹی۔۔"

"یہ مریان اِس میں دلچسپی لے رہا ہے کیا؟"

"لگ تو رہا ہے ورنہ پارٹی میں سارے لوگوں کو نظر انداز کر کے اس کے پاس کیوں جاتا۔"

"ویسے لڑکی معصوم لگ رہی ہے۔" اُس نے روحا کے جھکے سر کو دیکھتے کہا۔

روحا کی جھکی پلکوں کے سبب اُس کی آنکھوں میں اُترتی نمی مریان کی نظروں میں نا آ سکی۔اُس کے لب سختی سے آپس میں پیوست تھے۔جیسے وہ اپنے الفاظ کھو چکی ہو یا کُچھ نا بولنا چاہتی ہو۔وہ مریان کو پشیمان معلوم ہو رہی تھی۔مگر ایسا تھا نہیں وہ غصے سے لب بھینچے کھڑی تھی۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے میرے دو دشمنوں کے لئے ایک ہی شکاری کافی ہے اور شکاری بھی ایسا معصوم کے اُسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ وہ کسی کا پتہ بھی صاف کر رہا ہے۔یہ مریان جو سیاست اور کاروبار میں جھنڈے گاڑھ رہا ہے سب زمین بوس ہو جائیں گے عورت کی پیدا کردہ جنگ سب تباہ کر دیتی ہے۔" سلیم رضا معنی خیز نظروں سے مریان کی جانب دیکھتے بولے۔

"تمھارے تو ابتسام آفندی سے درینہ مراسم نہیں ہیں؟" اُس کے پارٹنر نے جیسے اُسے یاد دھیانی کروائی۔

"مگر جو مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا اُسے کچلنا تو پڑے گا نہ۔۔" سلیم رضا چہرے پر خبیثانہ مسکراہٹ سجائے بولے۔

اور وہاں موجود باقی لوگوں کے چہروں پر بھی ایسی ہی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

....

سیدہ سعدیہ زیام کے پاس بیٹھی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کر رہی تھیں وہ دوپہر سے بخار میں دہک رہا تھا۔

"زیام میں تو کہتی ہوں تمھاری شادی کر دوں خود تو تُم اپنا خیال رکھتے نہیں ہو وہ آئے گی تو تمہارا خیال رکھ لے گی۔کوئی پسند ہے تو بتاؤ۔" اپنی ماں کے راز دارانہ انداز میں پوچھنے پر زیام کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

آنکھوں کے سامنے درخت سے ٹیک لگائے علیحہ گھومی۔زیام نے سر جھٹکا۔

"مگر ایک بات یاد رکھنا وہ سید ہونی چاہیئے۔" سیدہ سعدیہ نے پٹی اُس کے ماتھے سے اُتارتے کہا تو اُن کا انداز دوٹوک تھا۔

"ماما ذات سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ جھلا کر بولا۔ہاتھ سے سیدہ سعدیہ کے ہاتھ میں موجود دوبارہ بھگوئی گئی پٹی پیچھے کی۔

"ہمارے خاندان میں شادی صرف سیدوں سے ہی کی جاتی ہے یہ بات تُم اچھی طرح جانتے ہو اور مُجھے اُمید ہے تُم بغاوت نہیں کرو گے۔تم تو ویسے بھی فرمابردار اولاد ہو تم سے تو ہم بغاوت کی اُمید کر بھی نہیں سکتے۔" سیدہ سعدیہ کے انداز سے اپنی اولاد پر یقین جھلک رہا تھا۔وہ بھی تو اُن کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا کسی بات پر مخالفت نہیں کرتا تھا۔

زیام نے سرد آہ بھری اُس کی ماں نے کُچھ سوچنے سے پہلے ہی پابندی عائد کر دی تھی۔

مگر جو نظر میں بیٹھ جائیں وہ کب نکلتے ہیں۔

اس نے اپنا آگ کی مانند دہکتا ہاتھ سیدہ سعدیہ کے ہاتھ پر رکھا تو برودت کے احساس کے زیرِ اثر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔سیدہ سعدیہ اُس کی پیشانی پر آئے بال پیچھے ہٹاتیں اُس کے بال سہلانے لگیں۔

"علیحہ کھانا کھا لو۔"

نسرین بیگم پچھلے آدھے گھنٹے سے اُس کی منتیں کر رہی تھیں مگر وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"علیحہ تُم جانتی ہو نہ تُمہیں یونیورسٹی کتنی مُشکل سے بھیجتی ہوں اور تم پارٹی پر جانے کی ضد کر رہی تھی۔"

"اگر مُجھے سکالر شپ نہ ملتی اور سب کچھ مفت نہ ہوتا اور یونیورسٹی کی طرف سے اضافی خرچہ نہ ملتا تو آپ مر کے بھی مُجھے جانے نہ دیتیں۔" علیحہ جل کر بولی۔

"دیکھو علیحہ تُم اپنے باپ کا مزاج جانتی ہو تُمہیں گھر نہ پاتا تو میرا حشر کر دیتا۔" نسیرین بیگم نے حقائق اُسے یاد دلائے جو یاد آتے ہی اُسے تکلیف دیتے تھے۔

"وہ کب آپکا حشر نہیں کرتے اور جب وہ پی کے آتے ہیں تو اُنہیں کب کسی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔میں تو اُن کے لیے اہم ہوں بھی نہیں۔" وہ آزردگی سے بولی اُس کی آواز بھرائی تھی۔

باہر کا دروازہ زور دار طریقے سے کھلا تو دونوں نے اُس جانب دیکھا۔

"لگتا ہے تیرا باپ آج پھر پی کر آیا ہے۔" نسرین بیگم کی آنکھوں میں خوف اترا۔

"امین بخش دروازہ توڑ آیا ہے احساس ہے کوئی ساری رات مُجھے رکھوالی کرنی پڑے گی اور پیسے الگ میرے خرچ ہونگے تو نے تو ایک آنہ ہم پر خرچ نہیں کرنا ہوتا۔" وہ امین بخش کو نشے میں دھت دیکھ کر تنک کر بولیں۔

اور تڑاخ سے زناٹے کا تھپڑ نسرین بیگم کے گال پر پڑا۔وہ سائیں سائیں کرتے کانوں اور کانپتے وجود کے ساتھ گال مسلتیں پیچھے ہٹیں۔

"علیحہ اندر چلی جا ورنہ تیرا باپ تیرا بھی کب لحاظ کرتا ہے۔" انہوں نے دم سادھے کھڑی علیحہ کو اندر کی جانب دھکیلا۔علیحہ نے کمرے کے اندر جا کر دروازے کو کنڈی لگا دی اسے اپنے باپ کی وحشیانہ مار پیٹ سے بہت ڈر لگتا تھا۔

اُس کی ماں تو کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتی تھی مگر وہ اتنے عرصے میں یہ بھی نہیں سیکھ پائی تھی۔

باہر سے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں یہ تقریباً روز کی کہانی تھی۔وہ بے طرح روتے ہوئے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔وہ اس قدر بے بس تھی کہ اپنی ماں پر ہونے والے مظالم بھی نہیں روک پاتی تھی۔اُسے لگ رہا تھا آج پھر ساری رات بے خوابی

میں گزرے گی۔

اُس کی ماں جِسم پر لگے زخموں پر آنسو بہائے گی اور وہ روح پر لگے زخموں پر سسکتے رات گزارے گی۔

~~~~
~~~~

ملگجی سے اندھیرے میں اُسے اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔دِل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا وہ اب بس یہاں سے جانا چاہتی تھی۔مزید وہاں کھڑے رہنا اُس کے لیے محال ہو رہا تھا۔جھکا سر اٹھا کر ایک بیزار سی نگاہ مریان پر ڈالی جو اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

روحا کی آنکھوں میں اُبھرتی ناگواری کی لہر مریان کی زیرک نظروں سے اوجھل نا رہ سکی تھی۔

"روحا۔۔" وہ لہجے میں نرمی کا تاثر لاتے ہوئے گویا ہوا۔اُس کے پکارنے پر وہ ضبط کرتے ہوئے جانے کے لیے مڑی۔

"روحا رک جاؤ ابھی تو پارٹی شروع ہی ہوئی ہے۔" روحا مڑی تو عینی نے اس کا بازو تھام لیا۔

وہ عینی کا ہاتھ جھٹکتی بیرونی دروازے کی طرف بڑھی آنکھوں میں پانی چمکنے لگا تھا وہ سب کے سامنے رو کر خود کو کمزور نہیں دیکھانا چاہتی تھی۔

"روحا رک جائیں۔" مریان نے سنجیدہ آواز میں استفسار کیا۔اُس کی آواز عقب سے اُبھری تو روحا کے چلتے قدم لحظے بھر کو تھمے اور پھر تیزی سے چلنے لگے۔وہ لمبے ڈگ بھرتی باہر نکلی۔مریان ملال زدہ نظروں سے اُسے جاتا دیکھ رہا تھا۔دِل کو اداسی نے گھیر لیا تھا۔

باہر جاتے ہوئے اس کی پلکوں سے آنسو چھن سے گرنے لگے تھے۔مریان کی گہری پُر سوچ نظریں اس کے اوجھل ہونے تک اُس پر جمی رہیں۔

مریان نے گہرا سانس لیتے آنکھیں بھینچیں۔اُس کی ساری رات احساس شرمندگی میں گزرنے والی تھی وہ کسی کا دِل دکھانے کے بعد اتنا شرمندہ ہوتا تھا کہ اُسکا خود کا سکون غارت ہو جاتا تھا۔

"رک جاتی تو اچھا ہوتا۔" اُس کی لبوں سے سرگوشی کی صورت نکلا۔

"عینی روحا کہاں ہے؟" آذر اسے ڈھونڈھتے ہوئے عینی کو دیکھ کر اس جانب آ گیا تھا۔

"وہ چلی گئی ہے۔"

"کیا مطلب پارٹی چھوڑ کر کہاں چلی گئی؟"

"اُس کی لڑائی ہو گئی تھی۔" عینی نے مختصر سا بتایا۔

"کس سے لڑائی ہو گئی اس کی تو کبھی کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔" آذر اُس کی بات پر حیران ہوا۔

"مریان لکھانی سے۔۔وہ روتے ہوئے گئی ہے۔"

روحا کی نم آنکھیں عینی نے دیکھ لی تھیں۔

آذر نے غصے سے جبڑے کسے۔

"آج تو مریان لکھانی تمھاری خیر نہیں تم نے روحا کو رُلایا ہے اب میں تُمہیں رلاؤں گا وہ بھی خون کے آنسوؤں۔۔۔"

آذر کے دل میں مریان کے لئے مزید نفرت بڑھی۔

مگر وہ بھی اُسے نہیں ملا تھا وہ وہاں ہوتا تو اُسے ملتا۔آذر دانت پیس کر رہ گیا۔غصے کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما اُٹھا تھا۔

روحا گھر میں داخل ہوتی سیڑھیاں پھلانگتی سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"روحا۔۔روحا بیٹا۔"

لاؤنج میں اُس کا انتظار کرتی ثمینہ ابتسام اُسے آوازیں دیتی رہیں مگر اس نے سنی نہیں۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ دروازہ بند کرتی اوندھے منہ بیڈ پر دھپ سے لیٹی۔

آنسو بہنے سے کاجل پورے چہرے پر بری پھیلا تھا۔وہ ایسی حالت کے ساتھ اپنی ماں کے پاس نہیں رک سکتی تھی۔

اُسے شدید تذلیل محسوس ہو رہی تھی دِل چاہ رہا تھا مریان سامنے ہو اور اس کا گلہ دبا دے۔

اس کا خوشگوار موڑ تباہ ہو گیا تھا۔

"جانے سے پہلے میں کتنی خوش تھی ایک ہفتے سے میں پارٹی کی تیاریاں کر رہی تھی اور اب بیچ میں چھوڑ آئی صرف اس بد دماغ شخص کی وجہ سے۔۔" اُسے اب لوٹ آنے پر بھی پچھتاوا ہو رہا تھا۔

پارٹی کوئی اور بھی چھوڑ کر آیا تھا بلکہ اپنی ارینج کردہ پارٹی چھوڑ کر آیا تھا۔

روحا کے فون پر بار بار کالز آ رہی تھیں اُسے اُمید تھی آذر کر رہا ہو گا اور وہ اس کے سوالوں کے جواب دینے کی حالت میں نہیں تھی۔

وہ موبائل پٹخنے لگی تھی جب سکرین پر چمکتا نمبر دیکھا نمبر سیو نہیں تھا مطلب انجان نمبر تھا۔چند لمحے سکرین کو دیکھنے کے بعد اس نے کال ریسیو کر کی۔

”جی فرمائیں؟ کون ہیں؟ کیا مسئلہ ہے؟ اس وقت کسی کو بھی منہ اٹھا کر کال کر لیتے ہیں ذرا سی بھی شرم ہے تو دوبارہ کال نہ کرنا گھٹیا لوگ عورتوں کے احترام کا ہی نہیں پتہ۔۔“

اُس نے کال اسی لیے اٹھائی تھی کہ اپنا غُصہ کہیں نکال سکے۔

”میرا غُصہ کسی اجنبی پر کیوں نکال رہی ہیں روحا بی بی۔۔۔“ روحا دھک سے رہ گئی۔وہ جو کال بند کرنے لگی تھی شناسا آواز پر رکی۔آواز وہ لمحوں میں پہچان گئی تھی مگر بولی کُچھ نہیں۔اسی آواز میں سنی گئی تذلیل پر ہی تو وہ بیٹھی ٹسوے بہا رہی تھی۔

”میں مریان لکھانی جسے آپ یہ سب کہنا چاہتی تھیں اس تک منتقل ہو گیا ہے۔“

”آپ نے میرا نمبر کہاں سے لیا؟“ روحا نے اچنبھے سے پوچھا۔وہ بلآخر بول پڑی مریان یہی چاہتا تھا۔

”ویسے آپ کوئی ہالی وُڈ کی اداکارہ نہیں ہیں کہ آپکا نمبر ڈھونڈھا جاتا مگر مجھے ڈھونڈھنا پڑا کیونکہ میں خاصہ نرم دل انسان ہوں۔“ مریان نے متانت سے جواب دیا۔اور مریان کی بات پر اِس وقت سب سے زیادہ اختلاف اُسی کو تھا۔اُس کے نزدیک وہ کٹھور مزاج اور بد دماغ اِنسان تھا۔

”مُجھے آپکا دِل دکھانے کے بعد اب نیند نہیں آ رہی پارٹی میں بھی نہیں رکا گیا کیا آپ مجھے معاف کر سکتی ہیں؟“ وہ شائستگی سے کہہ رہا تھا اور اس کا یہ لہجہ روحا کو ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

”ہرگز نہیں۔۔“ سپاٹ لہجے میں جواب آیا۔

”کیوں نہیں کر سکتیں؟“

”آپ نے گلاس توڑنے پر مُجھے معاف کیا تھا؟“

اُس نے طنزیہ لہجے میں اپنے تئیں مریان کو شرمندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔اُس کی آواز بھیگ گئی تھی۔

مریان کو مزید رنج ہوا چھوٹی سی بات پر وہ واقعی زیادہ بھڑک گیا تھا۔

”میں اِس طرح غُصہ نہیں کرتا مگر آپکی حرکت پر مُجھے آ گیا تھا۔“ چند لمحات تک خاموش رہنے کے بعد وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

”مُجھ سے کون سی دشمنی ہے جو بغیر کسی لحاظ کے آپ نے اتنے لوگوں کے سامنے میری تذلیل کی؟“

”اکثر کُچھ لوگ ہمیں عزیز ہوتے ہیں اِس لیے ہم حق جتا دیتے ہیں۔“ اُس نے صفائی پیش کرنی چاہی مگر روحا اب اس کی کہاں سننے والی تھی۔

”کون سا حق ہم دو دن پہلے ملے ہیں اور ہمیشہ انتہائی ناخوشگوار ماحول میں اِس طرح کوئی عزیز نہیں ہوتا ہاں دشمن ضرور ہو جاتا ہے۔“ اُس نے درشتگی سے کہتے کال کاٹ دی اور کال اُٹھانے پر خود کو نفرین بھیجی۔

”پھر مُجھے کیوں عزیز ہو گئی ہو؟“

خود ساختہ سوال تھا جس کا جواب اُس کے پاس خود بھی نہیں تھا۔

”آپکو منانے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟“ مریان نے میسیج لکھتے اُسے بھیجا۔

”زہر کھا کر مرنا پڑتا ہے۔“ توقع کے برعکس فوراً جواب آیا تھا۔

مریان روحا کا جواب پڑھ کے مسکرایا۔

”پھر تو آپ ناراض ہی ٹھیک ہیں۔“

روحا کا جواب پڑھ کر مزید دماغ خراب ہوا موبائل بیڈ پر پٹختی وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی تھی رونے کی وجہ سے اب سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔وہ اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کا درز کھولا۔میڈیکل باکس نکالا اور اُس میں سے گولی نکال کر زُبان پر رکھی پھر ساتھ پڑا پانی کا گلاس منہ میں انڈھیلا۔بیڈ کی پُشت سے ٹیک لگا کر وہ نیند کے حاوی ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

....

علیحہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جب زیام اُس کے پاس آ کر بیٹھا۔
وہیں آنکھوں کے گرد گہرے ہلکے سنجیدہ چہرہ مگر آج پپوٹے بھی سوجے ہوئے تھے۔
"علیحہ تُم ٹھیک ہو؟"
علیحہ نے سٹپٹا کر آنکھیں کھولیں اور حیرت سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا وہ تو آپ کہتا تھا پھر آج تُم کیوں کہہ رہا تھا۔
"ٹھیک ہوں۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔
"ساری رات روتے گزاری ہے؟"
علیحہ نے زیام کی آنکھوں میں جھانکا پہلی بار کسی نے یہ سوال کیا تھا اُس کی روز کی تکلیف کسی کی سمجھ میں آئی تھی اس کا دِل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنی زندگی کی اذیتیں بتا دے کوئی تو اُس کے حال سے واقف ہو۔

مگر عزت نفس جیسی دیوار اِنسان کو سب کچھ اپنے آپ تک محدود رکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔
علیحہ نے سر کو نفی میں جنبش دی۔
مگر آنسو کا قطرہ لڑھک کر سبز گھاس پر گرا جو زیام کی نظروں میں آ گیا تھا۔
اُسے اِن آنکھوں میں صاف اذیت نظر آ رہی تھی پہلی بار اس نے کسی کی نظروں میں ایسے دیکھا تھا ورنہ وہ نظریں جھکا لیتا تھا آج دِل نہیں چاہا تھا۔
"آپ پارٹی میں گئی تھیں؟"
زیام نے اُسے تذبذب کا شکار پا کر بات بدلی۔
اُس نے پھر سر نفی میں ہلا دیا۔
"آپ بھی نہیں گئے؟"
علیحہ نے زیام کو خاموش پا کر پوچھا۔
"نہیں طبیعت خراب ہو گئی تھی ویسے بھی مُجھے اِن چیزوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔
آپ کیوں نہیں گئیں؟"
لمبی خاموشی۔۔وجوہات بہت تھیں مگر ایک بھی بتانے لائق نہیں تھی۔
محلے والوں کی باتیں، باپ کی مار پیٹ، ڈھنگ کے کپڑے نہ ہونا اتنی رات کو گھر سے باہر نہ رہ سکنا، غلط ماحول ہزاروں وجوہات تو اس کی ماں گنواتی تھی۔ مگر وہ یہاں کسی کو بتا نہیں سکتی تھی اُنہیں یہ سب مذاق لگتا۔ کیوں کہ اُنہیں ان مسائل کا سامنا نہیں تھا۔
"گھر سے اجازت نہیں ملی؟"

زیام کا لہجہ اتنا نرم تھا کہ اُسکا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔
کسی مرد کا یہ انداز تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا اس نے تو اپنی ماں کے جسم پر اپنے باپ کے دیئے زخم ہی دیکھے تھے جو ابھی مندمل ہوتے نہیں تھے کے نئے دے دیئے جاتے تھے۔
"آپکی انگوٹھی بہت پیاری ہے۔"
زیام نے پھر بات کا رُخ بدلا وہ اُسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"یہ بہت پرانی ہے امی کو نانی نے دی تھی اور انہوں نے مجھے دے دی۔"
وہ پُر جوشی میں بتا گئی بعد میں اس نے آنکھیں بھینچیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی علیحہ نے خود کو کوسا۔
"زیام نے اپنا انگوٹھی والا ہاتھ آگے کیا وہ سیاہ پتھر کی انگوٹھی اُس کے گندمی ہاتھ پر بھی جچ رہی تھی۔
"یہ مُجھے بابا نے دی تھی۔وہ بچوں سے کے انداز میں بتا رہا تھا۔"
علیحہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔
علیحہ نے اُس کے سر جھکانے پر گہری نظروں سے اُسے دیکھا دبتی رنگت، گھنی بھنویں اور ہلکی سی بڑھی ہوئی داڑھی جو اُس کی وجاہت میں اضافہ کرتی تھی۔بلاشبہ وہ پُر کشش مرد تھا۔
"زیام تُم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
عینی کی آواز پر زیام نے سر اٹھایا۔
علیحہ نے غور کیا اُس کے چہرے پر پہلی والی رونق کی بجائے اب ناگواری تھی۔

"عینی میں ہمیشہ سے یہاں ہی بیٹھتا ہوں۔"

"نہیں اس کے پاس بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

عینی علیحہ پر نظریں گاڑھتے بولی۔

"باتیں کر رہا تھا۔" اُس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔عینی کو تو حیرت کا جھٹکا لگا تھا کبھی علیحہ کو دیکھتی تو کبھی سامنے بیٹھے اُس شخص کو جس کی سوچوں میں وہ چار سال برباد کر چکی تھی۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا یہ بات سید زیام شاہ نے کی تھی جو لڑکیوں سے بھاگتا تھا کسی کی بات کا جواب نہیں دیتا تھا آج وہ کسی لڑکی سے باتیں کر رہا تھا۔

"علیحہ روحا نہیں آئی؟"

زیام نے عینی کو نظر انداز کرتے علیحہ سے سوال کیا۔

"پتہ نہیں اُس نے بتایا نہیں۔"

"لڑائی ہوئی تھی اس کی رات کو ڈسٹرب ہو گی اِس لیے نہیں آئی ہو گی۔" عینی نے خود سے اسے وجہ بتائی۔

"لڑائی؟ روحا کی کس سے لڑائی ہو گئی؟" اُس نے تو اب تک اُسے اونچی آواز میں بولتے بھی نہیں دیکھا تھا لڑائی والی بات پر کیسے یقین کر لیتا۔

زیام کے لہجے میں تشویش تھی جو عینی کو بلکل اچھی نہیں لگی تھی۔

"اسے آج کل میرے علاوہ باقی سب سے ہمدردی جاگ رہی ہے۔" عینی سوچ کے رہ گئی۔

"تھا کوئی سیاستدان۔۔"

اور اگر آذر عینی کی یہ بات سن لیتا تو اپنا سر پیٹ لیتا کیونکہ وہ اسے دس بار بتا چُکا تھا کہ وہ کوئی سیاستدان نہیں بلکہ کراچی کا ڈپٹی مئیر مریان لکھانی ہے۔

مگر عینی کو سیاست یا سیاستدانوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اِس بات سے بے خبر کہ اس کا پالا سیاستدان سے ہی پڑنے والا ہے۔

”اُمید ہے وہ اب ٹھیک ہو گی آذر سے پوچھوں گا۔“

مگر علیحہ کو روحا کی فکر لگ گئی تھی اس نے اپنا موبائل نکال کر روحا کا نمبر ملانا شروع کیا مگر نمبر بند جا رہا تھا اس کی پریشانی مزید بڑھی۔

”میں چلتا ہوں۔“ زیام کہتا ہوا کھڑا ہوا۔

عینی بھی علیحہ پر تیکھی نظر ڈالتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

علیحہ اُس کے اس طرح دیکھنے پر نظریں چرا گئی۔

....

زیام یونیورسٹی سے گھر کے لئے نکلا تھا کہ اُس کی نظر ٹیکسی میں بیٹھتی علیحہ پر پڑیں۔

اُس نے کُچھ سوچتے ہوئے گاڑی ٹیکسی کے پیچھے لگائی۔

ٹیکسی ملیر پُہنچی تو زیام ٹھٹھکا۔

”علیحہ یہاں رہتی ہے؟“ اُسے حیرانی ہوئی تھی جو بجا تھی اُس نے کبھی ایسا محسوس نہیں کروایا تھا کہ وہ ایسے کسی علاقے کی رہنے والی ہے۔

جیسے جیسے وہ علاقے میں آگے جا رہا گلیاں تنگ ہوتی جا رہی تھیں۔
علیحہ نے ایک انتہائی تنگ گلی کے سامنے ٹیکسی رکوائی۔
زیام نے گاڑی تھوڑا پیچھے روک لی تھی۔ گاڑی آگے لے جانا ممکن تھا بھی نہیں۔
علیحہ اس گلی میں گئی اور غائب ہو گئی۔
زیام نے آگے پیدل چل کر گلی پر جائزائی نظر ڈالی کوڑے کے ڈھیر پانی میں گھل کر بدبو پیدا کر رہے تھے۔ڈھیر سے اٹھنے والی بدبو نتھلیوں میں گئی تو وہ ناک پر ہاتھ رکھتے بے اختیار پیچھے ہٹا۔اُس نے ایسا ماحول اور علاقہ پہلی بار دیکھا تھا کبھی یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔زیام پیچھے ہٹ گیا مزید آگے جانے کا فائدہ نہیں تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا علیحہ اُسے دیکھ لے اور شرمندہ ہو۔ وہ بس اس کی پریشانی کی وجہ ڈھونڈھنا چاہتا تھا اور وہ اسے مل گئی تھی۔اور وجہ تھی اُس کے حالات تھے جس سے وہ گزر رہی تھی۔اُس کے دل میں علیحہ کے لیے عزت بڑھی۔وہ علاقوں سے انسانوں کو پرکھنے والا نہیں تھا۔

....

روحا ثمینہ بیگم کے گھٹنوں پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔وہ محبت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتیں اس کو سرخ گالوں پر انگلیوں کے پور پھیر رہی تھیں۔
"ماما بابا کو میں اچھی نہیں لگتی؟"

ثمینہ بیگم نے افسوس سے گود میں لیٹی روحا کو دیکھا اس کا سوال بچگانہ مگر اندر تک جھنجھوڑنے والا تھا۔

”تُم اُنہیں اچھی لگتی ہو مگر تمھاری باتیں اچھی نہیں لگتیں کیونکہ تُم اُن سے اختلاف کرتی ہو کبھی نبیہا کی طرح اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر دیکھنا تُمہیں بھی اس کی طرح پیار کریں گے۔“

نمناک لہجے میں وہ اُسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں جو تنے چہرے کے ساتھ لیٹی تھی۔

”آپ چاہ رہی ہیں میں غلط بات کو صحیح کہا کروں؟ میں جھوٹ بولوں اور میرا باپ مُجھے جھوٹ کہنے پر پیار کرے یہ تو دوہری منافقت ہوئی۔“

ثمینہ بیگم نے اپنی بیٹی کو دیکھا جو معصوم سے انداز میں گہری باتیں کر جاتی تھی۔

جن کے جواب وہ چاہ کر بھی نہیں دے پاتی تھیں۔

وہ بچپن سے سچ کہنے کی عادی تھی جو اِس کے باپ کو نا پسند تھا۔

وہ خوشامد پسند شخص تھے اور یہ منہ پر صاف بات کرنے والی لڑکی یہی وجہ تھی کہ اس کی اپنے باپ کے ساتھ خاص بنتی نہیں تھی۔

وہ ساری باتیں ثمینہ بیگم سے ہی کرتی تھی ماں اس کے مزاج کو سمجھتی تھی مگر وہ بھی بے بس تھیں اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود وہ اپنے شوہر کو نہیں بدل پائی تھی۔

بدلاؤ اُنہیں میں آتا ہے جن کے مزاج میں لچک ہو کڑے مزاج کے لوگ اپنا یا کسی اور کا انجام دیکھ کر ہی سنورتے ہیں۔

روحا تُم اپنے باپ کی بات سے اتفاق چاہے نہ کرو مگر اختلاف بھی نہ کیا کرو۔باپ ہیں تُمھارے تم سے محبت کرتے ہیں بس غصے کے تھوڑے تیز ہیں اور جذباتی تم بھی کم نہیں ہو۔

ثمینہ بیگم نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

پلیز ماما مُجھے غلط بات پر منھ کو تالا لگا کر بیٹھنے کے مشورے نہ دیں جو غلط کرتا ہے اُسے غلط کہوں گی چاہے وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو اور چاہے وہ میرا سر کیوں نہ کاٹ دے خاموش نہیں رہوں گی۔"

ثمینہ ابتسام نے گہرا سانس لیا دو مختلف مزاج کے لوگوں کو ایک جیسا ہونے میں وقت لگتا ہے۔

مگر اُنہیں لگتا تھا ان باپ بیٹی کو صدیاں لگیں گی۔

....

"دادو آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتیں آئے دِن بیمار ہو جاتی ہیں آپکو پتہ ہے آپکے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے۔آپ کو کُچھ ہو گیا تو میں اکیلا کیا کروں گا۔" صبیحہ بیگم کا اچانک بلیڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا اور اس کی جان پر بن آئی تھی۔

مریان نے ہاتھ میں چند گولیاں نکالتے اُن کی جانب بڑھائیں۔

"تو لے آؤ نہ کوئی اپنے لیے بوڑھے ہو رہے ہو۔" مریان کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

"میں بیس سال کی لڑکی اور وہ پینتیس سال کا بوڑھا"

الفاظ اس کے کان میں گونجے وہ محظوظ ہوا۔

بوڑھے ہونے کے بہت طعنے ملنے لگے ہیں کُچھ سوچنا پڑے گا۔

مریان پُر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بس جلدی سے کوئی سلجھی ہوئی لڑکی لے آؤ۔"

اُنہوں نے گولیاں منہ میں ڈالتے پانی حلق سے اتارا۔

"اور اگر اُلجھی ہوئی آ گئی تو؟"

"تو اُسے سلجھا لیں گے۔" صبیحہ بیگم پُر جوش سے بولیں۔

"بس پھر کسی کے دماغ کی گرہیں کھولنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

"اِس بار پھر مُجھے خوش کرنے کے لئے کہہ رہے ہو؟"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔" مریان چہرے پر مصنوئی سنجیدگی لایا۔

"کہتے تو سنجیدگی سے ہو بعد میں مُکر جاتے ہو۔"

"آپکے بوڑھے پوتے پر اب لڑکیاں فدا نہیں ہوتیں۔"

"تو تُم کسی پہ فدا ہو جاؤ۔"

"دادو بوڑھے بھلا لڑکیوں پہ فدا ہوتے اچھے لگتے ہیں؟" صبیحہ بیگم نے اس کے چہرے پر اڈتی شرارت دیکھ کر سر نفی میں ہلایا۔

"سدھر جاؤ لڑکے۔" صبیحہ بیگم نے اس کے بازو پر چپت لگائی وہ بازو سہلاتے پیچھے ہٹا۔

"دادو آپ بہت ظالم ہو گئی۔"

اُنہوں نے منہ بسورا اُن کے پوتے کو باتوں میں چکر دینا خوب آتا تھا۔

~~

شام کے پانچ بجے کا وقت تھا۔آسمان نارنجی رنگ میں ڈھل رہا تھا۔نارنجی اور سُرخ رنگوں کے امتزاج سے مزّین سورج ڈوبنے کو تھا۔سورج کے گرد دائرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ہوا چلنے کی بدولت ٹھنڈ بڑھ رہی تھی۔

مریان گھر میں داخل ہوا ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔یہ غیر معمولی بات تھی اُسے لگا شاید ٹی وی کی آواز ہو گی۔

بیگ اُس نے ساتھ چلتے ٹیم شمیم سیکرٹری کو پکڑایا۔ناک کی پھنگی سے سیاہ چشمہ اُتار کر فولڈ کرتے داہنے ہاتھ میں پکڑا۔

مریان کو افسوس ہوا اُس کی دادی سارا دِن ٹی وی دیکھ کر دل بہلاتی تھیں۔دِل کے گرد اُداسی کی چادر نے گھیرا کیا۔

مگر لاؤنج کے منظر نے اُسے چونکا دیا تھا۔روحا کی موجودگی پر وہ بھونچکا رہ گیا۔

روحا نے قدموں کی آہٹ پر چہرہ پھیرا۔مریان کے چہرے پر در آنے والی حیرت اُس کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔

”یہ یہاں کیسے؟ میری شکایت لگانے آئی ہے؟

باپ کی سفارش کرنے آئی ہے؟“

مریان شش و پنج میں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"کیسے ہیں آپ مریان لکھانی؟" روحا کے لہجے کے شیری پن پر اُس کی ابرو میکانکی انداز میں اٹھیں۔
مریان نے غور کیا تھا وہ لکھانی لفظ کو زور دے کر بولتی تھی شاید طنزیہ کہتی تھی۔
اس نے صبیحہ بیگم کی جانب دیکھا جن کی آنکھوں میں ایسی چمک عود کر آئی تھی کہ وہ حیران رہ گیا۔
"آپکو میرے گھر کا کیسے پتہ چلا؟"
مریان کے انداز سے سامنے بیٹھی روحا اندازہ نہیں لگا پائی کہ وہ خوش ہے یا ناخوش۔۔وہی سنجیدہ سا چہرہ جس پر وہ کبھی کبھار مسکراہٹ گھسیٹ لاتا تھا کم از کم اُسے تو یوں ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ گھسیٹ کر لاتا ہے۔
"ویسے تو آپ کوئی ہالی ووڈ کے ہیرو نہیں ہیں لیکن میں بہت نرم دل لڑکی ہوں کیونکہ آپکو میرا دِل دکھانے کے بعد نیند نہیں آ رہی تھی پارٹی میں بھی نہیں رک سکے تھے تو میں نے سوچا آپکی معافی آپکے گھر آ کر قبول کر لی جائے۔" روحا دانتوں کی نمائش کرتے لہجے میں استہزا لیے بولی۔
دادو گومگو نظروں سے مریان کو دیکھ رہی تھیں اور وہ نظریں چرا رہا تھا۔اگر وہ مریان کو شرمندہ کرنا چاہتی تھی تو کامیاب رہی تھی وہ صبیحہ بیگم کے سامنے اچھا خاصا شرمندہ ہو چکا تھا۔وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔
"میں تھک گئی ہوں روحا بیٹا مُجھے میرے کمرے میں چھوڑ آؤ۔" صبیحہ بیگم صوفے کے ساتھ ٹکائی لکڑی کی چھڑی اٹھاتے کھڑی ہوئیں۔کُچھ عرصے سے اُن کی طبیعت کی ناسازی میں اضافہ ہوا تھا ورنہ وہ بیمار رہتی بھی تھیں تو چل بغیر کسی سہارے کے لیتی تھیں۔

مریان نے ابرو اچکا کر ان کی جانب دیکھا۔چند گھنٹوں میں اِن میں اتنا دوستانہ کیسے ہو گیا مریان سوچ کر رہ گیا۔

روحا اُن کے بازو کا دباؤ اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالتی چلنے لگی اور مریان اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

تھوڑی دیر اسے دروازے پر دستک محسوس ہوئی۔

"جی آ جائیں۔" اُس نے اونچی آواز میں آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

روحہ اٹھلا اٹھلا کر چلتی آئی اور جھپاک سے صوفے پر براجمان ہو گئی۔مریان نے سٹڈی ٹیبل پر جھکا ہوا تھا۔میز پر رنگ برنگی فائلز تہہ در تہہ پڑی تھیں جن میں سے آدھی وہ کھول کر اپنے سامنے رکھ کر بیٹھا تھا۔میز کے داہنی کونے پر تین کتابیں سائز کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر دھری پڑی تھیں۔فائلز کے ساتھ پڑے سیاہ مگ میں موجود قلموں میں سے اس نے ایک قلم اٹھائی۔مگ پر سفید رنگت میں جگمگاتے دو حروف پر اس کی نظر پڑی "بلیک سٹون" وہ دھیرے سے مسکراتے کاغذ پر قلم چلانے لگا۔

کسی کی نگاہوں کی حدت محسوس کرتے اُس نے جھکا سر اُٹھایا۔وہ ملازمہ کو چائے کا کہہ کر آیا تھا وہ ہوتی تو چائے رکھ کر اب تک جا چکی ہوتی۔اس نے مڑ کر دیکھا روحا اب کمرے پر جائزائی نظر دوڑا رہی تھی۔وہ جانتا تھا اس کے پلٹ کر دیکھنے پر روحا کی نظروں کا رخ بدلا گیا ہے۔مریان نے کھڑا ہو کر کُرسی کا رخ اس کی جانب کیا اور دوبارہ بیٹھ گیا اُس کا پہلے گھر میں پہنچنا اور پھر کمرے تک آنا اُس کے لیے سب غیر متوقع تھا۔

"مجُھے نہیں لگتا کہ آپ کوئی معافی دینے آئی ہیں تو کیا اپنے باپ کی سفارش لے کر آئی ہیں؟"

مریان نے اُس کی جانب دیکھتے ہی پوچھا۔

”نہیں میں غلط کو ٹھیک ثابت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ وہ اُس کے اچانک سوال پر فوراً سے بولی۔

مریان نے حیرت سے اسے دیکھا ایک لمحے کو وہ اُسے سمجھدار لگی۔

”آپ مجھے ابتسام آفندی کی بیٹی نہیں لگتیں۔“

”ضروری نہیں ساری اولاد اپنے ماں باپ پر جائے۔

کُچھ لوگوں کی خود کی سوچ اکثر تربیت اور صحبت کو بھی مات دے دیتی ہے۔“

”ویسے دادو کے سامنے وہ سب بولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”جیسے آپکو اتنے سارے لوگوں کے سامنے میری تذلیل کرنے کی ضرورت تھی۔ویسے بھی میں نے صرف آپ کے الفاظ دہرائے ہیں۔“ روحا نے کھلنڈراپن کا مظاہرہ کیا۔مریان کی تیوری پر بل پڑے۔ وہ اپنی غلطی کو نظر انداز کرتے اُسے قصوروار بنا رہی تھی اور یہ بات مریان کو ناگوار گزری تھی۔

”آپ شازین خان کو جانتے ہیں؟“

مریان اُس کے سوال پر چونکا جو گفتگو کے موضوع سے بالکل کر ہٹ کر تھا۔

”کون شازین خان؟“

”واقعی آپکو نہیں پتہ؟“

روحا کو تو اُس کی لاعلمی پر دھچکا لگا تھا۔

”روحا بی بی مجھے کیا پتہ آپ کس کا قصہ چھیڑنے والی ہیں۔“

"روحا ابتسام آفندی۔۔" روحا نے اُسے بی بی کہنے پر ٹوکتے تصحیح کی۔

"ہاں روحا ابتسام آفندی۔۔پاکستان میں ہزاروں شازین خان ہونگے مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے آپ کس کا بتانا چاہ رہی ہیں۔"

روحا نے منہ بسورا اُسے شازین کے لئے ایسا ہتک آمیز انداز پسند نہیں آیا تھا۔

"کرکٹر؟؟" مریان کُچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"بالکل وہی۔۔" روحا چہکی اور مریان کو تعجب ہوا کہ اُس نے ایسی کون سی خوش کرنے والی بات کہی ہے۔

"تو اُس کے بارے میں مُجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"آپ اتنے بڑے سیاستدان ہیں تو آپ کی اُس تک رسائی نہیں ہو سکتی؟"

مریان نے ایک اچھنبتی نگاہ اُس پر ڈالی اُس سے وہ ایسی کسی فرمائش کی توقع ہر گز نہیں رکھتا تھا۔اگر یہ معافی قبول کرنے کا کوئی انداز تھا تو اُسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"کیا آپ اُس سے ملنا چاہتی ہیں؟"

"ایگزیکٹلی۔۔" روحا اُس کے صحیح اندازہ لگانے پر پُر جوش ہوئی۔

"وہ آپ سے ملنا چاہے گا؟"

روحا کے چہرے کے زاویے بگڑے اسے یہ سوال قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔

"اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" روحا نے کندھے اچکائے۔

"بالکل پڑتا ہے جس کی زندگی میں آپکی اہمیت نہ ہو اور تو اور وہ آپ سے شناسا بھی نہ ہو اُس کے لیے وقت اور جذبات نہیں ضائع کرنے چاہئیں۔"

"لیکن مجھے تو اس سے ملنا ہے۔" وہ بضد تھی۔

مریان نے گہرا سانس لیا۔وہ اُسے شکل سے ہی اڑیل لگی تھی۔

"ٹھیک ہے اگلا میچ کب ہے؟" مریان ذرا تامل کے بعد بولا۔

"ہفتے کو۔" روحا کُچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"تیار رہنا۔"

"واقعی؟ میں شازین خان سے ملوں گی؟" روحا ایک دم سے اچھلی تو مریان اپنی کُرسی پر بیٹھا ہی پُشت سے سر لگا گیا۔روحا کا ردِ عمل اس بار بھی غیر متوقع تھا۔

"ویسے آپ اچھے ہیں۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کُچھ نیا بتاؤ۔"

"جیسے کہ؟" روحا نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"جیسے کہ میں بہت خوبصورت ہوں ہینڈسم ہوں۔" مریان ٹانگ پر ٹانگ جماتے مبہم مسکراہٹ چہرے پر لیے بولا۔

روحا نے اُس کا چہرہ بغور دیکھا بھوری آنکھوں میں چمک تھی۔

"لیکن میں خوشامد نہیں کرتی۔"

مریان نے بُرا سا منہ بنایا اور روحا نے ہنسی دبائی۔

"صاحب ماں جی کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے اُن کے لیے کیا بناؤں؟"
ملازمہ کھلے دروازے سے بغیر اجازت کے کمرے میں داخل ہوتے بولی۔

"سوپ بنا دو۔"

"میں بنا دیتی ہوں بہت اچھا بناتی ہوں۔" روحا کی آفر پر مریان نے آنکھیں سکیڑ کر اُسے دیکھا جو اجازت کا انتظار کیے بغیر خودی باہر چل پڑی تھی۔

مریان چند لمحے سکتے میں بیٹھا رہا پھر کچن کی طرف بڑھا۔

وہ سامنے الماری کے دروازے کھولے ملازمہ سے کُچھ پوچھ رہی تھی۔

مریان نے کتنے ہی عرصے بعد ملازمہ کے علاوہ کسی کو کچن میں کام کرتے دیکھا تھا۔

اٹھارہ سال کی عمر میں ماں باپ تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر حادثے کی نظر ہو گئے تھے۔

اور وہ دادا دادی کی زمہ داری بن گیا تھا۔

مگر واحد جوان بیٹے کی موت نے اُنہیں دوبارہ کبھی نارمل نہیں ہونے دیا تھا دونوں سخت بیمار رہنے لگے تھے اور دادا دو سال بعد چل بسے تھے۔

ایک واحد سہارا دادی کے روپ میں بچا تھا مگر وہ بھی دواؤں کے زیرِ اثر ہی زِندگی گزار رہی تھیں۔

لیکن اس کے لیے یہی احساس کافی تھا کہ کوئی اپنا اُس کے پاس موجود ہے۔

مریان صبیحہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر دستک دیتا اندر چلا آیا۔

"دادو آپ نے ڈرامے دیکھ دیکھ کر کرنے کب سے شروع کر دیئے؟" مریان کمرے میں داخل ہوتے گویا ہوا۔ صبیحہ بیگم اُسے دیکھتیں بیڈ کی پُشت سے ٹیک لگائے بیٹھ گئیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو مریان۔۔؟"

"دادو آپ اچھی بھلی اُس لڑکی کے ساتھ چہلیں کر رہی تھیں میرے آتے تھک کیسے گئیں؟"

"میں نے کہا تم دونوں آپس میں بات کر لو۔" صبیحہ بیگم نے سچ بولنے میں عافیت جانی۔

"ہم میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی جو آپ کو اٹھنا پڑا۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے اُن کے سامنے بیڈ پر بیٹھا۔

"تو ایسی بات کر لیتے۔"

"زہر نہ کھلا دیتی مُجھے۔۔" وہ سر جھکا کر بڑبڑایا۔

"ویسے اچھی لڑکی ہے خوبصورت بھی ہے۔" صبیحہ بیگم ستائشی انداز میں بولیں۔

"آپ سے تھوڑی دیر پہلے تو ملی ہے آپکو کیا پتہ کیسی ہے؟" مریان اس وقت اُسے صرف خوبصورت کہہ سکتا تھا جو وہ دیکھنے میں لگتی تھی مگر اُسے اچھا ہرگز نہیں مان سکتا تھا کیونکہ اُس کی اب تک کی حرکتوں سے وہ اسے بچگانہ لگی تھی۔

"شکل سے لگتی ہے۔"

"دادو بھلا ظاہر سے باطن کا کیا تعلق۔۔؟" مریان نے ہاتھ تھوڑی تلے رکھتے پوچھا۔

"بہت گہرا تعلق ہے جیسے جھیل اور پانی کا تعلق ہے۔پانی کے بغیر جھیل کہلائی جھیل ہی جاتی ہے مگر اس کی اندرونی خصوصیات نہیں ہوتیں وہ کسی کے کام کی تو نہیں رہتی لیکن جھیل ضرور رہتی ہے۔

انسان بھی ایسے ہی ہے اندر سے کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو بظاھر ہوتا تو انسان ہی ہے اور انسانیت جاگتے وقت نہیں لگتا میرے شہزادے وقت دینا چاہیئے ہر شخص کو اُس کے اندر کے انسان کے بیدار ہونے تک۔۔۔"

مریان مسکرایا اُس کی بہت سی دماغی اُلجھنیں اس کی دادی باتوں سے حل کر دیتی تھیں۔

دروازے پر دستک دیتی ہاتھ میں ٹرے پکڑے روحا کمرے میں داخل ہوئی۔

اندر آنے کی اجازت ملنے کا انتظار اُس گھر میں کوئی بھی نہیں کرتا تھا۔

خاکستری رنگ کا جوڑا پہنے سیاہ سلکی بال پونی میں مقید تھے۔آنکھیں آج کاجل سے عاری تھیں مگر ہنوز خوبصورت تھیں۔مریان سرسری نگاہ اُس پر ڈالی۔

"دادو میں نے بنایا ہے۔" روحا ٹرے اُن کے سامنے رکھے اس میں سے سوپ کا پیالہ اٹھا کر صبیحہ بیگم کو تھماتے بولی۔

"صبیحہ بیگم نے سوپ سے بھرا چمچ منھ سے لگایا۔"

مریان اور روحا تجسس بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

"اتنا اچھا مریان کی امی بھی نہیں بناتی تھیں۔"

روحا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔مریان کو دادی کی بات سے اختلاف ہوا کیونکہ اس نے سوپ چکھا نہیں تھا اور نہ اس کا ایسا اِرادہ تھا۔

"دادو میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں ابھی تو آئے ہو؟"

"انٹرویو ہے۔" وہ مختصر جواب دیتے دروازے کی جانب بڑھا۔

"اسے بھی چھوڑتے جانا۔" صبیحہ بیگم کی بات پر اُس نے مڑ کر روحا کو دیکھا جو کہیں سے بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں لگ رہی تھی۔

"نہیں میرے پاس گاڑی ہے میں خود چلی جاؤں گی۔"

"آپ گاڑی صحیح سلامت لے آئی تھیں؟" مریان نے مسکراتے ہوئے چوٹ کی۔

"جی۔۔" وہ دانت پیستے بولی۔

مریان مسکراہٹ دباتا باہر نکلا۔

"روحا بیٹی تُم کیا کرتی ہو؟" صبیحہ بیگم مریان کے باہر نکلتے روحا کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"جینیٹک انجینئرنگ کر رہی ہوں۔"

"پھر ٹھیک ہے صبیحہ بیگم نے سکون کا سانس بھرا۔"

روحا اُن کے اطمینان پر حیران ہوئی۔

"دادو میں بھی چلتی ہوں۔" وہ اُن کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔

"آتی رہا کرو میں سارا دن گھر میں اکیلی ہی ہوتی ہوں۔" اُنھوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"جی ضرور۔۔" روحا کو ان کے بجھے لہجے پر افسوس ہوا۔اُسے اِس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ رشتوں کی کمی دولت کبھی پوری نہیں کر سکتی۔

....

"جی تو آج ہمارے ٹالک کارنر کے مہمان ہیں ڈپٹی مئیر کراچی مریان لکھانی۔"
اینکر نے پُر جوش انداز میں اُس کا تعارف کروایا۔
"مریان لکّھانی صاحب آپکی اب تک کی کارکردگی اچھی جا رہی ہے آپ آئے روز شہر کے دورے پر ہوتے ہیں عوام کے مسائل سنتے ہیں مگر خاطر خواہ حل نہیں نکالتے کیا وجہ ہے؟
یہ جو آپ نئی سڑکوں کی منظوری دے کر آئے ہیں یہ کارکردگی صرف دکھاوے کی ہے؟
یہ بھی دوسرے سیاستدانوں کی طرح صرف دعووں کی حد تک باتیں ہیں؟"
اینکر کے پہ در پہ پوچھے جانے والے سوالات پر مریان نے گہرا سانس لیا۔
"میرے پاس جتنے اختیارات ہیں میں حلفاً کہہ سکتا ہوں اُس میں سے ایک ایک روپیہ عوام پر خرچ ہو گا۔"
"سیاستدان کب حلف پر قائم رہتے ہیں؟"
اینکر کی بات پر مریان کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی۔
"آپکے سارے ساتھی اینکرز ایک سے ہیں؟" اُس نے عادتاً اُلٹا سوال کیا۔اینکر جواباً خاموش رہا۔
"اگر میں کہوں کہ آپ بھی بہت سے اینکرز کی طرح سیاستدانوں سے پیسے لیتے ہیں کیونکہ باقی سب ایسے ہیں تو آپ بھی ویسے ہی ہونگے تو؟"
"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں یہاں میری نہیں آپکی بات ہو رہی ہے۔" اینکر تو گویا تلملا اُٹھا تھا۔
"جیسے آپ یہ نہیں مان سکتے آپکو غُصہ آ رہا ہے مُجھے بھی آئے گا اگر آپ مجھے باقی سب سیاستدانوں کے ساتھ کھڑا کر دیں گے۔"

اینکر لا جواب ہوا۔

"سر شو کی ریٹنگ ٹاپ پہ جا رہی ہے اور مریان لکھانی شو کے ٹاپ پہ لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں شو پر اچھے ریویویز آنے لگے ہیں۔"
اینکر کا اسسٹنٹ بریک میں ہمیشہ کی طرح اُسے شو کے رسپانس کے بارے میں مطلع کر رہا تھا۔
"ابھی بازی پلٹ دیتے ہیں اینکر پرسن آنکھوں میں چمک لیے بولا۔"
شو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔
"تو مریان لکھانی ایک ہفتے میں بیس لاکھ آپ نے حکومت کی طرف سے خود پر خرچ کیے ہیں کیا بتائیں گے کہ یہ آپ نے کہاں خرچ کیے ہیں؟"

"مُجھے حکومت نے ابھی تک کوئی پیسے نہیں دیئے میں نے اپنے اکاؤنٹ سے خرچ کیے ہیں اور آزاد ملک کا شہری ہونے کے ناطے مُجھے اپنی ذاتی تفصیلات سب کے سامنے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"
وہ پُر اعتمادی سے بولا تو اینکر کے جبڑے کسے۔
"یہ دیکھیں آپکی پیمینٹس کی ڈیٹیلز لاکھوں کی شاپنگ ریسٹورنٹس کلبز میں عیاشیوں کی تفصیل اور سب کچھ سکرین کی دوسری سائڈ پر نشر بھی ہو رہا تھا۔" اینکر نے چند لسٹس اُس کی جانب بڑھائیں۔
مریان نے ایک نظر دیکھ کر میز پر رکھ دیں۔

"میں ایسے پیسے نہیں اُڑاتا یہ دبئی کے کلب اور شاپنگ سینٹرز کے بلز ہیں اور میں پچھلے دو ماہ سے دبئی نہیں گیا اور نام ری پرنٹ کیا گیا ہے۔اگر جھوٹے ثبوت بنانے تھے تو معزرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اِس معاملے میں آپ بلکل اناڑی ہیں۔

ویسے میرے خلاف پروپگنڈا کرنے کے آپکو کتنے پیسے ملے ہیں؟"

مریان کے سوال پر اینکر پرسن کی پیشانی پر بل پڑے ایسے فوراً سے کسی نے بھی اُسے پکڑنے کی ہمت نہیں کی تھی نہ وہاں آکر کسی کا اتنی تیزی سے دماغ چلتا تھا۔

"آپ جانتے ہیں ایماندار اینکر پر ایسے الزام لگانے پر کروائی ہوتی ہے؟

اور ہر سیاستدان یہی کہتا ہے کہ اُن کی تحقیق جھوٹ ہے، پروپگنڈا ہے۔" وہ قدرے اونچی آواز میں بولا۔وہ اونچی آواز میں بولنے سے مریان کو دباؤ میں لینا چاہتا تھا۔

"اگر آپ ایماندار ہیں تو پھر مجھے کروائی کروانے میں کوئی مسئلہ نہیں۔" مریان مسکراہٹ ہونٹوں تلے دباتے اطمینان سے بولا۔

"کیا یہ بیس لاکھ آپ نے استعمال نہیں کیے؟"

"کیے ہیں آپ بھی کرتے ہونگے مگر میں نے صحیح کام پر استعمال کیے ہیں۔"

"اب آپ یہ نہ کہیے گا کہ آپ نے غریب عوام پر خرچ کیے ہیں۔" اینکر نے اُسے گھیرنے کے لیے نئی حکمتِ عملی بنائی تھی۔وہ اُسے اُس کی ہی باتوں میں پھنسانا چاہتا تھا۔

"خرچ کیے ہیں یا نہیں میں کسی کو بھی بتانے کا پابند نہیں ہوں۔"

"تو آپ چوری چھپے عوام تک پہنچ کر اُن کے مسائل کے حل کے لئے خرچ کرتے ہیں؟"

ساتھ میں اینکر نے قہقہہ لگایا جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہوا ہو۔

”حضرت عمر فاروقؓ سے زیادہ عادل حکمران نہیں آیا کبھی اور وہ اپنی رعایا کی اس طریقے سے مدد کرتے تھے اِس میں کوئی قباحت نہیں اور میں بھی ایسے کرتا ہوں تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔“

”تو آپ خود کو حضرت عمرؓ کے ساتھ ملا رہے ہیں؟“ اینکر نے فوراً سے بات کو الگ رُخ دیا۔وہ یہی چاہتا تھا اُس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلے اور وہ اُسے مریان کے خلاف استعمال کرے۔

”کیا؟؟“ مریان نے حیرت سے سامنے شیطانی مسکراہٹ سجائے بیٹھے اینکر کو دیکھا جس نے بات کو انتہائی غلط رنگ دیا تھا۔

اور اب اِس بات کی باقاعدہ پٹی چلائی جا رہی تھی اور اینکر بریک لے رہا تھا۔

مریان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”پروپگنڈا کسے کہتے ہیں آپ جانتے بھی ہیں؟“

بریک میں اینکر کے رنگ بدل گئے تھے سامنے بیٹھے شخص کے چہرے پر اب مروت بھری مسکراہٹ نہیں تھی۔

”زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں ہے عوام اس کُرسی پر بیٹھے شخص کی بات کا یقین کرتی ہے نہ کے اقتدار کی کُرسی پر بیٹھے لوگوں کی بات پر۔“ اینکر اپنی کُرسی کی طرف اشارہ کرتے بولا۔

”اب یہ خبر جیسے چل رہی ہے لوگ اسی پر یقین کریں گے کیونکہ سیاستدان تو عوام کے لیے اتنے ایماندار ہوتے نہیں کہ وہ اُن پر یقین کریں۔“

مریان سامنے پڑے میز کو ٹھوکر لگاتا اٹھ گیا۔

اُسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ اس ملک میں اچھے سیاستدان کیوں نہیں تھے یا تو اُنہیں اچھا نہیں رہنے دیا جاتا تھا یا سیاست میں ہی نہیں رہنے دیا جاتا تھا۔ اگر ایک زشت مچھلی پورا تالاب گندا کر سکتی ہے تو گندے تالاب میں ایک صریح مچھلی بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

"روکیں مریان صاحب ابھی تو شو ختم ہونے میں دس منٹ پڑے ہیں۔"

مگر اس کے انداز سے لگتا تھا کہ اُسے مریان کے رہنے یا جانے سے فرق نہیں پڑتا۔ باقی دس منٹ میں بھی غلط معلومات چلا سکتا تھا جس سے شاید ریٹنگ مزید بڑھتی۔

وہ نیوز ہیڈ کوارٹر سے نکلتا اب روڈ پر تیز رفتار میں گاڑی چلا رہا تھا۔

گاڑی سامنے آتی گاڑی سے لگتے لگتے بچی تھی۔

"کوئی بات کو اس زاویے سے کیسے پیش کر سکتا ہے؟"

وہ ایک ہی بات دوہرا رہا تھا اس کا اس عہدے پر آنے کے بعد پہلا انٹرویو تھا جو اُسے انٹرویو کم اور الزامات کا گرم بازار زیادہ لگا تھا۔

اُس کی پہلی جھلک اس طرح سے دیکھائی جائے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اُسے اپنا سیاست میں آنے کا فیصلہ غلط لگنے لگا تھا۔

وہ گھر میں آتے ہی صبیحہ بیگم کو ٹی وی سے دور رکھنے کی ہدایت دیتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

وہ صبیحہ بیگم کو کسی بھی پریشانی سے دور رکھتا تھا۔

وہ بغیر جوتا اُتارے بیڈ پر دھپ سے لیٹا۔

آنکھیں بند کیں جو سُرخ ہو چکی تھیں۔اُسے شدید بے بسی محسوس ہو رہی تھی۔
صبح اُنہیں لوگوں کے بیچ جانا تھا جو اس وقت اسے غلط سمجھ رہے تھے۔

”سوچ سمجھ کر بولا کریں مریان لکھانی۔“
موبائل کے نوٹیفکیشن پر میسج نظر آ رہا تھا۔
مریان نے اُٹھ کر بھیجنے والے کا نام دیکھا اور سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل ہاتھ میں پکڑا اور جواب ٹائپ کرنے لگا۔
”میں سوچ کر بولتا ہوں مگر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔“
”تو لوگوں کی سمجھ کے مطابق بولا کریں۔“ روحا کا جواب پڑھتے ہی اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔
”مُجھے لوگوں کی سمجھ نہیں آتی۔“
پھر لوگوں کو بھی آپکی بات سمجھ نہیں آ سکتی۔“
”میرا وہ مقصد نہیں تھا میں تو سوچ بھی نہیں سکتا میں نے صرف مثال دی تھی۔“
”جانتی ہوں آپ کہنا چاہ رہے تھے کہ اگر ہم حضرت عمر فاروقؓ کے نظامِ حکومت اپنانے کی کوشش کریں گے تبھی بہتری آئے گی اور ویسا نظام آپ لانا چاہتے ہیں اور لائیں گے تو کوئی قباحت نہیں۔کام مُشکل ہے مریان صاحب مگر سوچ اچھی ہے تنقید اور حاسدوں سے گھبرائیں گے تو اپنی سوچ گنوا بیٹھیں گے۔

اپنے نظریے پر قائم رہیں مختلف نظریہ ہو تبھی مختلف چیزیں وجود میں آتی ہیں۔
اعلیٰ سوچ ہی انسان کو انسان سے عظیم انسان بنا دیتی ہے سارے بڑے رہنما اپنی اچھی اور الگ سوچ کی وجہ سے ہمیں یاد ہیں۔
پیچھے ہٹ جانے والے لوگ آگے تو بڑھ نہیں پاتے مگر پیچھے بھی اُن کے لیے سوائے ذلت کے کُچھ نہیں ہوتا۔"

مریان حیرت سے وہ الفاظ پڑھ رہا تھا وہ یہی تو کہنا چاہ رہا تھا یہی تو سننا چاہتا تھا۔
وہ ایک عام سی لڑکی وہ سب باتیں سمجھ گئی تھی تو خود کو علم کے علمبردار سمجھ لینے والے بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھے کیوں نہیں سمجھ رہے تھے؟
شاید وہ دوسروں کی نظر سے دیکھتے اور دوسروں کے کہے پر سوچتے تھے اپنی سوچ کو وہ دوسروں کے اشاروں پر چلاتے تھے یا اُن کی سوچ ہی محدود تھی۔
"ویسے شکل سے آپ اتنی سمجھدار لگتی نہیں ہیں جتنی سمجھداری کی باتیں کر لیتی ہیں۔"
مریان کی جانب سے بھیجے جانے والا میسیج پڑھتے روحا کی تیوری پر بل پڑے۔اُس نے جواب دیئے بغیر ہی موبائل میز پر رکھتے ساتھ بیٹھے ابتسام آفندی کو دیکھا جن کے چہرے پر اس وقت بلاں کا اطمینان تھا۔اُس کا باپ مریان کی تذلیل پر خوش نظر آ رہا تھا۔روحا نے نفی میں سر ہلاتے نظریں دوبارہ ٹی وی پر جما لیں۔

جواب ملنے کی امید پر مریان موبائل کی سکرین پر نظریں ٹکائے بیٹھا رہا مگر جواب نا آیا اور نا آنا تھا۔ چند منٹوں بعد موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اُس نے آنکھیں موند لیں۔ تفکرات کے سائے اور ذہن کا بوجھل پن یکسر کم ہوا مگر نیند اب بھی اُس کی آنکھوں سے دور تھی۔

~~~

آج موسم سرد تھا۔دسمبر کا چل چلاو تھا جبکہ جنوری کی آمد آمد تھی۔دھند کا راج تھا۔
روحا آہستہ گاڑی چلا رہی مگر دھند کی وجہ سے حد نگاہ کم تھا۔سامنے سے آتی گاڑی کا اسے اُس وقت اندازہ ہوا جب وہ جھٹکے سے اُس میں ٹکرانے لگی۔روحا نے گڑبڑاہٹ میں بریک پر پاؤں رکھا۔روحا آگے کی جانب جُھکی وہ آہستہ گاڑی چلا رہی تھی سراسر غلطی سامنے سے تیز رفتاری میں آنے والے شخص کی تھی۔وہ تیش میں باہر نکلی اور سامنے والے کی گاڑی کا شیشہ پیٹنے لگی۔
شیشہ بڑی آہستگی سے نیچے کیا جا رہا تھا روحا اِس سستی پر مزید تپ رہی تھی۔وہ اب آنکھوں پر لگے گلاسز ادا سے اُتارتا چہرے پر مسکراہٹ لیے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"معزرت مُجھے پتہ نہیں چلا آپکی گاڑی سامنے سے آگئی۔"
روحا اپنے الفاظ دہرائے جانے پر گھور کر اسے دیکھ رہی تھی مگر سامنے والے کے تاثرات میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔
~~~

"آپکو احساس ہے مجھے کل لے کر دی ہے بابا نے یہ گاڑی جو آپ نے جان بوجھ کر لگا دی ہے۔اب میری بابا سے اچھی بے عزتی ہو گی۔" اُس کے چہرے پر دکھ واضع تھا مگر مریان کو اُس کی دکھی صورت دیکھنے پر بھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔

"یہ لیں چیک گاڑی کی مرمت کروا لیجئے گا۔"

مریان نے مسکراہٹ دباتے چیک اُس کی جانب بڑھایا۔اُس کے چہرے پر اڈتی مسکراہٹ دیکھ کر روحا بھنا کر رہ گئی تھی۔

"آپکی نہ مرمت کر دوں؟" اُس کی بات پر مریان کا قہقہہ گاڑی میں گونجا۔بھوری آنکھیں سکڑی تھیں گال پر ڈمپل نمودار ہوئے۔

روحا نے جھٹکے سے آنکھوں کا رُخ پھیرا اور اپنی گاڑی کی طرف مڑی۔گاڑی سے موبائل نکال کر کال ملانے لگی۔

"آذر کہاں ہو؟" اُسے ہر مُشکل میں سب سے پہلا خیال آذر کا ہی آتا تھا۔

"بس یونی کے لئے نکلنے لگا ہوں۔"

"میری گاڑی لگ گئی ہے۔"

"کس کی گاڑی کے ساتھ؟"

"پتہ نہیں دھند تھی وہ لگا کر بھاگ گیا۔"

اُس نے جھوٹ بولتے ہی نظروں کا رُخ مریان کی گاڑی کی جانب کیا جو اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"تُم اس وقت کہاں ہو؟"

"ڈی ایچ اے فیز میں ہی ہوں۔" ابھی تو وہ جانے کے لیے نکلی تھی اور چند منٹوں میں اس کے لیے مُشکل کھڑی ہو گئی تھی۔

"اچھا تم پریشان مت ہونا میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔" آذر نے اُسے تسلی دی تھی اور اُسے تسلی ہو بھی گئی تھی اُسے یقین تھا وہ کوئی نا کوئی حل نکال لے گا۔

مریان مزے سے اُس کی ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

"اب یہاں کھڑے آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟" روحا کال بند کرتے اُس سے مخاطب ہوئی۔

"یہ سوچ رہا ہوں کہ سامنے کھڑی لڑکی نے مجھے بچانے کی کوشش کیوں کی۔" مریان نے ٹھوڑی مسلتے ہوئے اُس کے غصے کو ہوا دی۔

"ویسے موسم اچھا ہے ہم کافی پی سکتے ہیں آپکو اپنے کزن کو بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مُجھے آپکا رات کے لئے شُکریہ بھی ادا کرنا تھا۔"

مریان نے دوسری جانب کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شُکریہ آپ ایسے ادا کر چُکے ہیں۔"

روحا نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

"آپکی گاڑی کی خرابی ہے ورنہ ایسی معمولی سی ٹکر سے آپکی گاڑی کو چند خراشیں آئی ہونگی۔انجن چلانے کے بعد بیس، پچیس سیکنڈز اِنتظار کریے گا چل جائے گی نہیں تو آپ کو جس نے گاڑی لے کر دی ہے اس کو جا کر پکڑیں۔"

”مہربانی آپ جائیں۔میری وجہ سے آپ کی گاڑی کا نقصان ہوا تھا آپ نے میری گاڑی کا کر دیا حساب برابر ہو گیا۔آئندہ کے بعد آپ نے ایسی کوئی حرکت کی تو ہر گز برداشت نہیں کروں گی۔“

روحا نے اُنگلی اٹھاتے اُسے تنبیہہ کی اور مڑ گئی۔مریان شا نے اچکاتا گاڑی ریورس کرنے لگا پلین بری طرح فلاپ ہوا تھا۔بغیر غلطی کے وہ کسی کی باتیں نہیں سنتا تھا اور نا اُس کی جلی کٹی سننے کے لیے رُک سکتا تھا۔

آذر اگلے دس منٹ میں وہاں پُہنچ گیا تھا اور اب گاڑی کے پاس کھڑا اس پر جائزائی نظر دوڑا رہا تھا۔ وہ گاڑی تین سے چار بار سٹارٹ کر چکا تھا مگر وہ چلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”آذر اب کیا ہو گا بابا مُجھے ڈانٹیں گے۔“ وہ روہانسی سی ہو کر بولی تو آذر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

”کم از کم میرے ہوتے ہوئے تو ایسا نہیں ہو گا۔

یہ تمھاری یونیورسٹی سے واپسی تک ٹھیک ہو جائے گی تُم میری گاڑی لے جانا۔میں واپسی پر یہ ورک شاپ سے لے کر تمھارے گھر پہنچا دوں گا۔تم شکر کرو تمہیں کُچھ نہیں ہوا۔“ روحا اُس کے یقین دلانے پر فوراً مطمئن ہو گئی تھی۔

”تُم میرے اچھے والے دوست ہو۔“

”بس دوست؟“ آذر نے ابرو اچکائیں۔

”نہیں کزن بھی تو ہو۔“

اور آذر نے بُرا سا منھ بنایا۔

”بیٹھو اب لیٹ ہو رہے ہیں۔“

روحا بڑے مزے سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی آذر نے اُسے روکا نہیں تھا۔

وہ روحا کو کسی چیز سے بھی نہیں روکتا تھا اور بقول ابتسام آفندی روحا کو بگاڑنے میں سب سے زیادہ ہاتھ آذر کا ہے مگر آذر کو ابتسام آفندی کی مخالفت سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ویسے چاچو سب کے ساتھ ہاتھ کرتے ہیں اس بار اُن کے ساتھ کسی نے ہاتھ کر دیا ہے۔" آذر محظوظ سا بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کے چاچو نے جس سے گاڑی منگوائی ہے اس نے شاید پرانی لا دی ہے۔دیکھنے میں نئی ہے پر انجن پرانا لگا کر بیچ دی ہے۔انجن کافی استعمال کیا گیا تھا تبھی تو تمہاری زوردار بریک لگانے سے بند ہی ہو گیا۔"

"مطلب وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ گاڑی کا مسئلہ ہے۔" روحا کو فوراً سے مریان کی بات یاد آئی۔

"کون؟ گاڑی والا؟ ویسے تم نے تو غصے میں اُس کی ٹھیک ٹھاک کی ہو گی۔"

"ہاں کر تو ٹھیک ٹھاک ہی دی ہے۔" اُس کا لہجہ دھیما ہوا تھا۔

"چلو چھوڑو تمہارا کون سا اُس سے دوبارہ سامنا ہونا ہے اور اسے کیا پتہ واقعی گاڑی میں مسئلہ تھا۔"

روحانے سر تو ہلا دیا تھا پر وہ یہ بھی جانتی تھی سامنا تو اس سے کہیں بھی ہو سکتا ہے۔

....

زیام اور آذر لیکچر کے بعد سر کے سمجھائے گئے کسی ٹاپک پر بحث کر رہے تھے جب اُنہیں عینی اپنی طرف آتی ہوئی دیکھائی دی۔

”یہ چنڈال لڑکی اب اِدھر کیا کرنے آ رہی ہے۔“

زیام نے کوفت سے آنکھیں گھمائیں۔

آذر نے اسے حیرت سے دیکھا وہ کسی کے بارے میں ایسے تبصرے تو نہیں کرتا تھا۔

”زیام تُم اِس سے اتنا کتراتے کیوں ہو؟“

”مُجھے پسند نہیں ہے۔“ زیام نے صاف گوئی سے کام لیا۔

”کیا برائی ہے اس میں؟“ آذر نے عینی کی جانب نظر دوڑائی وہ اچھی قدامت کے ساتھ سفید رنگ اور خوبصورت نقوش کی مالک تھی۔بلاشبہ وہ خوبصورت،ذہین اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

”تُم نے اس کا حلیہ دیکھا ہے؟“

زیام نے اُس کی جینز اور شارٹ شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”حلیے سے لوگوں کے کردار کو نہیں جانچنا چاہیے۔دیکھو وہ اتنے سالوں سے کسی اور لڑکے کے قریب نہیں پائی جاتی۔صرف تمھارے پاس آتی ہے مگر تُم گھاس ہی نہیں ڈالتے پھر بھی تُمہیں لعنت ملامت نہیں کرتی۔یہ خصوصیات بھی تو اُسکی دیکھو۔“

”یہ اِس کی غلطی ہے کہ یہ میرے پیچھے آتی ہے۔“ سید زیام شاہ اُسے اس بات پر تو ہرگز نہیں سراہ سکتا تھا۔

”انسان اپنی جیسی طبیعت کے لوگوں میں ہی جچتا ہے۔“

"باقی سب لڑکیوں پر تو تُم ایسی تنقید نہیں کرتے۔ساری برائیاں تمھیں اس میں نظر آ رہی ہیں۔" وہ تلخی سے زیام کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"کیونکہ وہ ہر وقت میرے پیچھے نہیں پڑی رہتیں وہ اپنی ٹائپ کے لڑکوں میں رہتی ہیں۔"

"کون اپنی ٹائپ کے لڑکوں میں رہتا ہے؟" عینی اب اُن کے سروں پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"یونیورسٹی کی لڑکیوں کی بات ہو رہی ہے۔" زیام نے سر جھکائے جواب دیا۔

"مگر میں تو ایسے نہیں کرتی۔"

"ہاں تمھارے علاوہ ہی کہا ہے۔" عینی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"مطلب تُم مجھے دوسری لڑکیوں میں شامل نہیں کرتے؟"

"ہاں کیونکہ تُم باقی سب سے زیادہ احمق ہو۔ تمھیں بھی اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔تُم نے اپنی یونیورسٹی لائف اپنے لیے غیر مناسب لوگوں کے پیچھے ضائع کی ہے۔" عینی کی مسکراہٹ سمٹی۔پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں۔

"زیام تُم غیر مناسب تو نہیں ہو۔" عینی نے دائیں بائیں سر کو زور زور سے پٹخ کر اُس کی بات کی انکاری کی۔

"تمھارے لئے ہوں۔" زیام کا لہجہ سخت ہوا۔

"نہیں ہو۔مجھے ایسا لگتا تو میں واقعی تُمھارے پیچھے اپنا وقت برباد نا کرتی۔"

"مگر تُم میرے لیے غیر مناسب ہی ہو۔" زیام کٹھور پن سے کہتا ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کرتے بیگ میں رکھنے لگا۔

"ایسی کیا۔۔کیا برائی ہے مُجھ میں؟" عینی کی آواز میں بھاری پن شامل ہوا تھا۔اس سے الفاظ با مُشکِل ادا ہوئے۔

"سوچ کا مختلف ہونا برائی ہی ہوتا ہے دو مختلف سوچ کے حامل لوگ ایک ساتھ بغیر اختلاف کے نہیں رہ سکتے۔" عینی کا چہرہ پھیکا پڑا۔

"لیکن مجھے تمھاری سوچ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔" عینی اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"عینی اختلاف ہوتے نہیں ہیں اختلاف پیدا ہوتے ہیں۔" وہ عینی کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"مگر مجھے تُم ایسے ہی پسند ہو۔"

زیام نے سر تھام لیا وہ باتوں باتوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہتی تھی نہ بھی کرتی تو اُس کے رویے سے سب جان چُکے تھے کہ عینی کو سید زیام شاہ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا۔

"تُم خودی ایک دن سمجھ جاؤ گی تُم اور میں دو مختلف لوگ ہیں اور رہیں گے۔ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔"

وہ کہتا اُٹھ کر تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

یہ اُس کا بحث ختم کرنے کا طریقہ تھا۔

زیام کی بے اعتنائی برتنے پر چند سیکنڈز وہ اُسے دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

زیام کی نظر بینچ پر بیٹھیں روحا اور علیحہ پر پڑی جو بڑے ہولناک تاثرات کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔

زیام نے اُن کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر عینی کی نظریں اُسی پر جمی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود اُن کے پاس چلی گئی تو زیام نے وہاں جانے کا ارادہ سرے سے ترک کر دیا۔

آذر بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"زیام ویسے تُم نے شادی نہیں کرنی؟؟" آذر بھی اُن کی جانب دیکھتے پُر سوچ انداز میں بولا۔

"کیوں؟ تمہیں اچانک سے میری شادی کا خیال کہاں سے آ گیا؟"

"نہیں مطلب تمھاری پڑھائی ختم ہو گی تو انکل آنٹی شادی کا تو کہیں گے نہ۔۔"

"جب کہیں گے تب دیکھ لیں گے۔"

"پھر عینی سے ہی کر لینا۔" آذر کے مشورے پر زیام نے لب بھینچے۔

"ہمارے خاندان میں صرف سیدوں میں ہی شادی کی جاتی ہے۔" زیام کو آذر کا مشورہ بالکل پسند نہیں آیا تھا۔بلکہ ایسا مشورہ دینے پر اُسے ایک لمحے کو آذر بھی زہر لگا تھا۔

"ایسا اسلام نے کب کہاں؟ قرآن میں؟ حدیث میں؟" ساتھ میں وہ خود نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"اسلام تو نسلی تعصب ختم کرتا ہے۔"

"میرے خاندان والے کہتے ہیں کہ ہم اعلیٰ ذات ہیں کسی اور کم ذات میں رشتہ نہیں کر سکتے۔"

زیام کے خاندان کے خیالات سن کر اُس کی جبین شکن آلود ہو گئی۔

"اسلام تو کہتا ہے کہ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت نہیں ہے پھر یہ کم ذاتی کا طعنہ کیسا؟"

زیام خاموش ہو گیا تھا اِس سوال کا جواب اُسے بھی نہیں ملتا تھا مگر وہ گھر والوں کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اپنی فرمابرداری کی وجہ سے خاندان میں مشہور تھا بغاوت نہیں کر سکتا تھا کسی کے لئے بھی نہیں۔

"مُجھے لائبریری جانا ہے۔نوٹس کے لئے کُچھ کتابیں چاہیں تُم چلو گے؟"

زیام نے بات بدلی تو آذر بھی خاموشی سے اُس کے ساتھ پیچھے چل دیا۔

وہ بحث کرنے والوں میں سے تھا بھی نہیں۔ مگر غلط بات پر اختلاف ضرور کرتا تھا۔یہ بات اُس کی اور روحا کی ایک سی تھی۔

....

آسمان کو اچانک سرمئی بادلوں نے گھیرے میں لے لیا۔آسمان سے ننھی بوندیں اُترنے لگیں۔آج صبح کی شروعات معمول سے ذرا ہٹ کر تھی کیوں کہ آج بادلوں نے آسمان کو اپنی سیاہ پوشاک عطا کی تھی۔بادل کی سیاہ و سفید ٹکڑیاں آسمان پر محوِ رقص تھیں۔بادل مسلسل آسمان پر اٹھکلیاں کر رہے تھے، جیسے سورج کے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل جاری ہو۔سورج بادلوں کو چیرتا ہوا باہر نکلنے کی حسرت میں تڑپ رہا تھا لیکن آج بادلوں نے بھی ٹھان رکھی تھی کے آج وہ برسیں گے۔سورج سے جیسے کہہ رہے ہوں کے آج تم خوابِ خرگوش کے مزے لینا۔

"لگتا ہے اِس بار کراچی پر بادل گرمیوں کے حصے کے برس رہے ہیں۔"

روحا سر اٹھا کر آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"علیحہ تُم بارش میں گھر کیسے جاؤ گی؟"
اور روحا کے کہنے سے پہلے ہی وہ اس فکر میں گھلے جا رہی تھی۔
"چلو میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔"
نہ۔۔نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔علیحہ روحا کے اپنے گھر آنے کا سن کر گڑبڑا گئی تھی۔
"پھر تُمہیں اپنے گھر لے کر جاتی ہوں۔"
"نہیں امی پریشان ہونگی۔" اُس کے پاس نیا بہانہ تیار تھا۔
"کیا یار علیحہ ہر وقت نہیں نہیں کرتی رہتی ہو تم اُنہیں کال کر کے بتا دو کہ تم میرے ساتھ جا رہی ہو لیٹ ہو جاؤ گی۔"
"اُن کا موبائل خراب ہے۔" اُس نے یہ نہیں بتایا کہ اُن کے پاس موبائل ہے ہی نہیں۔
"کُچھ نہیں ہوتا تُم سمجھا دینا کے میں نے ساتھ جانے پر اسرار کیا تھا۔"
اُس نے با اسرار کہا تو علیحہ کے چہرے پر پُر سوچ لکیریں اُبھر گئی۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس کی امی یہی سمجھیں گی کہ بارش کی وجہ سے وہ سٹاپ پر ہی رک گئی ہو گی۔"ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر کے لئے نہیں۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے حامی بھر لی۔
چلو شکر تم مانی تو سہی۔۔" روحا نے تشکرانہ ہاتھ بلند کرنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔
"یہ تمھاری نئی گاڑی ہے؟" علیحہ اُس سے پچھلے ایک ہفتے سے نئی گاڑی کے آنے کا سن رہی تھی۔
"نہیں یہ آذر کی ہے۔"
"تمھاری کہاں ہے تُم نے تو آج اپنی لانی تھی۔"

"اُس کا کسی منحوس نے کباڑا کر دیا۔" مریان کا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔چہرے پر ناگواری اُبھر کر معدوم ہوئی۔اُس کے نزدیک اب بھی وہ کہیں نا کہیں مجرم تھا کیونکہ نا وہ اُس کے سامنے گاڑی لاتا نا وہ اتنی زور سے بریک لگاتی نا گاڑی کا انجن فیل ہوتا۔

"اوہ تو آذر کیسے جائے گا؟"

"وہ زیام کے ساتھ چلا جائے گا تُم اُس کے ساتھ کمنفرٹیبل نہ ہوتی ورنہ ہم سب اکھٹے چلے جاتے۔" علیحہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔روحا نے اگنیشین میں چابی گھماتے گاڑی سٹارٹ کی۔

روحا گاڑی مزید آہستہ چلا رہی تھی کیونکہ وہ صبح والا حادثہ دوبارہ نہیں برداشت کر سکتی تھی۔

علیحہ سڑک سے پار سمندر کو بڑی مہوت سے دیکھ رہی تھی۔

سڑک کا موڑ مڑا اور گاڑی ڈی ایچ اے فیز میں داخل ہوئی اور چند منٹوں کے بعد روحا نے گاڑی کو بریک لگائی۔

"تمھارا گھر سمندر کے پاس ہے؟"

"ہاں کافی زیادہ پھر بھی ہم لوگ ہفتے میں صرف دو بار جاتے ہیں۔" علیحہ اُس کے صرف لفظ کی منطق نہیں سمجھ پائی تھی اُس کے نزدیک مہینے میں دو بار جانا بھی بہت تھا۔

گارڈ نے دروازہ کھولا اور سامنے کے منظر پر اُس کی آنکھیں خیرہ رہ گئیں۔علیحہ سحر زدہ سی اُس بنگلے نُما گھر کو دیکھ رہی تھی۔وسیع لان کے سبزے میں وہ گم ہو گئی تھی۔

اُسے روحا حلیے سے امیر لگتی تھی مگر اتنی زیادہ تھی اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔وہ اُس کے گھر کی ہر چیز کو باریک بینی سے دیکھ رہی تھی ایسے منظر اس کی آنکھوں نے پہلی بار دیکھے تھے۔

ثمینہ بیگم اور نبیہا اس کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے ملی تھیں۔وہ اُسے روحا کی طرح کہیں سے بھی مغرور نہیں لگ رہی تھیں۔لہجے انداز رہن سہن سے اسے وہ لوگ مہذب لگے تھے۔

روحا اُسے سارا گھر گھمانے کے بعد لان میں لے آئی تھی۔بارش تھم گئی تھی سبزہ مزید نکھر گیا تھا سورج بھی اپنی جھلک دیکھا رہا تھا۔درخت اک نئے خوبصورت پیرہن میں حسن کا شاہکار معلوم ہو رہے تھے۔کونپلیں معصومیت سے پودوں کی ہری گود میں مچلنے لگیں۔مینہ برسنے کے بعد اب ہر جانب اک سحر انگیز خوشبو دلوں کو معطر کیے جا رہی تھی۔اب مٹی اپنی خوشبو سے زمین کو جنت کا گوشہ بنا چکی تھی۔پھول ٹہنیوں سے جھول رہے تھے۔قدرت کے اس تحفے سے زمیں مسکرا رہی تھی۔بارش کے بعد ایسا حسین منظر ایسے علاقوں اور گھروں میں ہی ہو سکتا تھا ورنہ اُس کے ہاں تو بدبو اور کیچڑ کے ڈھیر ہی لگتے تھے۔علیحہ لان میں نظر دوڑاتے سوچ رہی تھی۔

اب وہ اپنے سامنے پڑی لوازمات دیکھ رہی تھی جن میں سے ستر فیصد اس نے پہلی بار دیکھی تھیں وہ لوگ بسکٹ، نمکو اور سموسوں سے زیادہ مہمان نوازی نہیں کرتے تھے یا کبھی اُس کے امیر ماموں کے آنے پر شامی کباب بنتے تھے جو خود بھی ساتھ اُن کے کھانے کے لئے لوازمات لاتے تھے۔

"ہائے بیوٹیفل گرلز۔۔"

مردانہ آواز پر چہرے پر حیرت لیے علیحہ نے سر اٹھا کر دوسرے گھر کی بالکونی میں کھڑے شخص کو دیکھا جو اتنی اونچی آواز میں بولا تھا کہ اُن تک با آسانی آواز آئی تھی۔

آذر ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔پیچھے سے ہاتھ میں دو کپ پکڑے زیام بھی نمودار ہوا۔

"یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

علیحہ متحیر سی پوچھ رہی تھی۔روحا کا قہقہہ بُلند ہوا۔

"ارے پاگل بتایا تو تھا کہ آذر اور میرا گھر ساتھ ساتھ ہے یہ اِسکا گھر ہے تو یہیں ہو گا نا اور یہ زیام کی گاڑی پر آیا ہے تو اسے بھی ساتھ گھر لے آیا ہو گا۔"

"تُم نے یہ نہیں بتایا تھا نا کہ بلکل ساتھ والا گھر ہے۔"

علیحہ کے بال ہوا کی وجہ سے بار بار اس کے چہرے کے آگے آ رہے تھے۔ہوا اُس کے چہرے پر آتے بالوں سے چھیڑ خانی کر رہی تھی اور وہ اُنہیں پیچھے اڑیستی تھی۔

اُسے خود پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے بالکونی کی طرف دیکھا زیام اُس کے دیکھنے پر مسکرایا۔

علیحہ نے نظریں چرائیں اور اُس کی یہ ادا کسی کو بہت بھائی تھی۔

"روحا چلتے ہیں امی پریشان ہو رہی ہونگی۔" علیحہ نے کھڑے ہوتے ساتھ والی کُرسی پر پڑا بیگ کندھے پر لٹکایا۔

"آذر کے بچے میری گاڑی کہاں ہے؟" روحا اونچی آواز میں چلائی۔

"میں نے کال کر کے پوچھا تھا وہ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی صبح تک ہو جائے گی۔"

آذر نے اُسی کی طرح اونچی آواز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر تب تک تمھاری گاڑی میرے پاس رہے گی۔" روحا نے اُنگلی میں چابی گھمائی۔آذر نے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا کیونکہ وہ گاڑی تو اُس سے اچکنا چاہتا بھی نہیں تھا۔

"روحا رکو۔"

روحا نظریں قدموں میں جمائے چل رہی تھی جب لاؤنج میں بیٹھے ابتسام آفندی کی آواز پر رکی۔

"بابا مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ تلخ ہوئی۔"کیوں اب تک ناراض ہو؟" ابتسام آفندی صوفے سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔

"بابا مجھے حیرت ہوتی ہے آپ اس طرح کیسے پیسے کے بل بوتے پر کسی کی بھی عزتیں اچھال دیتے ہیں کسی کی زندگیاں ختم کر دیتے ہیں۔

آپکا مسئلہ پتہ ہے کیا ہے آپ چاہتے ہیں کہ غلط ہونے کے باوجود آپکو ٹھیک کہا جائے کوئی آپکے خلاف کام نہ کرے کوئی آواز نہ اٹھائے۔" وہ جوش خوردہ لہجے میں بولی تو ابتسام آفندی کے چتون تنے۔

"کیا اول فول بول رہی ہو جانتی ہو تمھارا باپ ہوں یا بھول گئی ہو۔" وہ انتہائی درشتگی سے بولے۔

"آپکا رویہ ایسا رہا تو بھول جاؤں گی۔کیا رات کو مریان لکھانی کے خلاف جو باتیں چل رہی تھیں اس کے پیچھے آپ نہیں ہیں؟ آپ نے اینکر کو پیسے نہیں دیئے تھے؟"

"تُمھیں کس نے کہا؟" ابتسام آفندی کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہوا تھا۔

"خود سنا ہے ان کانوں سے آپکو بات کرتے۔

"لوگوں کی عزتوں کی فکر تو نہیں ہے آپکو اپنی عزتوں کا ہی خیال کر لیں دُنیا مکافات عمل ہے۔"

وہ تاسف سے سر ہلاتے اندر چلی گئی۔ابتسام آفندی ہونق بنے اُس کی پُشت دیکھتے رہے۔

”بس یہاں روک دو۔“

علیحہ نے قدرے بہتر گلی کے پاس گاڑی رکوائی تھی جہاں گھر بھی زیادہ قدیم وضع کے نہیں تھے ورنہ اُس کی اور آس پاس کی گلیوں کی اور مکانوں کی بہت بری حالت تھی۔

”ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔“ علیحہ خدا حافظ کہتی تیزی سے گاڑی سے باہر نکل آئی۔

روحا نے نہ علاقے کے بارے میں کُچھ کہا تھا نہ ہی گھر بلانے کے بارے میں کہا اور علیحہ چاہ کر بھی اُسے گھر نہیں بلا سکتی تھی۔

دس منٹ پیدل چل کر وہ اپنی گلی میں داخل ہوئی جس کے گھڑے بارش کے پانی سے بھر چکے تھے۔ جہاں سے گزرتے ہوئے اُس کے کپڑے کیچڑ میں لتھڑ چُکے تھے۔

دروازے پر ہی اُسے اپنے باپ کے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اُسکا دِل بیٹھا مگر ہمت کر کے دروازے پر دستک دی۔ سر آسمان کی جانب اٹھایا۔ڈھلتی شام میں آسمان پر سرخ پڑتے بادلوں کا عکس اس میں جھلک رہا تھا۔

دروازہ اُس کے باپ نے کھولا اور علیحہ کو دیکھتے ہی تمسخرانہ ہنسی ہنسا۔

”آ گئی حرام زادی عیاشیاں کر کے۔۔“

اور علیحہ ہونکوں کی طرح اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔جو اپنی اولاد کو گالیاں نکال رہا تھا اور الزام لگا رہا تھا۔

”میں تو یونیورسٹی گئی تھی بارش کی وجہ سے بس کے آنے میں دیر ہو گئی۔“ بات ختم کرنے سے پہلے اس کی آواز اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی، اور آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

”باپ کے ساتھ زبان چلاتی ہے۔“
”زناٹے دار تھپڑ گال پر پڑا تو وہ لڑکھڑا کر گری اور باپ نے لاتوں کی بارش کر دی تھی۔
نسرین بیگم بچانے کے لئے آگے بڑھی مگر اُسے اپنا بچاؤ کرنا مُشکل ہو گیا تھا اُس کا باپ ایسے ہی وحشی ہوتا تھا جب اُسے اپنے نشے کے لئے پیسے نہیں ملتے تھے ماں بھی دِن رات سلائی کر کے کتنا کما سکتی تھی جو گھر کے ساتھ اُس کے نشے بھی چلاتی۔
علیحہ ماں کو بچانے کے لیے لپکی تو امین بخش نے اُسے پیچھے دھکیلا اس کا سر دیوار میں جا لگا۔آنکھوں کے سامنے تھوڑی دیر پہلے موجود سبزے کے بجائے اندھیرا تھا اس کی زندگی میں موجود اندھیرے جیسا وہ حواس کھو گئی تھی۔اُس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔منظر دھندلے ہو گئے تھے۔
آنکھوں کی نمی خنک ہوا نے جذب کر لی۔
سانسیں تپ دق کے مریض جیسی تیز اور گرم تھیں۔

”علیحہ تُم ٹھیک ہو؟“ روحا مسلسل اُس کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی مگر وہ ہوش میں کہاں تھی۔
روحا علیحہ کے چہرے پر پریشانی دیکھ چکی تھی وہ بھی ذرا فاصلے پر اُس کے پیچھے چل پڑی تھی۔اُسے علیحہ کا ایسے علاقے میں رہنا ٹھٹھکا تھا وہ اُس کا گھر دیکھنے کے لئے متجسس ہوئی تھی مگر گھر کے منظر نے اُس کا دل دہلا دیا تھا۔کھلا دروازہ اور اندر سے آنے والی بے ہنگم آوازوں کی وجہ سے وہ بغیر اجازت کے اندر آ گئی تھی۔

”کون ہو لڑکی پیچھے ہٹو ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔“ امین بخش نے روحا کو دھکا دے کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تو روحا نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔اُس کی اِس حرکت پر روحا کے غصے میں یک لخت اضافہ ہوا تھا۔

”خبر دار جو مُجھے ہاتھ لگایا اِن کی طرح تمھاری بیوی یا بیٹی نہیں ہوں جو تمھارا لحاظ کروں گی۔

تُم جیسوں کو تو تا عمر جیل بھجوا دوں مگر میری دوست کے باپ ہو تو لحاظ کر رہی ہوں ورنہ تُم جیسے مردوں کو لحاظ لفظ کے بارے میں بھی علم نہیں ہوتا۔کمزور مرد ہو اپنے نشے کے لئے عورتوں کا سہارا لیتے ہو۔اتنا ہی شوق ہے نشوں کا تو نکل جاؤ کماؤ، کرو نشہ، کرو اپنی زِندگی برباد اِن کا جینا کیوں مُشکل کیا ہوا ہے۔

آئندہ کے بعد مُجھے علم ہوا کہ تُم نے اِن پر ہاتھ اٹھایا ہے قسم کھا کر کہتی ہوں تم ساری زندگی جیل میں سڑو گے اور میرے مرنے کے بعد ہی تمھاری رہائی ممکن ہو گی۔“

روحا تنبیہہ انداز میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔امین بخش اُس کی نظروں اور لہجے کی بے باکی سے خوف زدہ ہوتا پیچھے ہوا۔

”آنٹی میں نے گاڑی دور کھڑی کی تھی میں ابھی گھر کے پاس لے کر آتی ہوں۔“ روحا اُنہیں بتاتی ہوئی گھر سے باہر نکلی۔اُس کے باہر نکلنے کے بعد بھی اُس کے لوٹ آنے کے خوف سے امین بخش اپنی جگہ سے ہل نہیں پایا تھا۔

نسرین بیگم حیرت سے اِس فرشتہ نُما لڑکی کی پُشت دیکھ رہی تھیں ورنہ یہاں سے علیحہ کو ہسپتال تک پُہنچانا بہت مُشکل تھا اور اس ہفتے سے سلائی کا کام بھی نہیں آیا تھا اور اِس وقت اُن کے پاس صرف چند سو روپے تھے۔

روحا بھاگم بھاگ گاڑی لے کر آئی نسرین بیگم اور روحا با مُشکل علیحہ کو بازوں سے تھام کر گاڑی تک لائیں۔

امین بخش ہونکوں کی طرح کھڑا اُنہیں دیکھتا رہا۔روحا گاڑی تیز رفتاری سے چلا رہی تھی۔

وہ قریب کے پرائیویٹ ہاسپٹل کے پاس رکی۔

علیحہ کو ایڈمٹ کروانے کے بعد اُس نے کال کر کے ثمینہ بیگم کو آنے کا کہا۔مگر خلافِ توقع ان کے ساتھ نبیہا اور ابتسام آفندی بھی تھے۔

وہ سب علیحہ کی امی کو حوصلہ دے رہے تھے اور انہیں پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ سب امیر ایک سے نہیں ہوتے کُچھ اِن کی طرح اچھے بھی ہوتے ہیں۔

روحا سر تھامے بیٹھی تھی ابھی علیحہ کو ہوش نہیں آیا تھا جب ہاجرہ احتشام اُس کے ساتھ آ کر بیٹھیں۔

"تائی جان آپ آ گئیں۔" روحا روتے ہوئے اُن کے ساتھ لپٹ گئی۔

ہاجرہ احتشام کی تو روحا میں جان اٹکی ہوتی تھی وہ اُسے اپنی بیٹی ہی کہتی تھیں اور اکثر لوگ کہتے تھے کہ اُنہیں شبہ ہے کہ روحا ہے ہی احتشام آفندی اور ہاجرہ احتشام کی بیٹی۔۔

نسرین بیگم حیرت کا مرقع بنیں اُنہیں دیکھ رہی تھیں علیحہ کے بھی تایا تائی تھے مگر اتنے بے مروت کے کبھی حال تک نہ پوچھنے آتے اور اُس کے باپ کو نشے کی لت پڑی بھی اپنے بڑے بھائی کی وجہ

سے تھی۔اپنوں کی آپس کی مُحبت اُنہیں بہت دیر بعد دیکھنے کو ملی تھی۔وہ اُنہیں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔

"روحا بیٹا میں نے بلز کلیئر کر دیئے ہیں مُجھے اب کام سے جانا ہے تُم لوگوں کو جانا ہو تو آذر کے ساتھ چلی جانا یا ڈرائیور کو منگوا لینا۔" ابتسام آفندی محبت سے معمور لہجے میں کہہ رہے تھے۔روحا جان گئی تھی کہ یہ اُسے منانے کی کوششیں تھیں جو بھی تھا اُس کا باپ اُسے زیادہ دیر ناراض نہیں رہنے دیتا تھا۔روحا جواباً سر ہلا کر رہ گئی۔

باقی سب علیحہ کے ہوش آنے پر چلے گئے تھے مگر روحا نسرین بیگم کے ساتھ ہاسپٹل میں ہی رک گئی تھی۔علیحہ ہوش آنے پر آس پاس اُن سب کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

مگر آہستہ آہستہ دماغ سوچنے کے قابل ہوا تو سمجھ آیا روحا اُسے چھوڑنے کے بعد واپس ہی نہیں گئی تھی تبھی وہ اِن کے درمیان یہاں تھی۔مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ روحا یہ سب جانے اُس کے مبادا کہ غم کی شدت اس کے سوا کسی اور کو بھی پتھرا دے۔

مگر وہ دواؤں کے زیرِ اثر تھی تھوڑی دیر میں پھر گہری نیند سو گئی۔روحا نے ساری رات علیحہ کے سرہانے جاگتے گزاری تھی اب اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔

"روحا بیٹا تُم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔تُمھارے احسان کبھی نہیں اُتارے جا سکتے۔"

نسرین بیگم کی رات کب آنکھ لگی اُنہیں بھی معلوم نہیں ہوا تھا جب اٹھی تو روحا اُسی حالت میں علیحہ کے پاس بیٹھی تھیں۔

"آنٹی دوستی میں احسان نہیں ہوتے فرائض ہوتے ہیں جو نبھائے جاتے ہیں اور اس کے بعد جتائے نہیں جاتے۔" وہ بولی تو اُس کی آواز قطعی بدلی ہوئی تھی نیند کے اثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

"تُم بہت اچھی ہو ہمیشہ خوش رہو۔" نسرین بیگم نے اُس کے سر پر مودت سے بھرا ہاتھ رکھا۔

"ضروری نہیں اچھے لوگ خوش رہیں خوشی غم زندگی کا حصہ ہیں اور ہر انسان کو برابر ملتے ہیں۔ہاں یہ بات ہے کہ اچھے لوگوں کا اختتام اچھا ہوتا ہے اور بُرے لوگوں کا انجام بُرا۔"

"بیٹا دعائیں بھی معانی رکھتی ہیں۔"

" دعائیں یقیناً معنی رکھتی ہیں مگر وقت تب ہی پلٹتا ہے جب اللہ تعالٰی نے لکھا ہو اُس سے پہلے آپ لاکھ خوشیاں مانگیں دعائیں کریں بے سود جاتی ہیں۔"

"مگر دعائوں سے تقدیر بدل جاتی ہے۔" نسرین بیگم کی بات پر وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"جب اللہ تعالٰی چاہیں تبھی تقدیر بدلتی ہے ورنہ ہر دعا فوراً قبول ہوتی، فوراً تقدیریں بدل دی جاتیں، حالات پلٹ جاتے۔فیصلہ ہمارے حق میں تب ہی ہوتا ہے جب وہ چاہے اور بس ہماری یہی غلطی ہے ہم اُس کی چاہ پر یقین نہیں رکھتے۔"

نسرین بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی اُس لڑکی کی سوچ اُن کی سوچ سے بھی آگے کی تھی۔

"یہ آپکے بازو پر کیا ہوا ہے؟"

روحا اُن کے نیلاہٹ زدہ بازو دیکھ کر بولی اور وہ خاموش ہو گئیں۔

"چلیں ہم ڈاکٹر کو چیک کروا لیتے ہیں جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" روحا اُن کی خاموشی کے پیچھے چھپی وجہ جان گئی تھی۔

"یہ موبائل رکھ لیں اپنے پاس آپ کے پاس ہے نہیں کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی مسئلہ ہو تو آپ صرف مُجھے بتایا کریں گی۔علیحہ کے پاس موبائل ہے مگر وہ کُچھ بتاتی نہیں ہے۔" روحا نے پرس سے موبائل نکالتے ان کی جانب بڑھایا۔

"ہم تمھارے احسانوں کا بدلہ نہیں دے سکیں گے۔"

"بدلہ تب دیا جاتا ہے جب احسان کیا جائے یہ میرا فرض تھا اور فرض نبھانے پڑتے ہیں۔"

اُن کے دِل میں روحا کے لئے محبت اور احسان مزید بڑھا۔

....

"روحا کی گاڑی کیوں لائے ہو؟" زیام نے روحا کی گاڑی آذر کے پاس دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"تُمھیں اُس کی چیزوں کی اتنی کیوں فکر ہے؟"

"وہ میری چھوٹی بہن کی طرح ہے بھائی بہنوں کی چیزوں کی فکر کرتے ہیں خاص طور پر تب جب چیزیں تُم جیسے کے ہاتھ لگ جائیں۔"

"تمھاری بہن اور اُس کی چیزوں پر میرا بھی حق ہے۔" دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی۔

"اُس نے یونی نہیں جانا تھا کیا؟"

"نہیں وہ علیحہ کے پاس ہاسپٹل ہے۔"

"علیحہ ہاسپٹل کیوں ہے؟" وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

"ہاں وہ اُس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔"

"کیسے لگی؟" زیام تفکر بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں روحا نے بتایا ہی نہیں۔"

"پھر ہم یونی کیوں جا رہے ہیں؟"

"پاگل اِنسان ظاہری بات ہے پڑھنے جا رہے ہیں۔" آذر زیام کی بات پر ہنستے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے ہمیں ہاسپٹل جانا چاہیے۔" آذر نے جھٹکے سے گاڑی کو بریک لگائی اور حیرت سے زیام کو دیکھنے لگا۔

"مطلب سید زیام شاہ جو لڑکیوں کے مر جانے پر کان نہ دھرے وہ یونی سے چھٹی کر کے کسی لڑکی کی عیادت کے لئے جانے کا کہہ رہا ہے۔

کیا میرے کان ٹھیک سن رہے ہیں؟" اُس نے اپنی حیرت کو زُبان دی۔

زیام نے اُس کے کان پر تھپڑ رسید کیا۔

"اگر نہیں بھی سنائی دے رہا تو اب ٹھیک سنائی دے گا۔ آذر خفت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے کان سہلانے لگا۔

"کیا تمھیں علیحہ اچھی لگتی ہے؟"

"لگتا تو ہے۔" آذر نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا وہ اس کی توقع کے برعکس سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"تُم تو ایسی خبریں دے کر میرا ہارٹ فیل کرواو گے۔"

"کیوں تُمھیں بھی روحا سے تیماداری کروانی ہے؟"

"نہیں اُس سے تو مجھے صرف شادی کروانی ہے۔"

"دیکھتے ہیں۔۔ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کون کس کی قسمت میں ہے۔" زیام نے کندھے اچکاتے بولا۔

"یہاں سے پھول بھی لے لو۔" زیام راستے میں موجود پھولوں کی دکان کی طرف اشارہ کرتے بولا۔

"کیوں پھولوں کا کیا کرنا ہے؟"

"کسی کی عیادت کے لیے جائیں تو پھول لے کر جاتے ہیں مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"میاں تُم یہ کہو کہ محبت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" زیام اُس کی بات پر کھسیانی ہنسی ہنسا۔

آذر نے ہاسپٹل کے آگے گاڑی روکتے پھولوں کا گلدستہ زیام کو پکڑایا۔

"یہ لو تم اسے پکڑانا تمھارا علیحہ پر اچھا تاثر پڑے گا۔" اُس کی شرارتی آواز پر زیام اپنی مسکراہٹ روک نہیں سکا۔

"باتیں نہ بناؤ چلو۔"

"ہاں چلو بے صبری ہو رہی ہو گی۔" زیام نے اُسے آنکھیں دکھائیں جن کا آذر نے اثر ہی نہیں لیا۔

علیحہ اب مُکمل ہوش میں تھی شام تک اُسے گھر لے جانے کی اجازت بھی مل چُکی تھی۔

علیحہ اُن دونوں کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئی اُسے زیام کے آنے کی بلکل اُمید نہیں تھی اُمید تو اُسے کسی کے آنے کی بھی نہیں تھی مگر وقت بازی پلٹے تو سوچ پیچھے رہ جاتی ہے اور ہمیں ہماری سوچ سے زیادہ عطا کر دیا جاتا ہے۔

زیام نے گلدستہ علیحہ کی جانب بڑھایا جو روحا نے تھام کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

زیام نے بُرا سا منہ بنایا جو علیحہ نے با غور دیکھا۔روحا کو پھول پسند تھے خاص طور پر گلاب کے پھول اور زیام کی بد قسمتی کے وہ گلاب کے پھول لایا تھا۔

روحا نے مسکراہٹ کے ساتھ کرسی پیش کرتے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس کے اشارے کی تلقید کرتا وہ کُرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

زیام کی نظر علیحہ کے ہاتھ پر پڑی سیاہ پتھر پڑی جو اس کے بجھے چہرے کے ساتھ آج بھی چمک رہا تھا۔چند منٹ کسی طلسم میں دیکھتا رہا پھر علیحہ کی امی کے کھنکھارنے پر ہڑبڑایا۔

”تُم علیحہ کے دوست ہو؟“

”نہیں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے ہیں۔“ جواب علیحہ نے دیا تھا۔

روحا کے موبائل پر بیپ ہوئی اُس نے اگلے لمحے کال اُٹھا لی۔

”روحا بی بی میچ کا ٹائم ہونے والا ہے۔تیار رہیے گا ایک گھنٹے تک آپ کو لینے آؤں گا۔“ دوسری جانب سے مریان کی مصروف سی آواز ابھری۔

روحا ابتسام آفندی وہ دانت پیستے بولی۔

مگر مریان نے اُس کے کہنے پر تصیح نہیں کی۔

”وہ میں آج نہیں آ سکتی۔“

”آپ کے لئے روز رزو وقت نہیں نکالا جا سکتا۔میں اپنے کہنے کے مطابق آؤں گا آپ نہیں جانا چاہتیں تو آپ کی مرضی۔۔“ اس کا دماغ تیزی سے مناسب الفاظ میں انکار کی وجہ ڈھونڈھ رہا تھا کہ کال کے کٹ جانے کی آواز آئی۔

"ایک تو اس کے نخرے ہی بہت ہیں۔" روحا موبائل کی سکرین دیکھتے غصے بڑبڑائی۔

"علیحہ میں شام میں آؤں گی پھر یہاں سے گھر چلیں گے اور زیام پلیز تم آنٹی کو ڈاکٹر کو چیک کروا لینا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔یہاں ڈاکٹر سارم ہیں میں اُنہیں جانتا ہوں بابا کے دوست ہیں۔میں آنٹی کو اُن کے پاس لے جاتا ہوں تُم گھر چلی جاؤ آذر کہہ رہا تھا رات سے یہاں ہو۔آنٹی چلیں ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

زیام کے کہنے پر وہ اُس کی پیش قدمی کرنے لگیں۔

"روحا تُم کہاں جا رہی ہو؟" آذر روحا کے کمرے سے باہر نکلنے پر اُس کے پیچھے لپکا۔

"میچ دیکھنے جا رہی ہوں۔" اُس نے ذرا جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ شازین ٹیم میں ہے؟"

کرکٹ کے معاملے میں اسے کوئی نہیں روکتا تھا۔آذر تو ویسے بھی ہر معاملے میں اس کا سب سے بڑا حمایتی تھا۔

"اُسے کوئی باہر رکھنے کی ہمت کر سکتا ہے؟"

آذر نے شانے آچکائے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کسی کی ہمت پرکھنے کی۔

روحا جلدی سے شاور لے کر باہر نکلی ابھی بال سلجھا رہی تھی جب باہر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی ساتھ میں ہی اس کے موبائل کی سکرین پر پر مریان کا بھیجا جانے والا پیغام بھی جگمگانے لگا۔"محترمہ جلدی باہر تشریف لے آئیں۔"

"عجیب اِنسان ہے اتنی کون سی جلدی ہے۔" وہ کنگھا سیاہ بالوں میں تیزی سے پھیرتی بڑبڑائی۔وہ جانتی تھی وہ زیادہ اِنتظار نہیں کرے گا۔وہ پھرتی سے ہیئر ڈرائر سے بال سکھانے لگی۔

"پانچ منٹ سے زیادہ باہر نہیں رکوں گا۔" ایک نیا پیغام اُس کے ہاتھوں کو تیزی دینے کے لیے کافی تھا۔ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک رگڑتے، کاجل کی ہلکی سی لکیر آنکھوں میں لگاتے وہ سیاہ ہیلز میں پاؤں ڈالتی دروازے کی جانب لپکی۔

اُسے انداز تھا کہ وہ پانچ منٹ کی بجائے پندرہ منٹ لگا چکی ہے یا تو وہ چلا گیا ہو گا اور ہوا بھی تو اُسے دیر سے آنے پر ضرور صلواتیں سنائے گا۔

"شازین خان تمہاری خاطر مجھے اس بدمزاج اِنسان کے ساتھ جانا پڑ رہا ہے جس کا سامنا کرنے سے خوف آ رہا ہے۔" وہ سیڑھیاں اُترتی تیز آواز میں خود کلامی کر رہی تھی۔پاس سے گزرتی نبیہا نے سر تا پیر اُسے دیکھا۔"اگر وہ تمہیں نہیں ملا تو تمہاری اتنی تیاری تو بیکار چلی جائے گی۔"

"نبیہا یار ایسی باتیں تو نا کرو اتنی مُشکِل سے تو مجھے اُس سے ملنے کا موقع ملا ہے اگر وہ نا ملا تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔"

"اِن شاء اللہ مل جائے گا اور جاؤ جلدی سے اُس نے ہارن پر ہاتھ رکھا ہوا لگتا ہے تم جاؤ گی اور وہ تمہارا سر پھوڑ دے گا۔" نبیہا کو وہ آتے ہی ساری بات بتا چکی تھی۔

"اوہ ہاں واقعی دیر ہو رہی ہے۔" وہ اپنے سر پر ہاتھ مارتی باہر کی جانب لپکی۔

"آپ کو کس بات کی اتنی جلدی ہے؟" روحا گاڑی میں بیٹھتے ہی بولی۔"خود دیر کرنے کے بعد آپ کو میری جلدی پر بھی اعتراض ہے؟" مریان کے سنجیدہ لہجے میں کہنے پر وہ کُچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

اُسے اُمید تھی کل کی اُسے سنائی گئی باتیں اور آج کی دیری کی وجہ سے وہ اُس پر غُصہ کرے گا پر اس کے ردِ عمل نے ہمیشہ کی طرح اُسے حیران کیا تھا۔

"شازین خان سے اسٹیڈیم میں ہی ملا جا سکتا تھا اور وہ بھی میچ شروع ہونے سے پہلے اسی لیے جلدی آنے کا کہہ رہا تھا مگر میرا نہیں خیال اب ہم جلدی پہنچ پائیں گے اور یہ جو دوپٹہ گلے میں لیا ہے سر پہ لپیٹ لیں۔" مریان کے تحمکانہ انداز پر اُس نے روحا نے ناگواری سے اس کی جانب دیکھا۔اُنہیں بالوں کے چکروں میں تو دیر ہوئی تھی اور وہ اُنہیں ہی ڈھانپنے کا کہہ رہا تھا۔

روحا نے دوپٹے سے حجاب کیا۔اُس کا گول چہرہ حجاب میں مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

آج دوپٹہ اُس کے سر پر نہیں تھا۔یہ تبدیلی اس کی تیز نظروں سے چھپی نہیں رہی تھی۔

"پریشان لگ رہی ہیں؟" اُس کے سوال پر روحا نے الجھ کر اُسے دیکھا۔

"ہاں دوست کی طبیعت نہیں ٹھیک تھی رات میں اُس کے ساتھ ہاسپٹل تھی۔"

"کیا ہوا تھا؟"

"اُس کے باپ نے نشے کے پیسے نہ دینے پر مارا تھا۔" مریان کی سوئی حسیات گویا جاگ اٹھیں۔اُس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”ویسے پاکستان کے سیاستدان دوسرے ممالک کے سیاستدانوں کی طرح لوگوں کے مسائل کیوں نہیں حل کرتے؟“

”مجھ پہ طنز کر رہی ہو؟“ وہ ترچھی نظر اُس پر ڈال کر گویا ہوا۔

”نہیں آپکو احساس دلا رہی ہوں۔“

”مجھے احساس ہے تبھی کوشش کر رہا ہوں آپ بھی مجھے باقی سب کے ساتھ شامل نا کر دیجئے گا۔“ اُس کی آواز میں جو یاسیت تھی وہ روحا کو خاموش کروا کر گئی۔

اسٹیڈیم کے باہر گاڑی روکنے کے بعد اُس نے روحا کی جانب دیکھا۔جس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔”میں شازین سے ملوں گی۔“ وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔رات بھر جاگنے کی تھکاوٹ کا احساس بھی زائل ہو گیا تھا۔

”اترو جہاں اسٹیڈیم میں پریکٹس ہو رہی ہو گی وہیں ہم جائیں گے۔“ روحا اُس کے کہنے پر جھٹ سے گاڑی سے اتر گئی۔ڈپٹی مئیر کو دیکھ کر سیکیورٹی کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔”وہ کھڑا ہے اور ملتے وقت زیادہ ایکسائٹڈ نہ ہو جانا یاد رکھنا تُم کراچی کے ڈپٹی مئیر کے ساتھ آئی ہو۔“ روحا نے بچوں کی طرح سر ہلایا۔اُس وقت وہ اس کی ساری باتیں ماننے کو تیار تھی۔اُنہیں وہ اندر داخل ہوتے ہی نظر آ گیا تھا۔بلے پر بازو ٹکائے ترچھا کھڑا وہ کوچ سے باتوں میں محو تھا۔

روحا نے اُس کے پاس جا کر ایک نظر اُسے دیکھا سیلکی بال ہوا سے اُس کے ماتھے پر گر رہے تھے۔ کسی کی موجودگی کے احساس پر اُس نے اپنی لاجوردی آنکھوں کا رُخ اُس کی جانب کیا۔

مریان روحا کی پیار بھریں نظریں لب بھنچیں برداشت کر رہا تھا۔

روحا نے شازین کی جانب ہاتھ بڑھایا۔اُس کی بسیط پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئیں۔

"میں روحا ابتسام۔۔"

شازین نے ایک اچنبتی نگاہ اس پر ڈالتے ہاتھ ملایا اور مریان کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"کون روحا ابتسام؟" وہ نا سمجھی سے بولا تو روحا کا چہرہ یک دم بجھا۔

مریان نے ہنسی دبائی روحا نے اُسے گھور کر دیکھا۔پہلے اسے شازین کی لاعلمی پر دکھ ہوا تھا اب وہ اُس کی ہنسی بھی اُڑا رہا تھا۔

شازین کی نظر پیچھے کھڑے مریان پر پڑی۔

"اوہ تو آپ روحا ہیں مریان لکھانی کی منگیتر۔۔" روحا کو لگا تھا جیسے شازین نے اُس کی کمر پر چابک رسید کر دیا ہو۔

"جی؟" وہ خود کر ذرا سنبھال کر وہ بولی۔

روحا نے مڑ کر پُر شکوہ نظروں سے مریان کو دیکھا جو اُس کے علاوہ وہاں موجود ہر چیز دیکھ رہا تھا۔

یہ کیسی مدد کی ہے اِس بوڑھے نے کام بننے سے پہلے بگاڑ دیا۔روحا تاسف سے اپنے ہاتھ کو دیکھتے بڑبڑائی جو ابھی اُس نے شازین سے ملایا تھا۔شازین نے اُس سُرخ و سفید رنگت کی لڑکی کو مزید سُرخ ہوتے دیکھا۔

"میچ شروع ہونے والا ہے میچ کے بعد ملاقات ہو گی۔" مریان سے الوداعی مصافحے کے بعد روحا پر مسکراہٹ بھری نظر ڈالتے اُس نے ادا سے بلا کندھے پر رکھا۔وہ بھاگنے والے انداز میں چلتا باﺅنڈری پھلانگتا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

روحا حسرت اور بیچارگی سے اُسے جاتا دیکھ رہی تھی۔

"میچ دیکھ کر جاؤ گی؟"

"نہیں۔۔" روحا منہ بسورتے بولی اور غصے سے تیز قدم چلنے لگی۔

"یہ میری عزت کا کباڑا کروا کر رہے گی۔"

مریان وہاں موجود لوگوں کا لحاظ کرتے آہستہ چلتے گاڑی تک آیا جہاں وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"روحا میری بات سنو۔"

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ گردن گھما کر لالی بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"میں نے اس لیے ایسے تعارف کروایا تاکہ وہ تُم سے اچھے سے ملے۔" وہ اس کی صفائی پیش کرنے کے باوجود خاموش بیٹھی رہی۔ مریان گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔وہ سارے راستے خاموش رہی مریان نے گاڑی ابتسام ولا کے آگے روکی۔

"روحا گاڑی کا دروازہ آہستہ بند کرنا۔" مریان نے جان بوجھ کر روہانسی لہجہ اپنایا۔

روحا نے اس بات پر قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور آہستہ سے دروازہ بند کرتی باہر نکلی۔

مریان نے پھیکی مسکراہٹ لیے ساتھ والی خالی نشست دیکھی۔

نارنجی اُفق پر قزل سورج یوں دھیرے دھیرے ڈوب رہا تھا جیسے بند گاڑی میں بیٹھے اُس اُداس چہرے کا نظارہ کرنا چاہتا ہو۔وہ جبڑے بھینچے بیٹھا کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتا رہا۔

~~~
~~~

روحا نے سیب کی قاش کاٹ کر علیحہ کی جانب بڑھائی مگر اُس کی نظریں باہر ٹہلتے شخص پر مرکوز تھیں جو کھا جانے والی نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔علیحہ کی نظروں سے خوف اور سراسیمگی کی آمیزش جھلک رہی تھی۔

"علیحہ تمھارے بابا نے نشہ کرنا کب سے شروع کیا؟" روحا نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔روحا کے اس جانب دیکھنے پر امین بخش چہرہ پھیر گیا۔

"میں نے ہوش سنبھالا ہے تو انہیں ہمیشہ ایسے ہی دیکھا ہے۔ہمیشہ اپنی ماں کو اِن کے ظُلم کے آگے بے بس ہی پایا ہے۔اپنے شوہر کے ساتھ وفا نبھاتے اُنہوں نے الگ ہونے کا فیصلہ بھی نہیں لیا ایسا کر لیتیں تو شاید آج ہم قدرے سکون میں ہوتے۔" اُس کے لہجے میں افسردگی نمایاں تھی۔

"اُنھوں نے سوچا ہو گا تمھیں باپ کی شفقت سے دور نہ کریں۔"

"مگر مجھے زندگی بھر اِن کی کوئی شفقت نصیب نہیں ہو سکی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" روحا نے اُس کا ہاتھ تھپتھپاتے تسلی دی۔

"تُمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" علیحہ کے چہرے پر مایوسی کا پہرہ تھا۔

"کیوں کہ غلط کے بعد سب صحیح ہی ہونا ہوتا ہے۔"

"مگر مُجھے لگتا ہے میری زندگی میں معجزے نہیں ہو سکتے۔زندگی میں تبدیلی آئی بھی تو کس حد تک آئے گی؟ ساری زندگی اسی اُمید میں کاٹی کہ آگے بہتری ہو گی۔مگر میری زندگی بہت سُست روی سے

چل رہی ہے حالات میں زیادہ فرق نہیں پڑتا زندگی میں کوئی بڑی تبدیلیاں نہیں آتیں۔" علیحہ نے بے دلی سے کہا۔ماحول میں بوجھل بن بڑھا۔

"بڑی تبدیلیاں سہنے کے لئے بھی حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔" روحا دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں انکل کے پاس جا رہی ہوں۔" روحا چارپائی سے اٹھی اور قدم باہر ٹہلتے امین بخش کی جانب بڑھائے۔

"کیا کرنے جا رہی ہو؟"

"اُن سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے لگتا ہے وہ تُم سے کوئی بات نہیں کریں گے اُن کے ناپسندیدہ لوگوں میں تمھارا شمار ہوتا ہے۔" علیحہ رسان سے بولی۔

"مگر بات تو ناپسندیدہ لوگوں کی بھی سننی پڑتی ہے۔"

علیحہ نے گہرا سانس لیا وہ اُس کی بات سننے والی نہیں تھی۔ٹھان لیتی تھی تو کر کے دیکھاتی تھی۔

"انکل مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" روحا سینے پر ہاتھ باندھے امین بخش کے سامنے کھڑی ہوئی۔

امین بخش نے اُسے ایک نظر دیکھ کر ناگواری سے چہرہ پھیرا۔

"آپکو علاج کی ضرورت ہے۔میں نے ڈرگ اڈکشن کے ہاسپٹل میں بات کی ہے وہاں آپکا علاج ہو جائے گا۔"

"مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں۔" وہ کرخت لہجے میں کہتا خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

"تو ساری زندگی بیٹی اور بیوی کو مار پیٹ کر بعد میں ہونے والی ملامت سہنے کا اِرادہ ہے؟" وہ تڑخ کر بولی تھی۔اس بار اُسے جواباً خاموشی ملی تھی۔"ساری زندگی وقتی سکون لینے کا ارادہ ہے جو آپکے جسم کو دیمک کی طرح کھا کر کھوکھلا کر رہا ہے۔جانتے ہیں نہ آپ جیسے لوگوں کی موت کیسے ہوتی ہے؟ نشے کی زیادتی کی وجہ سے کہیں بھی سنسان جگہ پر پڑے مر جاتے ہیں اکثر گھر والوں کو لاش بھی نہیں ملتی۔خُدارا خود کو اور اپنے گھر والوں کو ذہنی اذیت سے نجات دلائیں۔"

روحا امین بخش کے سامنے ہاتھ باندھتی مڑ گئی مگر اُسے گہری سوچوں میں ڈال گئی تھی اتنے سالوں میں پہلی بار کسی کے الفاظ نے اُسے اندر سے یوں جھنجھوڑا تھا۔امین بخش کی حالت شرم، غصے اور بے بسی کی وجہ سے ابتر ہو رہی تھی۔

ایسے لوگوں کو سمجھنے اور سمجھانے دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب آپ کسی کو سمجھتے ہیں تبھی آپ اسے سمجھا سکتے ہیں۔

....

روحا گھر میں داخل ہوئی۔اپنے کمرے میں جانے کی غرض سے جب سیڑھیوں پر پاؤں رکھے تو لاؤنج میں بیٹھے مریان کو دیکھ کر ٹھٹھکی۔

مریان اُسے دیکھتا ہی قدم اٹھاتا اُس کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔

"روحا میری بات سنو۔" وہ بغیر اس کی بات سنے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"روحا میرا وہ مقصد نہیں تھا تُم غلط سمجھی ہو۔" وہ اُس کے پیچھے سے اونچی آواز میں بولا تو روحا کے قدم تھمے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

"مریان لکھانی آپکا جو بھی مقصد تھا مجُھے اس سے فرق نہیں پڑتا مگر کسی کو اُس کی اجازت کے بغیر خود سے منسوب بتانا ٹھیک ہے؟" اُس کے لب و لہجے سے خفگی ٹپک رہی تھی۔

"تمھارے لئے ہی کہا تھا۔"

"مگر کیا میں نے آپکو ایسا کرنے کے لیے کہا تھا؟

میں نے کب کہا تھا کہ مجُھے اس کی خاص توجہ چاہیے تھی؟ مجُھے پہُنچ کا ایسے استعمال کروانا ہوتا تو اپنے باپ سے کہہ کر بھی کروا سکتی تھی۔صرف ملوانے کا کہا تھا اپنی طرف متوجہ کروانے کا نہیں کہا تھا۔" روحا کے بلند آواز میں بولنے پر وہ خاموش نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔شاید میں اسے سمجھ ہی نہیں سکا میری سوچ اُس لڑکی کی سوچ تک پہنچ ہی نہیں پائی تھی۔وہ دِل میں خود کی ملامت کر رہا تھا کہ ابتسام آفندی اُسے دیکھ کر اس کی جانب آئے۔

"ارے مریان لکھانی سابق ڈپٹی مئیر کراچی ہمارے گھر کیسے آنا ہوا؟" ابتسام آفندی کا لہجہ پچھلی بار والے شیری پن سے عاری بلکہ ہتک آمیز تھا۔

سابق لفظ پر روحا نے چونک کر ابتسام آفندی کی جانب اور پھر مریان کو دیکھا جو سیاہ و سفید سنگ مرمر کے فرش پر نظریں گاڑھے پُر سکون کھڑا تھا۔

"ویسے استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

مریان نے ضبط کرتے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں وہ اُن کو اپنے استعفیٰ کی تفصیل بتانے کی غرض سے ہرگز نہیں آیا تھا۔"آپ سے بات کرنی تھی۔"

"اگر تمھیں میرے ساتھ کوئی ڈیل کرنی ہے تو مجھے اب تمھارے ساتھ کسی قسم کا کام نہیں کرنا۔ میاں پہلے اپنی ساخت بناؤ پھر میرے جیسے بزنس مین سے کوئی بات کرنے آنا۔" وہ مزید اُس کی کوئی بات سنے بغیر پلٹ گئے۔

"مگر میں نے تو یہ بات نہیں کرنی تھی۔" مریان ان کی پُشت دیکھتے منمنایا۔

ابتسام آفندی سابق لفظ اُس کے ساتھ جڑنے کے بعد اُس سے بات کرنا گوارہ نہیں کر رہے تھے۔

"اِس شخص کو صرف پیسے کی زبان سمجھ آتی ہے اُسی زبان میں بات کرنی پڑے گی ورنہ بات ماننا تو کیا یہ تو سنے گا بھی نہیں۔" مریان بڑبڑایا۔نگاہیں دوبارہ سیڑھیوں کے بیچ کھڑی روحا پر پڑیں۔جو بھنویں سکیڑے شاید اُس کی بڑبڑاہٹ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ خاموشی سے سیڑھیوں کے پاس سے گزر گیا۔

"آپ تو بہت بُزدل نکلے لوگوں کی بجائے خود کا فیصلہ ہی بدل دیا۔" مریان کے دروازے کی جانب جاتے قدم اُس کی بات پر رکے۔

"روحا بی بی سیاست دانوں کے وار آپ کو سمجھ نہیں آئیں گے۔آگے بڑھنے کے لیے کبھی کبھار ایک قدم پیچھے کو بھی رکھنا پڑتا ہے تا کہ چال میں بحالی آ سکے۔جہاں آپ کے خلوص کی عزت نہ ہو وہاں اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے احترام سے پیچھے ہٹ جانا چاہیئے تا کہ لوگ بے غیرت نہ سمجھیں۔"

وہ بغیر پلٹے بولا۔روحا زینوں پر قدم جماتے نیچے اُترنے لگی۔

"مگر مریان صاحب پلٹ کر وار کرنے کے لئے ہمت چاہئے ہوتی ہے اور ہمت والے پیچھے ہٹ کر وار نہیں کرتے۔پلٹ کر وار کرنے والے جوابی وار کرنے والے ہوتے ہیں فوراً جواب دینے والے اتنی تیز رفتاری سے کہ سامنے والا بوکھلا جائے نہ کہ اُسے آپکے بوکھلانے اور خود کے جیت جانے کا احساس ہونے لگے۔" روحا اُس کے عقب سے بولی۔وہ چند منٹ کھڑا اُس کی بات پر غور کرتا رہا۔ معنی خیز مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔وہ کر جاچکی تھی مگر اُسے سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔ مریان نے فون نکالا اور اپنے سیکرٹری کو کال ملائی۔

"میری سیٹھ عالمگیر سے جیسے بھی کر کے آج ہی ملاقات طے کرواو۔"

"سر اُنہوں نے کہا تھا وہ آپ سے کوئی ملاقات نہیں چاہتے۔" جھینپی سی آواز دوسری جانب سے آئی۔"اتنا بے غیرت انسان ہے جھوٹے الزامات بھی لگاتا ہے استعفیٰ دینے پر دباؤ بھی ڈالتا ہے پھر دے دینے پر ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔ٹھیک ہے نہیں ملتا تو نتائج بھی خود بھگتے گا تم پریس کانفرنس ارینج کرواو۔"

"جی سر میں کرواتا ہوں۔" اُس کے حامی بھر لینے پر مریان نے رابطہ منقطع کر دیا۔

....

"سر آپ نے استعفیٰ کیوں دیا؟ کیا اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ پر لگائے گئے الزامات سچ ہیں؟" رپوٹر نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

”نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجھ پر جھوٹے الزام لگائے گئے ہیں مُجھ پر دباؤ ڈالا گیا کیونکہ میں اُن کی طرح سیٹ کا غلط استعمال نہیں کر سکتا تھا۔مُجھے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا تا کہ وہ اپنے مطابق کا شخص رکھ سکیں جو کٹ

پُتلی کی طرح اُن کے اشاروں پر ناچے، اُن کے لیے پیسہ لوٹے اور پھر وہ اُس پیسے میں حصے داری کریں۔“ مریان مستحکم لہجے کے ساتھ روانی میں بولا۔

”سر آپ بتائیں گے کہ وہ کون ہیں جن کی آپ بات کر رہے ہیں یا آپ نام پوشیدہ ہی رکھیں گے۔“ زنانہ آواز اُبھری مریان اُس کی جانب متوجہ ہوا۔”میں سندھ حکومت کی بات کر رہا ہوں۔“

”کسی ایک شخص کا نام لیں گے؟“ رپوٹر نے اس سے اگلوانے کی کوشش کی۔

”سیٹھ عالمگیر۔۔“ مریان نے پُر سکون انداز میں جواب دیا تو سب نیوز رپوٹرز بھی حیرت سے خاموش ہو گئے تھے اتنی دیدہ دلیری سے کون اپنی پارٹی کے خلاف بولتا ہے؟، کون ایسے سرِعام نام بول دیتا ہے؟ کیا اِس شخص کو اپنی زندگی نہیں پیاری؟ سب کی نظروں میں اُسے ڈھیروں سوال اُبھرتے نظر آ رہے تھے۔

”سر آپ یہ اپنی پارٹی کے خلاف بول رہے ہیں۔“ رپوٹر نے اُسے یاد دلایا جیسے وہ یہ بات بھول چکا ہو۔“

”میری کوئی پارٹی نہیں ہے میرا صرف ملک ہے اور مُجھے صرف اپنے ملک کے مفاد سے مطلب ہے جو میرے ملک کے خلاف جائے گا میں اسے غلط بولوں گا۔اُنہیں مُجھے رکھنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا

کہ میں اُن کے کام کا نہیں ہوں۔" وہ کیمروں کی جانب دیکھتے پُر اعتماد انداز میں کہہ رہا تھا۔"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ ان پر الزام لگا رہے ہو؟" اُس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ کر گم ہو گئی۔

"آپکو ایسا کیوں لگا کہ میں اتنا احمق ہوں کہ بغیر ثبوتوں کے بات کروں گا۔" مریان کے اُلٹا سوال کرنے پر وہ بھی خاموش ہو گیا۔

اُس نے جیب سے موبائل نکالتے مائک کے آگے کر کے ریکارڈنگ چلانا شروع کر دی تھی۔

"اگر تُم ہمارے کام میں ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو گے تو اپنا انجام بھگتو گے سیٹ تو تُم گنواؤ گے ہی ساتھ میں اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔میں تُمہیں گارنٹی دیتا ہوں کسی کرپشن کیس میں تمھارا نام نہیں آئے گا ہمارا ساتھ دے کر دونوں ہاتھوں سے پیسے جمع کر سکتے ہو کون نہیں لوٹ رہا اس ملک کو تھوڑا ہم نے کما لیا تو کیا مضحکہ ہے۔"

آواز سب پہچان چُکے تھے بآسانی پہنچانی جا رہی تھی مریان نے ریکارڈنگ اُس کے بہت قریب بیٹھ کر کی تھی اور سیٹھ عالمگیر کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ اُن کے ہی جال میں انہیں پھسانے جا رہا ہے۔

"اگر یہ ریکارڈنگ نقلی ہوئی تو؟"

"یہ ریکارڈنگ آپ سب نیوز چینلز کے حوالے کی جائے گی اگر یہ ٹھیک نہ ہوئی تو میں زمہ دار ہوں۔"

ریکارڈنگ ٹھیک تھی اور اُسے ٹھیک ہی ثابت ہونا تھا۔

"ایک آخری بات میں سب کے سامنے کہتا ہوں کہ اگر مُجھے کوئی نقصان پہنچا تو اُس کا زمہ دار سیٹھ عالمگیر ہو گا۔"

وہ سامنے لگے مائک سے مکمل ثقاہت کے ساتھ کہتا پیچھے ہٹا تھا۔

"اسے کہتے ہیں برق رفتار جوابی وار۔۔۔" ٹی وی پر نظریں جمائے روحا مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

اُس کے ساتھ بیٹھی نیچا نے بھنویں تانے اُسے دیکھا۔"یہ تم کیوں اس کی باتوں پر خوش ہو رہی ہو۔"

"اچھا سیاستدان ہے۔"

"ہاں اور بقول تُمھارے بدتمیز اور بے لحاظ شخص ہے۔" نیچا نے مریان کے لیے کی جانے والی تعریفیں اسے یاد دلائی۔

"اُس میں تو کوئی شک نہیں ساتھ میں بلاں کا اکھڑ مزاج بھی ہے۔" روحا تائیدی انداز میں بولی۔

"کبھی کبھار تو اس پر اتنا غُصہ آتا ہے کہ اس کی اچھے سیاستدان ہونے والی خاصیت بھی اچھی نہیں لگتی۔تب دل کرتا ہے ہاتھ میں پستول ہو اور بس ٹھوک دوں۔اُس نے بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کو تیروں کی طرح اکڑاتے کہا۔نیچا منٹوں میں اس کی رائے بدلنے پر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لڑکا اتنا شاطر نکل سکتا ہے یہ ایسے میری کشتی ڈوبا سکتا ہے۔چند ماہ ہوئے ہیں اسے پارٹی میں آئے اور میرے خلاف ایسے وار کر رہا ہے۔پارٹی نے اسے آتے ہی ڈپٹی میئر کی سیٹ دے دی گئی مگر اسے عزت راس نہیں آئی۔اُسے سمجھنے میں مُجھ سے بہت بڑی بھول

ہوئی ہے ایسے ایماندار لوگ سیاست میں آکر بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اُنہیں نہ پیسے سے مطلب ہوتا ہے نہ شُہرت کا ہوس ایسے لوگ اپنے مفادات نکالنے کی غرض سے کسی کے آگے دبتے بھی نہیں ہیں۔یہ صرف ڈٹ جانا جانتے ہیں اور ان کا انجام بھی بہت برا ہوتا ہے بد لحاظ اور چاپلوسی نہ کرنے والے سیاست میں زیادہ دیر نہیں چل سکتے۔

مُجھے اِس شخص کی ساری کمزوریاں معلوم کرنی ہیں ایسے لوگوں پر سامنے سے وار نہیں کیا جا سکتا انہیں اندر سے کاٹنا پڑتا ہے ورنہ یہ اپنی جڑیں مضبوط کر لیتے ہیں اگر یہ تناور درخت بن جائیں تو پاکستان کی سیاست کا رُخ بدل جائے مگر ان کا سیاست میں ٹکنا ممکن نہیں کیونکہ انہیں کوئی پارٹی برداشت نہیں کر سکتی۔کوئی بھی پارٹی ایسی نہیں ہوتی جسے صرف قومی مفاد سے مطلب ہو سب کو صرف اپنے مفاد سے مطلب ہوتا آج کل مفاد پرستی ہی چلتی ہے۔"

سیٹھ عالمگیر کو مریان پر شدید تپش آ رہا تھا اُس کی سیاست خطرے میں تھی میڈیا پر اِس خبر سے صحیح معنوں میں آگ لگنے والی تھی ہو سکتا تھا پارٹی دباؤ میں آکر اُسے برطرف کر دیتی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی سیٹ جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

....

زیام کمرے کی لائبریری میں کتاب پڑھنے میں محو تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"جی آ جائیں۔" وہ نظریں کتاب سے ہٹائے بغیر اونچی آواز میں بولا۔

سیدہ سعدیہ ہاتھ میں چائے کا کپ لیے اندر داخل ہوئیں۔

"شکریہ ماما۔" اُس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"تُمھیں پتہ ہے نہ صبح سترہ جنوری ہے۔"

"جی مُجھے صبح اسائنمنٹ جمع کروانی ہے۔"

"زیام کیا تُم واقعی بھول رہے ہو کہ صبح کیا ہے؟

کیا ہے؟" سیدہ سعدیہ اُس کی لاعلمی پر حیران تھیں۔

"تُمھارے تایا کی اُنسویں برسی ہے۔"

"اوہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔"

"یہ تاریخ تو اتنے سالوں سے تُمھیں ہمیشہ یاد رہتی تھی پھر آج کیسے بھول گئے؟"

بس سر میں درد رہتا ہے تو باتیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

"زیام تُم اتنا بیمار کیوں رہنے لگے ہو۔"

اور زیام نے کاندھے اچکانے پر اکتفادہ کیا کیونکہ وجہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"ویسے تائی اور اُنکی بیٹی کا کیا ہوا؟" زیام نے بات گھمائی۔

"پتہ نہیں تمھارے بابا کبھی کبھار بھابھی سے مل آتے ہیں مگر وہ اپنی بیٹی سے نہیں ملنے دیتیں وہ کہتی ہیں کہ وہ اُسے ذہنی انتشار کا شکار نہیں کرنا چاہتیں وہ مزید مشکلات برداشت نہیں کر سکتیں۔"

"ویسے وہ اب بڑی ہو گئی ہو گی اب اُنہیں اُسے بتا دینا چاہیے یہ نہ ہو کبھی اچانک اسے پتہ چلے تو اُس کا ردِ عمل وہ برداشت نہ کر سکیں۔"

"یہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"زیام کیا تم سن رہے ہو؟" سیدہ سعدیہ نے اُسے دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہونے پر پکارا۔

"جی سن رہا ہوں بولیں کیا بات ہے۔" اُس نے کتاب بند کرتے نظریں سیدہ سعدیہ کے خفا سے چہرے پر مرکوز کیں۔"تمھارے بابا نے فاطمہ کو تمھارے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"خالہ شمسہ کی بیٹی فاطمہ؟؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"ظاہری بات ہے ہمارے خاندان میں ایک ہی فاطمہ نامی لڑکی ہے۔"

"میں اُس باہر کی بگڑی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔" زیام نے فوراً سے اعتراض اٹھایا۔

"اتنی بھی نہیں بگڑی ہوئی۔باہر جائیں تو وہاں کا رہن سہن اپنانا پڑتا ہے۔" وہ حیران کن نظروں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔

"آپ یہ کہیں کہ باہر کے ملک جا کر لوگ اپنا رہن سہن بھول جاتے ہیں اور اُنہوں نے بھی ویسا ہی کیا ہے۔"

"یہاں آئے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔"

زیام نے بیزارگی سے آنکھیں گھمائیں۔

"یہاں آئے گی تو سب کے سامنے بناوٹ دیکھائے گی مشرقی لباس پہنے گی پھر واپس جانے پر ویسی ہو جائے گی۔"

"تُم جو بھی کہہ لو تمھارے بابا فیصلہ کر چکے ہیں اور میں جانتی ہوں میرا بیٹا بغاوت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

زیام نے منھ بسورا اسے اپنی ماں کی اِس بات پر شدید بے بسی کا احساس ہوتا تھا۔یہ جملہ گلے میں توپ کی طرح اٹکتا تھا۔

جن سے زیادہ اُمیدیں لگائی جاتی ہیں وہ خود مشکل میں ڈل جاتے ہیں۔دوسروں کی اُمیدوں پر پورا اترتے وہ اپنی زندگی کو نا اُمیدی اور بے بسی کی مثال بنا چھوڑتے ہیں۔دوسروں کی خوشیوں کی خاطر خود زندگی بھر کے عذاب خرید لیتے ہیں۔

"ویسے ماما فاطمہ سے شادی کروانے سے بہتر ہے آپ میری شادی تایا جان کی گمنام بیٹی سے کروا دیں۔جتنی محبت بابا کو اب تک تایا جان سے ہے وہ اپنے مرحوم بھائی کی اک لوتی نشانی کو اپنے گھر لانے میں با خوشی راضی ہو جائیں گے۔"

اُس کی تجویز پر سیدہ سعدیہ نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"وہ تو ایسا کر لیں مگر اُسے ساری زندگی پالنے والی ماں پر زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ویسے میں نے سنا ہے وہ بہت خوبصورت ہے جیسے بچپن میں ہوتی تھی۔" سیدہ سعدیہ پُر جوش انداز میں بولیں۔

"پھر تو مُجھ سانولے سے وہ شادی نہیں کرے گی۔" ساتھ میں زیام کا قہقہہ بھی گونجا تھا۔

سیدہ سعدیہ نے سر جھٹکا اُن کے بیٹے کو بھی بے وقت مستی سوجھتی تھی۔

~~~

مریان ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے پُر اعتماد انداز کے ساتھ سامنے سیگریٹ کا کش لگاتے دھان پان کے شخص کو دیکھ رہا تھا۔اُس نے نئ سگریٹ سرے سے سلگائی تو دھویں کا ایک ہالہ اس کے گرد بنا۔
~~~

”بہروز صاحب تو آپ مُجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“ مریان اسے مسلسل سگرٹیں پھونکتے دیکھ کر بیزار ہو رہا تھا۔ سگریٹ کے دھویں میں اُس کا جی متلانے لگا تھا۔

”اپنی پارٹی میں تمھاری شمولیت چاہتا ہوں۔“

دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب آیا۔

”اس سے مُجھے کیا فائدہ ہو گا؟“ اب مریان سگریٹ کے دھوئیں کی وجہ سے بری طرح کھانس رہا تھا۔

”ہماری پارٹی تمہیں دوبارہ سیاست میں آنے کا موقع دے رہی ہے تُمہیں سیاست میں دوبارہ سے ایک مقام ملے گا۔“

مریان کی حالت دیکھتے ہوئے انہوں نے اُنگلیوں میں دبائی سگریٹ پاؤں کے پاس گرا کر اُس پر بوٹ رکھ کر مسل دی۔

”کیسا مقام آپکی پارٹی پچھلے بیس سال سے کسی بھی صوبے میں اپنی حکومت بنانے میں ناکام رہی ہے اور اگلے الیکشنز میں بھی مُجھے آپ لوگوں کی جگہ بنتی نظر نہیں آ رہی۔“ مریان نے صاف گوئی سے کام لیا۔ فضا میں دھواں کم ہوا تھا اب اسے سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی۔

”اگر ہماری جگہ حکومت میں بن گئی تو تُمہیں سندھ کا وزیرِ اعلیٰ بنایا جائے گا۔ ویسے بھی ہماری پارٹی اب بہت مضبوط ہوگئی ہے جلد عوام کا بھی ہم پر اعتماد قائم ہو جائے گا۔“ سیٹھ عالمگیر نے شیخی بھگارتے ہوئے کہا۔

”ایک نئے آنے والے شخص کو اتنی بڑی آفر کیوں کر رہے ہیں؟“

”یہ عوام نئے آنے والوں کی طرف ہی متوجہ ہوتی ہے پرانے سیاستدانوں سے تو بیزار ہو چکے ہوتے ہیں مگر یہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اُن نئے آنے والے لوگوں کے پیچھے پرانے سیاستدانوں کے مہرے ہی چھپے ہوتے ہیں۔“ اُس کے الفاظ مریان کا فشارِ خون بڑھانے کے لیے کافی تھے۔اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے مریان کے چہرے نے کئی رنگ بدلے۔اُس کے خیالات بھی روایتی سیاستدانوں والے تھے جن سے اسے صرف اختلاف تھا۔

”مگر میں براہِ راست حکومت میں آنا چاہتا ہُوں آگے کا رسک نہیں لے سکتا۔“ مریان اس کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں لگ رہا تھا۔

”مریان لکھانی اپنی پارٹی سے تُم بگاڑ چکے ہو اور کوئی پارٹی تُمہیں رکھے گی نہیں کیونکہ تُم اُن کے لیے خطرہ ہی ثابت ہو گے۔“ اُس نے اپنی تیئں سے مریان کو حقیقت سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی۔

”پھر آپ کیوں مُجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں؟ اسی لیے نا کیوں کہ میری ایمانداری ثابت ہو چکی ہے۔مریان لکھانی کا نام ہر جگہ زیرِ بحث ہے عوام کی نظروں میں میرا اچھا تاثر جا چکا ہے۔آپکی پارٹی کو میرے آنے سے بھرپور فائدہ ہو گا کیونکہ میں سابق ہی سہی لیکن تھا ڈپٹی میئر کراچی۔۔۔“

جواباً خاموشی تھی سیٹھ عالمگیر سوچ رہا تھا کہ شاید وہ دماغ پڑھ لینے کی اہلیت رکھتا ہے۔

”اگر یہ سب آپ سوچ رہے ہیں تو باقی پارٹیز والے بھی یہی سوچیں گے بلکہ سندھ حکومت بھی سوچ رہی ہو گی۔مجھے سیاست میں دوبارہ آنے کے لیے آپ کے دیئے ہوئے موقعے کی ضرورت نہیں ہے۔“

بہروز آفریدی کے چہرے پر ناگواری اُبھری وہ اُن کی کسی بات سے قائل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔
اُس نے مریان کو باتوں میں نا آتا دیکھ کر کے اُس کے سامنے پیسوں کی گڈھیاں پھینکنی شروع کیں۔
”پانچ کروڑ روپے تمھاری قیمت۔۔“
سامنے بکھرے نوٹوں کے ڈھیر کو دیکھ کر مریان کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی۔
اس نے ساتھ پڑا لائٹر اُٹھایا اُس سے نکلتے آگ کے ننھے سے شعلے کو دیکھتا رہا پھر پیسوں کی گڈیاں پکڑ کر جلانے لگا۔
اس کی یہ حرکت سامنے بیٹھے شخص کو اندر تک جلا گئی تھی۔
مریان نے جیب سے چیک بُک نکال کر اُس پر رقم لکھی اور سامنے بیٹھے شخص کی طرف چیک کھسکایا۔
”دس کروڑ تمھاری قیمت۔۔“ وہ مزید اُس کی کوئی بات سنے اُٹھ کھڑا ہوا ہاتھ میں پکڑا سیاہ چشمہ آنکھوں پر لگایا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔
اُسے اِس پارٹی میں سرے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بعض اوقات وہ خود اپنا وقت برباد کرنے کی غرض سے لوگوں سے مل لیتا تھا اور اُنہیں تپا کر ہی لوٹتا تھا کیونکہ نہ تو وہ اُن کی بات ماننے کی غرض سے آتا تھا اور نہ ہی کوئی اُس کا ارادہ بدلوانے کی اہلیت رکھتا تھا۔
مریان کے موبائل کی بیپ بج رہی تھی۔
اُس نے کال کرنے والے کا نام دیکھا چہرے پر مسکراہٹ بکھری اُسے اسی کال کا انتظار تھا۔
”جی ہمدان رؤف صاحب میری یاد کیسی آ گئی؟
مریان صرف ابتدا میں مروت دیکھا رہا تھا۔

"تُم سے ضروری بات کرنی تھی۔" ہمدان رؤف کی آواز سے خفت جھلک رہی تھی۔

"جی سُن رہا ہوں۔"

"مریان تُم نے کل کیا حرکت کی ہے؟ تُمہیں اندازہ ہے پارٹی کی ساخت پر کتنا برا اثر پڑا ہے ہمیں سیٹھ عالمگیر جیسے پُرانے ممبر کو اس کی سیٹ سے ہٹانا پڑا۔" مریان کے چہرے پر سنجیدہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔

""وہ اسی قابل تھا وہ رہتا تو آپکی ساخت مزید خراب ہوتی۔" وہ پُر سکون لہجے میں بولا تھا مگر دوسری جانب موجود شخص کو تپا گیا تھا۔

یو ہی تو نھیں شاہد کی زباں پہ چھالے ہیں
آنچ بلا کی ہوتی ہے سچائی میں

"وہ شخص ہی تُمہیں سیاست میں لایا تھا اور تُم نے اسے ہی ہٹوا دیا اوپر سے شرمندہ ہونے کی بجائے اس مجبوری میں کیے فیصلے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہو۔" ہمدان رؤف مریان کی ہٹ دھرمی پر حیرت زدہ تھا۔

"مُجھے انداز نہیں تھا کہ وہ ملک مخالف کام کرتا نے۔منی لانڈرنگ خود بھی کرتا ہے اور اپنے ساتھ اور بہت سے لوگوں سے بھی ایسا کروا کے فائدہ اُٹھاتا ہے۔مجھے معلوم ہوتا تو میں اُن کے کہنے پر سیاست میں آنے کا کبھی نا سوچتا۔

"تُم یہ سب کس بُنیاد پر کہہ سکتے ہو؟" ہمدان رؤف کے سوال پر اُس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مطلب کل کے بعد بھی آپکو یقین نہیں ہوا کہ میں بغیر ثبوت کے بات نہیں کرتا۔"

"کون سے ثبوت کی بات کر رہے ہو؟" اُن کی آواز میں سراسیمگی کی آمیزش مریان نے محسوس کر لی تھی۔

"بہت جلد آپ کے اور سب کے سامنے آ جائیں گے۔"

"کیا چاہتے ہو تُم؟" وہ مریان کی بات باخوبی سمجھ گئے تھے اُسکا تنبیہہ انداز صاف جتلا رہا تھا کہ وہ دھمکی دے رہا ہے۔"سیٹ چاہتا ہوں۔" مریان نے اپنا مطالبہ پیش کیا۔"کون سی سیٹ؟" ہمدان رؤف نے مصلحتانہ لہجہ اپنایا۔

"پہلے سے بہتر سیٹ چاہیے۔" مریان نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اگر ایسا نہ کیا تو؟" اُن کا لہجہ تیکھا تھا۔

"مجھے دھمکیاں دینا پسند نہیں آپ خودی سمجھ جائیں۔" اُنہیں مریان کے تیور کُچھ کر گزرنے والے لگے تھے۔اگر وہ سچ میں کُچھ اُگل دے تو اُن کی پارٹی مزید مُشکل میں آ سکتی تھی۔یہ سوچ اُس کے دماغ کو جکڑ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے میئر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے کل تمھاری تعیناتی ہو جائے گی۔" ان حالات میں اُنہیں مریان کا مطالبہ ماننا ہی پڑا تھا وہ پارٹی کی ساخت پر مزید کوئی آنچ نہیں آنے دے سکتے تھے۔مریان

کو پارٹی میں رکھنے کا مطلب اُسے اپنے قابو میں رکھنا تھا یہی سوچ کر وہ اُسے اتنی بڑی سیٹ دے چکے تھے۔

اِن سیاست دانوں کو سیاست سے ہی ہرایا جا سکتا ہے۔مریان نے اُن کے حامی بھر لینے پر فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوچا۔

”مگر میری ایک شرط ہے۔“ ہمدان رؤف ذرا تامل کے بعد بولا۔مریان نے رابطہ منقطع کرنے کے لیے سکرین پر نظر آتے لال بٹن پر اُنگلی رکھی تھی کہ اُن کی آواز اُبھرنے پر فون دوبارہ کان سے لگایا۔

”مگر مجھے کوئی شرط نہیں منظور میں بغیر شرائط کے آؤ گا آپکو میری ضرورت ہے مُجھے آپکی نہیں۔“

”تُم اپنی پارٹی کے خلاف کُچھ نہیں بولو گے۔“ وہ اس کے انکار کے باوجود بھی بول پڑے۔

”اگر پارٹی ملک کے خلاف نہیں چلے گی تو میں کُچھ نہیں بولوں گا بلکل بھی نہیں بولوں گا۔“

مریان نے معصوم انداز میں حامی بھی بھری اور اُنہیں محتاط رہنے کا عندیہ بھی دے دیا۔

”رات کو تُم نے ایک ٹالک شو میں جانا ہے۔

اور سوچ سمجھ کر بولنا۔مجھے مزید کوئی شکایت نہیں چاہیے۔“

”میں سوچ کر ہی بولتا ہوں آپ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔“

”ہمیں تمہیں نہیں سمجھنا۔“ وہ جھلاہٹ میں کال کاٹ گئے تھے۔مریان صحیح معنوں میں اُن کا دماغ خراب کر چکا تھا۔

مطلب روحا ٹھیک کہتی ہے پھر مجھے بھی کوئی نہیں سمجھے گا۔وہ روحا کا خیال آنے پر مسکرایا۔

....

”مریان لکھانی کیا آپ نے اپنی پچھلی پریس کانفرنس میں جو کہا آپ اُس پر قائم ہیں؟“ خاتون اینکر اپنے پیشہ وارانہ انداز میں سوال کر رہی تھی۔

”میں اپنی کہی گئی ہر بات پر قائم ہوں بھلا میں اپنی بات سے پیچھے کیوں ہٹوں گا؟“ مریان نے اُس سے اُلٹا سوال کیا۔

وہ ہمدان رؤف کا اُسے یہاں بھیجنے کا مقصد پہلی بات پر ہی ختم کر چکا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اُسے یہاں پہلے کی گئی باتوں

کو ہینڈل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے مگر وہ کٹ پُتلی نہیں بن سکتا تھا وہ سیاست میں کسی کے اشاروں پر ناچنے کے لئے نہیں آیا تھا وہ مُلک مخالف سیاستدانوں کو نچانے آیا تھا اور اپنی کامیاب کارکردگی دیکھا رہا تھا۔

”آپکے خلاف پچاس لاکھ کے گھپلے کا الزام سچ ہے؟“ اُس کا دِل چاہ رہا تھا اِس احمقانہ سوال پر زور دار قہقہہ لگائے وہ جو تھوڑی دیر پہلے پندرہ کروڑ ضائع کر کے آیا تھا وہ پچاس لاکھ اُس عوام کا کھائے گا جس کی ہمدردی میں وہ سیاست میں آ کر ذلیل ہو رہا تھا۔

”آپکو لگتا ہے حکومت اتنے پیسے ڈپٹی مئیر کو دے گی اور اُنہیں علم نہیں ہو گا کہ وہ کہاں استعمال کر رہا ہے اور جو الزام لگا رہے ہیں وہ بھی حکومت سے ہیں۔ کیا کھچڑی پکا رہے ہیں مُجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ لوگ اتنے بے تکے الزامات پر کیسے یقین کر لیتے ہیں؟“

اُس کی جانب سے پھر اُلٹا سوال کیا گیا تو رپوٹر جھینپ کر خاموش ہو گئ۔

”آپ نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیوں کیا؟“ دوسرے اینکر نے سوال دغا۔

”میری دادو نے مجھے بہت روکا تھا کہ تمھارا باپ سیاست میں کُچھ نہیں بدل سکا تُم کیا بدلو گے۔“

”پھر آپ نے اُن کی بات کیوں نہیں مانی شہرت کا خبط تھا؟“ اِس ذاتی حملے پر وہ جبڑے بھینچ کر رہ گیا۔

”نہیں میں وہ نوجوان نہیں بنا چاہتا تھا جسے کسی معجزے کا انتظار ہو کسی ایسے لیڈر کا اِنتظار جو ایک دم سے آئے گا اور سب کچھ ٹھیک کر دے گا اور ملک کی ساری مُشکلات حل ہو جائیں گی۔ ایسا لیڈر آئے گا نہیں ایسے لیڈر آپ بنے گے آپ ہیں اِس ملک کا سرمایہ نہ کہ کوئی تخلیقاتی کردار جو ہوا کے جھونکے میں آئے گا اور سب تحس نحس ہوا ٹھیک کر جائے گا۔

جب تک ہم ایسے ہی خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سیاستدانوں پر تنقید کرتے رہیں گے تب تک کُچھ نہیں ہو گا۔ جب تک یہ سوچ کر ڈرتے رہو گے کہ سیاست میں صرف ذلت ہے، خواری ہے تب تک ہمیں وہی پُرانی سوچ کے لوگ اور وہی گھسی پٹی چال بازیوں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے والی سیاست ملے گی۔ مُلک کی خاطر تھوڑی ذلت بھی سہہ لی جائے تو کوئی مضحکہ نہیں۔“

”آپ سیاستدانوں کی حمایت کر رہے ہیں کیونکہ آپ خود سیاستدان ہیں؟“

مریان کو یہ ایک اور بے تکا سوال لگا تھا۔

"محترمہ اِس وقت میں نے استعفیٰ دیا ہوا ہے اور ہر پارٹی سے بر طرف کیا ہوا شخص ہوں۔ میں اِس وقت ایک عام انسان ہوں آپکی طرح ایک رپوٹر بھی نہیں ہوں جو اپنے چینل کی ریٹنگ بڑھوانے کے لئے الٹے سیدھے سوال کرتے ہیں تا کہ مہمان بیچارہ کوئی بے تکا جواب دے کر پھس جائے اور آپکی ہیڈ لائنز کی زینت بن جائے۔"

نیوز اینکر نے بُرا سا منھ بنایا وہ تنقید میں اُنہیں بھی گھسیٹ لایا تھا۔

"آپکا آگے کا کیا ارادہ ہے؟ آپ کی سیاست میں واپسی کب تک ہے؟"

"بہت اچھی آفرز آ رہی ہیں صبح سارا دن آپ نے میرے بارے میں ہی خبریں دینی ہیں اور میری ابھی کہی گئی بات بار بار دوہرا کر کہنی ہے۔"

رپوٹر اُس کے گھما کر جواب دینے پر پھیکی سی مسکان لے کر رہ گیا۔وہ مزید سوالات سے بچتا شکریہ کہتا مائک سے پیچھے ہٹا۔

....

"بابا اگر آپ تائی جان کے پاس جا رہے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔"

زیام سید معین شاہ کو گاڑی میں بیٹھتا دیکھ کر اُن کی طرف لپکا۔اُس کی فرمائش پر سید معین متحیر نظروں سے اُس کی جانب دیکھنے لگے۔

”اتنے سالوں بعد تمہیں اُن سے ملنے کا شوق کیسے بیدار ہوا؟“ وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے پوچھنے لگے۔

”مجھے اُن کی بیٹی سے ملنا ہے۔“

”کیوں اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟“ اُن کا لہجہ سپاٹ ہوا۔

”دیکھنا ہے کہ میرے بابا کے ایک لوتے بھائی کی ایک لوتی اولاد کیسی ہے۔“ زیام کی خواہش پر انہوں نے سرد آہ بھری۔

”اُس کا دوسرا باپ بہت کٹھور مزاج شخص ہے اور وہ ویسے بھی یونیورسٹی جاتی ہے اس ٹائم گھر نہیں ہو گی۔“

زیام نے منہ بسورا وہ آج کُچھ الگ کرنے کا سوچ رہا تھا مگر ناکام رہا تھا۔

وہ یونیورسٹی جانے کے لیے بیگ کندھے پر درست کرتا اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

وہ آج پُر جوش تھا کیونکہ علیحہ ایک ہفتے کے بعد یونیورسٹی آ رہی تھی اور وہ اُسے برگد کے پیڑ کے پاس بیٹھی نظر آ گئی تھی۔

”روحا آج پھر نہیں آئی کیا؟“ وہ گھاس پر اُس کے سامنے بیٹھتا پوچھ رہا تھا۔

”آئی ہے وہ اور آذر کفیٹریہ گئے ہیں۔“ علیحہ اُس کے دم سے سامنے آ کر بیٹھنے پر متعجب ہوئی۔

”اتنی صبح کافی پینے گئے ہیں؟“

”جلدی میں کافی پی کر نہیں آئے تھے۔“ وہ سرسراتے لہجے میں بولی۔

”تُم بھی ان کے ساتھ چلی جاتی۔“

مُجھے پسند نہیں۔" وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں بولی۔

"میری طرح مجھے بھی نہیں پسند۔" زیام اس مماثلت پر خوش ہوا تھا۔

"چائے بھی نہیں پسند؟" زیام اُسے خاموش پا کر سوال کیا۔اُس نے نظریں چرا کر سر کو نفی میں جنبش دی۔"یہ بات تو ہم میں مختلف ہو گئی۔" زیام کا لہجہ پھیکا پڑا۔

"مختلف ہونا اچھا ہوتا ہے۔"

"نہیں مختلف لوگوں میں اختلافات ہوتے ہیں۔"

زیام مزید کُچھ بولتا اسے دوسرے گراؤنڈ میں عینی نظر آ گئی تھی جو اسے دیکھ چُکی تھی اور وہ جانتا تھا اب وہ کسی بھی وقت اُس کے سر پہ موجود ہو گی مگر وہ توقع کے بر خلاف اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی۔

"اب یہ آ جائے گی۔" زیام کوفت سے بولا۔

"آپکو یہ کیوں نہیں پسند؟" علیحہ اتنے عرصے میں عینی کے لیے اُس کی ناگواری محسوس کر چکی تھی۔ اُس نے محسوس کیا تھا عینی کو دیکھتے ہی زیام کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے تھے۔

"کیونکہ یہ مُجھ جیسی نہیں ہے۔"

"کس لحاظ سے؟" علیحہ اُس کی نگواری کی وجہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"لباس، شوق، سرکل ہر لحاظ سے مجھ سے مختلف ہے۔" زیام جنجھلاہٹ زدہ سا بولا۔

"بس اتنا سا الگ ہونے میں تو کوئی برائی نہیں۔

ہم یہ کیوں چاہنے لگتے ہیں کہ کوئی مکمل طور پر ہمارے جیسا ہو اُس کی ہر عادت حتیٰ کہ سوچ بھی ہمارے جیسی ہو جائے۔اور اگر وہ شخص آپکے چاہنے پر ویسا بن بھی جائے تو آپ اُس سے بیزار ہونے لگتے ہیں کیونکہ آپکے اندر جو برائیاں ہوتی ہیں وہ دوسرے میں ہوں تو آپ اُسے ویسے نظر انداز نہیں کر پاتے جیسے خود کی کرتے ہیں۔سید زیام شاہ دو ایک جیسی خصوصیات کے حامل اجسام ایک دوسرے کے بیچ کشش پیدا نہیں کر سکتے پھر دو انسان کیسے کر سکتے ہیں؟

جیسے تفریق، تفریق جمع ہوتا ہے ایسے ہی دو ایک جیسے لوگ ایک ساتھ رہیں گے تو وہ ایک سے نہیں رہیں گے اُن میں تبدیلیاں رونما ہونگی۔

ایک دوسرے سے مختلف ہونے میں برائی نہیں ہے

اگر دوسرا آپ سے مختلف ذہن رکھتا ہے تو اس کو بدلنے پر آپ نے جو وقت لگانا ہے وہ وقت اُسے سمجھنے میں لگائیں۔"

"مجھے تو تُم دونوں کی باتوں سے اتفاق نہیں ہے یا یہ کہہ لو کہ مجھے تم دونوں کی سب باتوں سے اتفاق نہیں ہے۔" روحا کی آواز پر دونوں نے بیک وقت پلٹ کر دیکھا۔روحا اور آذر کب آئے اُنہیں اپنی بحث میں معلوم ہی نہیں ہوا تھا۔

"کیسے اختلاف ہے اور کیسے اتفاق ہے؟"

زیام متجسس سا روحا سے پوچھ رہا تھا۔

”مختلف ہونا دو طرح کا ہوتا ہے کچھ لوگوں کی عادتیں ہم سے مختلف ہوتی ہیں اور کُچھ لوگوں کی سوچ ہم سے مختلف ہوتی ہے۔

عادتیں بدلی جا سکتی ہیں کیونکہ وہ زیادہ تر ہمارے آس پاس کے ماحول کی وجہ سے ہم میں پیدا ہوتی ہیں مگر سوچ بدلنا بہت مُشکل کام ہے مختلف سوچ کے مالک دو لوگ آپس میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ دوسرا اُس کے مطابق نہیں بولتا ہمیشہ اُس سے متضاد بات کرتا ہے ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا واقعی مشکل ہوتا ہے۔جہاں تک علیحہ عادتوں کی بات کر رہی ہے تو ٹھیک کر رہی ہے ایسے لوگوں کو سمجھ کر اُن کے ساتھ بلکل نارمل طریقے سے رہا جا سکتا ہے اور زیام اگر تُم عینی کی سوچ پڑھنے کی کوشش کرو تو شاید تُم لوگوں کی سوچ میں اختلاف نہ ہو۔“ روحا کے سمجھانے پر زیام نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا وہ اب بھی عینی کی سوچ پڑھنے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

اُن لوگوں کی باتیں کوئی اور سن لیتا تو انجینئرنگ کے بجائے اُنہیں فلسفے کے سٹوڈنٹس سمجھتا۔

”میری اور روحا کی نہ سوچ میں اختلاف ہے اور نہ ہی عادتوں میں تضاد ہے۔“

آذر تفاخر سے گردن تان کر بولا۔

مگر علیحہ کی مثال کی طرح ہم پھر بھی ایک دوسرے کو اٹریکٹ نہیں کرتے۔

روحا کی بات پر آذر نے منہ بنایا جو روحا کے ہنسنے پر ٹھیک ہو گیا۔

لانبی پلکوں کی جنبش پر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی وہ مذاق کر رہی تھی اور وہ اُسے مذاق کرنے کا پورا حق دیتا تھا اور اُس کے ہنسنے پر اُس کے واری جاتا تھا۔

....

روحا لان میں چہل قدمی کر رہی تھی اور اُس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

اِس ٹائم کیسے میری یاد آ گئی۔

اس نے بغیر نام دیکھے موبائل کان سے لگایا۔ میز پر رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکالتے پسینے سے تر چہرے پر رکھے۔

"جی فرمائیں کون؟" اُس کی ہانپی ہوئی آواز دوسری جانب گئی۔

وہ اجنبیوں سے بات کرتے وقت ایسے ہی سخت مزاج ہو جاتی تھی۔

"مریان لکھانی۔۔" وہ نام نا بھی بتاتا تو وہ آواز سے پہچان جاتی۔

"جی کیسے یاد کیا؟"

(یہی تو سمجھ نہیں آتا کیوں یاد آتی ہو۔)

مریان دِل میں سوچ کر رہ گیا۔

"کافی۔۔کافی پئیں گی؟" مریان تذبذب میں بولا۔

"میں پی چکی ہوں۔"

"میرا مطلب ہے موسم خوشگوار ہے ہم کہیں باہر جائیں؟" اس کا انداز صاف تمہیدی تھا۔

"باہر کیا کرنے؟"

"پریس کانفرنس کرنے۔۔" مریان اُس کے سوال پر جھنجھلا سا گیا۔

"سیاستدانوں سے یہی توقع ہے پریس کانفرنس کے علاوہ اور اُنہیں کرنا ہی کیا آتا ہے۔"

”کافی پینے چلیں؟ مریان نے اس کی تنقید نظر انداز کرتے آفر کی۔“

”میں پی چکی ہوں آپ کسی اور کے ساتھ شوق پورا کر لیں۔“ اُس کی جانب سے رابطہ منقطع کر دینے پر مریان نے حیرت سے موبائل کی سکرین کو دیکھا۔سارا جہان میری آؤ بھگت کر رہا ہے اور میں اِس کی کرنا چاہتا مگر یہ تیار نہیں۔ماتھے پر شکنیں لیے وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

”آپ کو منانے کا کوئی اور طریقہ ہے؟“ مریان نے کُچھ دیر سوچنے کے بعد اُسے میسیج کیا۔

”نہیں بس ایک ہی ہے۔“۔جواب فوری آیا تھا۔

”پھر اب تک آپ نے زہر کھلا کر کتنے لوگ مارے ہیں؟“ اُس نے ٹھنک کر سوال کیا۔

”کوئی بھی نہیں۔“

پھر آپ ناراض ہونے کے بعد کبھی اس شخص سے مانی ہی نہیں؟

میں کسی کے کہنے پر نہیں مانتی اپنی مرضی خود ہی مان جاتی ہوں۔“

”پھر میں آپکے خود مان جانے کا اِنتظار کروں؟“

”آپکی مرضی۔۔“ وہ جواب دیکھ کر تپا۔

”جیسے آپکی مرضی۔۔“

روحا اُس کے جواب پر مسکرائی تھی۔

~~~
~~~

"روحا میرا دِل چاہ رہا ہے میں خوشی سے چلاؤ۔" علیحہ پُر جوش لگ رہی تھی۔روحا نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔اتنی خوش وہ اُسے کبھی نہیں لگی تھی جتنی آج تھی یقیناً کوئی خاص وجہ تھی۔

"مُجھے جاب کی آفر ہوئی ہے اور تُمہیں پتہ ہے اتنی اچھی سیلری ہے ٹائمنگ بھی شام تین سے چھ تک ہے مُجھے لگ رہا ہے کسی نے میری پڑھائی کو ذہن میں رکھتے ہوئے آفر کی ہے۔

سیلری پیکج اتنا اچھا کے مُجھے تو پڑھائی مُکمل ہونے کے بعد بھی اتنی تنخواہ کی اُمید نہیں تھی۔" وہ سرشار سی اُسے بتا رہی تھی۔

"کون سی کمپنی کی طرف سے آفر آئی ہے؟"

"ایم ایل انڈسٹریل لمیٹڈ۔" روحا کی پیشانی سمٹی چہرے پر حیرت در آئی۔

"ایم ایل مطلب مریان لکھانی۔۔۔"

وہ زیرِ لب بڑبڑائی مگر علیحہ اپنی دھن میں بیٹھی تھی اُس کی بڑبڑاہٹ نہیں سُن سکی۔وہ بار بار اُسے بھیجے جانے والے لیٹر کو دیکھ رہی تھی۔

"مُجھے یقین نہیں آ رہا کوئی مُجھے اتنی اچھی جاب بغیر کسی تجربے، بغیر مکمل پڑھائی کے کیسے دے سکتا ہے۔"

"وہ دے سکتا ہے جسے دکھاوے نہ کرنے ہو۔"

اُس نے مریان کے بارے میں بتانے سے احتراز برتا تھا۔

"مگر مجھے ڈر ہے انٹرویو میں کوئی گڑبڑ ہو گئی میں اُن کے معیار پر پوری نا اُتری اور انہوں نے مجھے نا رکھا تو کیا ہو گا۔" اُسے تشویش لاحق ہوئی۔

"ضرور رکھیں گے تم دیکھ لینا تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔" روحا کے دلاسہ دینے پر اُس کی ہمت دوبارہ سے بندھی۔

"تو آپ چوری چھپے عوام تک پہنچ کر اُن کے مسائل کے حل کے لئے خرچ کرتے ہیں؟"

حضرت عمر فاروقؓ سے زیادہ عادل حکمران نہیں آیا کبھی اور وہ اپنی رعایا کی اس طریقے سے مدد کرتے تھے اِس میں کوئی قباحت نہیں اور میں بھی ایسے کرتا ہوں تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

روحا کے کانوں میں مریان کے الفاظ کی بازگشت ہوئی۔

"تُم رات کو آؤ گی نا!"

"بلکل تمھاری سالگرہ پر میں نہیں ہو نگی تو اور کون ہو گا۔" علیحہ کھل کر مسکرائی۔

"روحا بابا بہت شور کرتے ہیں۔" علیحہ کو امین بخش کی صبح کی حالت یاد آئی کس بری طرح سے وہ چلا رہے تھے اُس کا تو دِل ہی ڈوب گیا تھا۔"شروع کے دن ہیں ایسے شور کریں گے آہستہ آہستہ اُنہیں سمجھ آ جائے گا اُنہیں خود کو اِس سب سے روکنا ہے لیکن فلحال ہمیں ہی سمجھانا پڑے گا۔تُم لوگ انکا دھیان کہیں اور بٹا دیا کرو اُن کو تُم لوگوں کے وقت، تُم لوگوں کی ضرورت ہے اُنھیں سمجھنے کی کوشش کرو۔"

علیحہ سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

زیام ہاتھ میں کتابوں کا ڈھیر لیے آیا اور اُن کے پاس بکھیر کر بیٹھ گیا۔دونوں نے اُس کی آمد پر حیرت کا اظہار کیا۔اُس کی سب سے پہلی نظر ہمیشہ کی طرح علیحہ کے دائیں ہاتھ پر پڑی تھی مگر آج وہاں کوئی انگوٹھی نہیں تھی اس نے بے چینی سے دوسرے ہاتھ کی طرف دیکھا وہاں بھی انگوٹھی نہیں تھی۔

دو تین بار اُس نے یہ عمل دہرایا اب اُس کی یہ حرکت روحا اور علیحہ بھی دیکھ رہی تھیں۔

”علیحہ تمھاری انگوٹھی کہاں گئی؟“ زیام نے بیکل ہو کر پوچھا۔

”وہ گم ہو گئی۔“

”لیکن کیسے؟“ وہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

”مجھے خود نہیں پتہ چلا شاید کہیں گر گئی۔“ علیحہ نے سادگی سے جواب دیا۔

زیام نے افسردگی سے اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی دیکھی اُس کی جوڑی دار گُم ہو گئی تھی۔

روحا دلچسپی سے اُس کی حرکت دیکھ رہی تھی وہ اُس کی اُنگلی میں موجود سیاہ انگوٹھی دیکھ کر اس کی اُداسی کی وجہ بھانپ گئی تھی۔

"جوڑی دوبارہ بھی بنائی جا سکتی ہے بس تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔چیزیں کھو جاتی ہیں اُنہیں دوبارہ حاصل کرنا زیادہ مُشکل نہیں ہوتا"

زیام نے میسج دیکھا پھر سر نظر اٹھا کر مسکراہٹ چہرے پر لیے روحا کو دیکھا جو موبائل پر ہی جھکی ہوئی تھی۔اُسے وہ اپنی پہلی راز دار لگی۔

”لیکن اُسے دونگا کیسے؟“

"کل اِس کی سالگرہ ہے تُم گفٹ کا کہہ کر دے دینا۔" زیام مسکرایا اُسے روحا کی تجویز اچھی لگی تھی۔

"یو آر گریٹ روحا ابتسام آفندی۔۔"

روحا اُس کا جواب پڑھ کر ہولے سے ہنس دی۔

"تُم کیوں ہنس رہی ہو؟" علیحہ اُس کے ہنسنے پر چونکی۔روحا نے اُس کے پوچھنے پر میکانکی انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

"آج آذر بھی بہت خوش ہے۔"

روحا زیام کے انکشاف پر حیران ہوئی۔

"کیوں ایسا کیا ہوا ہے آتے وقت تو اُس نے منہ پھلایا ہوا تھا۔" صبح کا اُس کا خفا سا چہرہ روحا کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"وہ تمھاری کسی بات پہ پھولا ہو گا۔"

روحا نے قہقہہ لگایا واقعی ایسا ہوا تھا۔

زیام نے اُس کے قہقہہ لگانے پر آنکھیں سکوڑ کر روحا کو دیکھا اُس لڑکی میں کشش تھی جو لوگوں کو اپنی جانب کھینچتی تھی شاید اُس کی لانبی پلکیں یا کُچھ اور تھا وہ اندازہ نہیں لگا پایا۔

....

روحا گھر گئی تو اُسے آذر اور نبیہا لان میں بیٹھے نظر آ گئے تھے۔وہ لمبے ڈگ بھرتی اُن تک آئی۔

"اکیلے منہ اٹھا کر یونیورسٹی سے آ گئے مُجھے تو لے کر آتے۔" وہ کمر پر دونوں ہاتھ جمائے تندخوئی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"بابا نے گھر بلا لیا تھا جلدی میں آنا پڑا۔" وہ شائستگی سے بولا تھا وہی ہمیشہ والا دھیما، پُر سکون لہجہ صبح کی خفگی ختم ہو چکی تھی۔وہ اُس سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہتا تھا۔

"تُم کس کے ساتھ آئی ہو؟" اُسے اچانک سے خیال آیا وہ اندر آیا تھا تو اس کی گاڑی ڈرائیونگ وے پر ہی کھڑی تھی۔

"زیام کے ساتھ آئی ہوں۔"

"آئندہ کے بعد اس کے ساتھ مت آنا۔"

آذر کا انداز اُسے حکمیہ لگا جو اُسے بلکل پسند نہیں آیا تھا۔وہ خاموشی سے اندر آ گئی اس کا نہ تو بحث کرنے کا موڈ تھا اور نہ ہی اس کی بات ماننے کا اُسے زیام میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے وہ ایسے منا کر رہا تھا۔

وہ اندر گئی تو خلافِ توقع تایا تائی اور ماما بابا اکھٹے باتوں میں محو بیٹھے تھے اور ایسا شاذو نادر ہی ہوتا تھا اِس وقت ابتسام آفندی اور احتشام آفندی آفس میں ہوتے تھے۔

اِدھر آؤ بیٹا تائی نے ازلی پیار بھرے انداز میں اسے بلایا تھا اور وہ اُسی انداز میں اُن سے ملی تھی۔

روحا ہم نے تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔

ابتسام آفندی کے چہرے پر اچانک سے مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی۔

"تمھارے تایا تائی آذر کے لئے تمھارا رشتہ لے کر آئے ہیں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

وہ بھوچکا گئی تھی آذر اس کا بہت اچھا دوست تھا۔تایا تائی اُس پر جان چھڑکتے تھے اُسے ماں باپ کی طرح محبت دیتے تھے بلکہ اُن سے بھی زیادہ اُن میں گھر والی بات تھی مگر اُس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔

"بیٹا اگر تُمہیں کوئی مسئلہ ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں تُم نہ کر سکتی ہو میں تُمہیں بیٹی سمجھتا ہوں اور بیٹی کے ساتھ زبردستی کرنے کا میں متحمل نہیں ہوں۔" تایا کا وہی شفقت بھرا انداز تھا اُن کے خلوص پر اُسے کوئی شک نہیں تھا مگر انکار کی بھی وجوہات ہوتی ہیں اور اُسے ایک نہیں مل پا رہی تھی۔آذر پڑھا لکھا تھا، سلجھا ہوا تھا، اس کا بہت خیال رکھتا تھا جو پہلے رکھتا تھا وہ بعد میں بھی رکھ سکتا تھا اور تایا تائی جیسے ساس سسر کہیں اور مل ہی نہیں سکتے تھے سب سے بڑی بات وہ ماں باپ کے قریب رہتی اُس کی زندگی شادی کے بعد بھی ویسے ہی رہتی ایسے رشتے کی تو ہر لڑکی خواہش کرتی ہے پھر وہ اپنی طرف اتنے مان سے دیکھنے والے لوگوں کو کیسے انکار دیتی۔کس وجہ سے انکار کرتی اُس کی زندگی میں ایسی کوئی وجہ تو تھی ہی نہیں۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اُس نے فیصلہ کرنے میں دو منٹ بھی نہیں لگائے تھے۔

دروازے پر کھڑے آذر کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ بکھری۔اُسے پہلی بار احساس ہوا کہ روحا کے دِل میں بھی اُس کے لیے کوئی جذبات ہیں ورنہ وہ ایسے فوراً سے حامی نہ بھرتی۔

سب خوش تھے اتنا خوش اُس نے اُنہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ابتسام آفندی نے اُس کا ماتھا چوما تھا اُسے باپ کی شفقت کا احساس اندر سرائیت کرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ایسا پہلی بار ہوا تھا کیونکہ اس نے پہلی بار اپنے باپ کی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا۔
مگر اُسے اپنے دِل پر پتھر رکھا محسوس ہو رہا تھا اُس کی مسکراہٹ پھیکی تھی اسے بناوٹی لگ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیوں ڈھنگ سے خوش نہیں ہو پا رہی۔شاید کسی کی خوشی چھین کر ایسی ہی بناوٹی مسکراہٹ ہمارے چہروں پر رہتی ہے۔

"روحا میں بہت خوش ہوں مجھے ڈر لگتا تھا اگر تم نے ہاں نہ کی تو کیا ہو گا۔زبردستی کی محبت میں نہیں کروانا چاہتا تھا لیکن تمھارے علاوہ اور کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" وہ دونوں بالکونی میں ہاتھوں میں چائے سے بھرے سفید مگ پکڑے کھڑے تھے۔گرم چائے اُن کی ہاتھوں کی جلد کو حدت دے رہی تھی۔
"میں نے کب کہا کہ مجھے تُم سے محبت ہے؟" روحا کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہوا۔
"ہو جائے گی۔" اُس کے لہجے میں یقین تھا مگر روحا اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھی اسے سب جلدی میں ہوا لگ رہا تھا۔
"تُم خوش ہو نا؟" آذر نے بغور روحا کا چہرہ دیکھا جس کی رنگت متغیر سی ہو رہی تھی۔
"پتہ نہیں مُجھے دِل سے خوشی کیوں نہیں ہو رہی اپنا آپ بناوٹی لگ رہا ہے۔" وہ ایسے ہی صاف گو تھی اُسے بچپن سے ہر بات آذر کو سچ سچ بتانے کی عادت تھی۔

"شاید سب جلدی میں ہوا ہے اس لیے ایسا ہو رہا ہے ہمارا دماغ آہستہ آہستہ بات کو قبول کرتا ہے۔"

"لیکن دِل تو فوراً مان لیتا ہے؟" وہ ذرا تامل کے بعد بولی۔

"کبھی کبھار دِل بھی وقت لیتا ہے محبت ایک جھونکے کی طرح نہیں آتی یہ جذبہ آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوتا ہے مُجھے بھی تُم سے آہستہ آہستہ ہی ہوئی تھی تُمہیں بھی ایسے ہی ہو جائے گی۔"

آذر کا یقین ہنوز قائم تھا۔وہ مطمئن کھڑا تھا اتنا پُر سکون جیسے اپنی محبت حاصل کر لینے والے ہوتے ہیں۔چہرہ تمانت سے زیادہ پر کشش لگ رہا تھا۔روحا نے لمحے بھر کو اُس کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں ایسے اس نے کبھی آذر کو نہیں دیکھا تھا وہ اُسے پہلے سے زیادہ وجیہہ لگا تھا۔وہ اچھا تھا اتنا اچھا کہ اس سے واقعی محبت ہونے میں وقت نا لگتا۔

"پھر اب تک مُجھے تم محبت سے کیوں نہیں ہوئی؟" وہ اُس کے چہرے پر نظریں ٹکائے پوچھ رہی تھی۔سیدھ میں دیکھتے آذر نے اُس کی جانب چہرہ پھیرا۔گہری بھوری سیاہی مائل آنکھوں سے محبت ٹپک رہی تھی۔لمحے کو وہ طلسم زدہ ہوئی پلک نہیں جھپکا پائی اور پلک جھپکنے کے وقفے کے ختم ہوتے ہی نظریں جھکا گئی۔

وہ اس کی بات پر خاموش ہو گیا تھا وہ باتوں میں لا جواب کر دیتی تھی۔

"شاید میں نے اس بارے میں سوچا نہیں۔"

وہ آذر کو خاموش پا کر خودی بول پڑی تھی۔

اُس کے جواب نے آذر کو مطمئن کر دیا تھا مگر وہ ابھی بھی مطمئن نہیں لگ رہی تھی دِل مضطرب تھا۔۔نا جانے کیوں تھا۔

....

روحا شام سے علیحہ کے گھر آ کر بیٹھی تھی۔
وہ امین بخش کے کمرے کے باہر پہرے داری کر رہی تھی اور وہ کبھی دائیں کھڑکی پر آتا تو کبھی بائیں کھڑکی پر کھڑا ہو کر اُس کو دوھائیاں دیتا جب زیادہ غُصہ آتا تو گالیاں بھی دیتا مگر روحا ڈھیٹائی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔وہ اڑیل مزاج تھی ایک فیصلہ کرنے کے بعد اُس سے پیچھے نہیں ہٹتی تھی۔اُس کا برداشت کا پیمانہ بھی زیادہ تھا وہ لوگوں کو موقعے دیتی تھی اتنی جلدی جوابی غُصہ نہیں دیکھاتی تھی۔
باہر نکالو مجھے اب وہ روتے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑکی کے پاس کھڑا تھا دور کھڑی علیحہ کو اپنے باپ پر ترس آیا مگر روحا چٹان بنی بیٹھی رہی ذرا نہ پگھلی۔

"مجُھے پتہ ہے آپ اِس وقت تکلیف میں ہیں۔
اتنے سالوں میں آپکا جِسم نشے کا عادی ہو چکا ہے چھوڑنا مُشکل ہے مگر نہ ممکن نہیں۔آپ ہماری اور ڈاکٹرز کی باتوں پر عمل کریں گے تو بہت جلد نارمل ہو جائیں گے۔آپکو زندگی بھر کی تکلیف سے نجات دلانے کے لیے یہ کرنا ضروری ہے۔" روحا سمجھانے کے انداز میں بولی تو امین بخش کی "ہنہہ" کی آواز اُسے باہر تک آئی۔
"اگر تُم نے مجھے نشہ نہ دیا تو میں مر جاؤ گا بلکہ میں تُمھیں ایسا کر کے دیکھاو گا۔"

امین بخش اب ہاتھ میں ایک گلدان لیے کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوا تاکہ روحا وہ دیکھ سکے۔

”میں اِس سے اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

روحا نے ترچھی نظر کر کے دیکھا ہاتھ میں گلدان موجود تھا پھر آنکھیں موڑ کر بے نیازی دیکھائی۔

”میں واقعی ایسا کروں گا اگر تُم نے مجھے آج باہر نہ جانے دیا۔“ اُس نے روحا کی بے پرواہی پر اپنی بات دہرائی۔

”ٹھیک ہے پھوڑ لیں اپنا سر۔۔“ امین بخش تو اِس سنگ دلی پر دنگ رہ گیا۔علیحہ تڑپ کر دروازے کے پاس آئی۔جو بھی تھا جتنا بھی برا تھا اُس کا باپ تھا اور اولاد سے ماں باپ کی تکلیف کب سہی جاتی ہے۔”روحا دروازہ کھول دو وہ بہت ضدی ہیں وہ ایسا کر بھی لیں گے۔“ وہ دروازے کی کنڈی ہاتھ میں لیے ملتجی نظروں سے روحا کو دیکھ رہی تھی کہ وہ اجازت دے اور وہ دروازہ کھول دے۔

”روحا ابتسام آفندی سے زیادہ ضدی نہیں ہونگے اور کوئی بات نہیں سر میں دو تین ٹانکے لگ جائیں گے تو شاید دماغ ٹھکانے پر آ جائے۔“ اندر سے گلدان ٹوٹنے کی آواز آئی۔علیحہ نے جلدی سے روحا کے ہاتھ سے چابی جھپٹتے تالا کھولا اور اندر گئی۔

روحا اب بھی پُر سکون بیٹھی تھی وہ جانتی تھی آواز گلدان کے زمین پر پٹخنے کی تھی۔

امین بخش علیحہ کو دھکا دیتا باہر نکلا مگر گلدان کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا پاؤں میں چبھ گیا تھا اور کمرے کے دروازے سے باہر نکلتے ہی زمین پر بیٹھ کر کراہنے لگا۔

”ہنہہ۔۔۔یہ اپنا سر پھوڑیں گے اب احساس ہوا کیسے تکلیف ہوتی ہے۔“ روحا نے سر جھٹکا۔

علیحہ نے امین بخش کو بازو سے تھام کر اٹھایا اور اندر بیڈ پر لیٹا دیا۔

"ویسے مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا میں خود آپکا پاؤں زخمی کرتی اب کم از کم آپ ٹک کر یہاں لیٹے تو رہیں گے۔" وہ ساتھ پٹی کر رہی تھی ساتھ میں امین بخش کو ڈرا رہی تھی۔

امین بخش نے حیرت سے اِس بے حس لڑکی کو دیکھا جو کم از کم اُسے بے حس ہی لگتی تھی۔

روحا اُنہیں درد کم کرنے کی دوائیں دینے لگی اسے باہر کسی خاتون کی آوازیں آ رہی تھیں۔

علیحہ بھی دروازہ کھولنے کی غرض سے باہر گئی تھی۔

نسرین بیگم محلے کی خاتون کے آنے پر اُنہیں علیحہ کی نوکری کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

دیکھو ہم جِس بابا کے پاس گئے تھے یہ سب اُس کی دعاؤں کی وجہ سے ہوا ہے۔

"خالہ یہ ہماری دِن رات کی مانگی گئی دعاؤں کا نتیجہ ہے کوئی بھی آپ کے لیے اُس شدت سے دعا نہیں مانگ سکتا جس شدت سے آپ خود مانگتے ہیں۔جس کی آزمائش جب کٹنی ہو تب کٹ کے ہی رہتی ہے پھر زندگی میں آسانیاں خود پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔" علیحہ کو اُس خاتون کی بات سے ٹھیس سی لگی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا وہ بہت پُہنچے ہوئے ہیں جنگلوں میں مہینوں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار کر آتے ہیں۔"

"خالہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کے ساتھ دُنیا کو بھی لے کر چلنے کا کہا ہے۔اور ایسے لوگ زمہ داریوں سے بھاگنے والے ہوتے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں پسند یہ ہمارا اسلام نہیں ہے۔"

کمرے کے دروازے پر کھڑی روحا مسکراہٹ کے ساتھ علیحہ کی باتیں سُن رہی تھی۔

"ایسے لوگ ہمیں شورٹ کٹس دیکھاتے ہیں مگر اصل کامیابی وہی ہوتی ہے جو مُشکل کے بعد حاصل ہو۔اللہ تعالیٰ نے ہم کو کُچھ نوازنے کے لئے ہی آزمائش میں ڈالا ہوتا ہے اور ہم لوگ ایسے پیروں کے پاس بھاگتے ہیں کہ وہ ہمیں فوراً سے آزمائش سے نکال لیں گے ہم اِس طرح اللہ کے خلاف جاتے ہیں اس کے حکم کے مطابق ہونے والے کام کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں پھر ہمیں وہ پھل بھی نہیں مل پاتا جو اُس آزمائش کے بعد اللہ نے ہمارے لیے رکھا ہوتا ہے۔" روحا اُن کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" شمیم بیگم نے تعجب سے پوچھا۔اس نے روحا کی باتوں پر کم اور اُس کے حلیے پر زیادہ دھیان دیا تھا۔

"علیحہ کی دوست ہے۔" جواب نسرین بیگم نے دیا۔"امیر لگتی ہو یہاں کیسے آ گئی تمھارا اِس چھوٹے سے گھر میں دم نہیں گھٹ رہا؟"

"دم پسماندہ ذہنیت کے لوگوں میں گھٹتا ہے گھروں سے فرق نہیں پڑتا۔" وہ جس معنی خیزی سے بولی تھی شمیم بیگم کو سمجھ آ گئی تھی وہ کس پسماندہ ذہنیت کی بات کر رہی تھی۔

"یہاں بھی اِنسان ہی رہتے ہیں میں کون سا اُن بابا جی کی طرح جنگل میں جانوروں کے بیچ آ گئی ہوں۔" علیحہ اور نسرین بیگم نے روحا کی بات پر ہنسی دبائی۔شمیم بیگم خجالت مٹاتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بغیر پلٹے سیدھ میں چلتی باہر نکلیں۔اُن کے اِس انداز پر روحا کا نے قہقہہ بلند ہوا

روحا نے سالگرہ کا انتظام ہوٹل میں کروایا تھا۔امین بخش کے سونے کے بعد وہ علیحہ اور نسرین بیگم کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

اریجنمنٹ کرواتے وقت روحا نے سیاہ اور سفید رنگ کا استعمال کروایا تھا کیونکہ سیاہ رنگ علیحہ کا پسندیدہ تھا۔علیحہ مبہوت سی سب دیکھ رہی تھی۔اس کے لیے یہ سب پہلے زندگی میں کبھی نا ہوا تھا بلکہ اس نے تو کبھی اپنی سالگرہ منائی ہی نہیں تھی۔

کیک پر موم بتیوں سے بائیس لکھا ہوا تھا۔علیحہ نے آگے کو جھک کر پھونک ماری تو موم بتیاں یک دم بجھیں۔کیک کاٹتے وقت روحا نے کانوں کے پردے پھاڑنے والی چیخیں لگائی تھیں۔

علیحہ اُس سے لپٹ گئی تھی۔

”لوگوں کو میری قسمت پر رشک کرنا چاہئے کیونکہ میری زِندگی میں روحا ابتسام جیسی دوست ہے جو دوستی میں صرف دوست کو دیکھتی ہے نہ کے اُس کا حلیہ، پیسے اور گھر وہ احسان کو فرض کہتی ہے وہ حق ادا نہیں کرتی نبھاتی ہے۔وہ دوستی کی الگ مثال قائم کرنے والی لڑکی ہے۔“ وہ محبت سے مخمور لہجے میں کہتی چلی گئی تھی۔نسرین بیگم نے تبسم کے ساتھ اپنی بیٹی کو دیکھا جو بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔اُن کے سرشار ہونے کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ خوش تھی۔

”بس کرو جذباتی عورت۔۔“ روحا نے اُسے خود سے الگ کیا۔”بائیس سال کی ہوئی ہوں عورت تو نہ کہو۔“ علیحہ نے احتجاج کیا۔

"میں تو بتیس سال کا بوڑھا بنا دیتی ہوں۔" وہ اپنی بات پر کھکھلا کر ہنسی تھی۔وہ زندہ دِل لڑکی تھی۔ دِل کو زندہ رکھنے کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں دِل پر نہیں لگاتی تھی۔وہ روحا تھی وہ ہی زندگی جی سکتی تھی۔

~~

روحا کتاب پڑھنے میں محو تھی جب نبیہا اُس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔"سب خیریت ہے؟" روحا نے سر اٹھائے بغیر پوچھا۔ہلکی سی سلوٹیں پیشانی پر پڑیں۔"تُم اِس سے اب کیوں بات کرتی ہو؟"
"کس سے؟ کس کی بات کر رہی ہو؟" وہ ابھی بھی لاپرواہی سے پوچھ رہی تھی۔
"مریان لکھانی کی بات کر رہی ہوں تُمہیں پتہ ہے نہ بابا کو یہ بلکل نہیں پسند اور تمہیں بھی تو اس میں ہزار عیب دکھتے تھے۔" نبیہا کو سب یاد رہتا تھا وہ اُسے کھڑے کھڑے مریان کے لیے کہے گئے الفاظ تعداد کے ساتھ گنوا سکتی تھی۔
"کال کر لے تو اٹھا لیتی ہوں اور بابا کو یہ نہیں اِس کا اختلاف کرنا نہیں پسند جیسے اُنہیں میرا اختلاف کرنا نہیں پسند۔"
"تُمہیں اب اس سے بات نہیں کرنی چاہیے۔"
روحا نے سر اٹھایا نبیہا سینے پر بازو لپیٹے کھڑی اُسے سخت تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔
"اب سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"
"تُم اب آذر کی امانت ہو۔اُسے پتہ چلا تو بُرا نا منائے۔"

"میں جیسے پہلے تھی اب بھی ویسی ہوں اور ایسی ہی رہوں گی۔ مُجھے نہیں لگتا آذر کو کوئی اعتراض ہو گا۔ اُس نے مجھے کبھی کسی چیز سے نہیں روکا اُسے مجھ پر بھروسہ ہے۔" اُس نے رعونت سے کہتے نظروں کو دوبارہ کتاب پر جھکایا۔

دوبارہ موبائل پر کال آ رہی تھی جو روحا نے اٹھا لی تھی۔ نبیہا سر جھٹکتی باہر نکلی۔

شاذو نادر ہی ہوتا تھا کہ روحا ابتسام آفندی کسی کی بات سے اتفاق کرتی تھی اور نبیہا کی بات سے تو کبھی بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنی بے قدری پر کلس کر رہ جاتی۔

"جی فرمائیں۔۔" اُس کا لہجہ تند تھا۔

"کیا ہم کافی پینے چل سکتے ہیں۔" پچھلی بار والا سوال دوبارہ کیا گیا تھا۔ روحا نے گہرا سانس لیا۔ "نہیں جا سکتے۔" اس نے کھٹاک سے انکار کیا۔

"چائے کے لئے؟؟" مریان نے جانے کس اُمید پر دوبارہ پوچھا۔ دونوں جانب گہری خاموشی چھائی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ لحظے بھر کے توقف کے بعد بولی۔ اُس کے استفسار پر وہ انکار نہیں کر پائی تھی۔

"واقعی؟" مریان بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی۔۔ ایڈریس بھیج رہی ہوں جہاں جانا ہے۔"

"پھر کافی کے لئے کیوں انکار کیا تھا؟"

"کافی پینے کا دِل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تو کیا آپ مان گئی ہیں؟"

"نہیں۔۔" اُس کے اعتذار پر وہ معاف کیے بنا نہیں رہ پائی مگر اُس کے سامنے انکار ہی کیا۔

”پھر آپ نے چائے پینے کی آفر کیسے قبول کر لی؟“
”کیونکہ میں بہت نرم دل لڑکی ہوں۔“ اُس نے جتانے کے انداز میں کہتے کال کاٹ دی اور وہ یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ایسے مان کیسے گئی تھی۔

مریان گاڑی سے اُترا تو نظروں نے اُسے فوراً تلاش لیا تھا وہ میز پر سر جھکائے مٹھیاں باہم ملائے اُن پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔وہ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑستے چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ اُس کی جانب بڑھا۔اُس کے کُرسی کھینچ کر بیٹھنے پر روحا نے جھکا سر اونچا کیا۔کاجل سے لیس سیاہ آنکھوں نے ستاروں کی چمک لیے بھوری آنکھوں میں جھانکا تو زندگی کے بہاؤ کو جیسے کسی نے روک دیا ہو۔وہ میز پر ہاتھ جمائے آہستگی سے نشت پر بیٹھا۔
”علیحہ کو جاب کی آفر آپ نے کی ہے؟ مجھ پر احسان کرنا چاہ رہے ہیں؟“ وہ چھوٹتے ہی بولتی چلی گئی تھی۔مریان کے لبوں پر محجوب مسکراہٹ تیری۔جیسے اُس کے غصے میں کہے الفاظ بھی شہد آگیں ہوں۔
”جانتی ہیں تو پوچھنے کی وجہ؟“ دھیمے لہجے میں سوال کیا گیا۔
”آپکو اُسکا کیسے پتہ چلا؟“
”آپ نے خود تو بتایا تھا۔“
”میں نے اس کی تفصیلات نہیں بتائی تھیں سرسری سا ذکر کیا تھا۔“

"خوش قسمتی سے آپ کی یونیورسٹی میں صرف ایک ہی دوست تھی اور یونیورسٹی سے کسی کے گھر کا پتہ لگانا کوئی مُشکل کام نہیں۔ویسے کیوں پوچھ رہی ہیں شُکریہ ادا کرنا تھا؟"

"نہیں فرائض کا کیسا شُکریہ۔حق دار کو اس کا حق دینے کا آپکا فرض ہے۔"

"آج کل فرائض کون ادا کرتا ہے؟" وہ کہنیاں میز پر ٹکاتے ذرا آگے ہوا۔

"کیے جائیں یا نہ کیے جائیں رہتے وہ فرائض ہی ہیں جو نہ پورے کر کے ہم غلط کرتے ہیں۔"

"تُم بہت عجیب قسم کی لڑکی ہو جس کو آج تک میں نہیں سمجھ سکا۔" وہ بے بسی سے اقرار کر رہا تھا۔

روحا اُس کی مسکراتی آنکھوں سے گڑبڑائی تھی۔اِن آنکھوں میں جو اُس کے لیے تھا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ بے اختیار چہرہ پھیر گئی۔لب کاٹتے وہ ہتھیلیاں مسلنے لگی۔

"سیاستدان ہیں عام عوام کی آپکو سمجھ نہیں آئے گی۔"

"بارہ ہاؤسنگ سوسائٹز کے مالک باپ کی بیٹی کے لئے عام عوام جیسے الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے۔

"ہوں تو عوام ہی۔۔"

"نہیں تُم ملکہ ہو۔"

"میں ملکہ؟ کہاں کی؟" وہ حیران ہوئی۔یقیناً وہ مذاق کر رہا تھا یا شاید طنز تھا وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔مگر انداز ایسا نہیں تھا انداز تو اس کا محبت سے مخمور تھا۔اُسے اپنی پیشانی پر پسینہ نمودار ہوتا محسوس ہوا۔

"میرے۔۔"

"روحا تُم یہاں کیا کر رہی ہو؟" آذر کی آواز سماعتوں میں پڑتے اُس کا اٹکا سانس بحال ہوا۔اُسے یقین تھا مریان اپنی بات مکمل کر لیتا تو وہ دونوں مُشکِل میں پڑ جاتے۔

مریان آذر کے آنے پر خاموش ہو گیا تھا۔بات ادھوری رہ جانے پر دِل میں ہونک اٹھی کتنی مُشکِل سے موقع ملا تھا جس سے وہ فائدہ نہیں اٹھا پایا تھا۔

روحا اُسے سامنے دیکھ کر فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔وہ روحا کا بازو تھامے چل پڑا تھا۔

"لیکن آذر ایسے بیچ میں سے اُٹھ کر جانا اچھی بات نہیں اجازت لے کر آنا چاہیے تھا۔" روحا متحیر سی اُس کی گرفت اپنا بازو دیکھ رہی تھی۔"تُم زیادہ اچھی نہ بنا کرو۔"

نیہا ٹھیک کہتی تھی یہ بُرا مان سکتا ہے۔وہ آذر کی شکن آلود پیشانی دیکھ کر پریشان ہوئی۔بات واقعی اب پہلے سی نہیں رہی تھی وہ اُس کا کزن ہونے کے ساتھ منگیتر بھی تھا اس سے نام منسوب ہو چکا تھا وہ کیسے کسی اور کے ساتھ بیٹھا دیکھتا اور کُچھ نا کہتا۔

"سوری آذر پر وہ بُرا لڑکا نہیں ہے مجھے ایسا لگتا تو میں اُس کی آفر کبھی قبول نہیں کرتی۔" روحا کی بھرائی آواز پر آذر نے اس کی کلائی اپنی گرفت سے آزاد کی۔اُس نے آنکھیں بھینچ کر کھولیں مڑ کر اُس کا جھکا سر دیکھا۔دِل میں ٹھیس سی اٹھی۔روحا پلیز آئندہ میرے سامنے سر نا جھکانا مجھے پتہ ہے تمہاری انٹینشن غلط نہیں تھی اور نا میں نے اُسے بُرا سمجھا ہے بس تم مجھے اُس کے ساتھ بیٹھی اچھی نہیں لگی کیونکہ میرے علاوہ تمہیں وہاں کوئی اور بیٹھا دیکھتا تو اور نظریے سے سوچتا میں نہیں چاہتا کوئی تُمھارے بارے میں بُرا سوچا۔

روحا نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔یقیناً وہ اُسے بہت اچھے سے سمجھتا تھا۔

مریان نے اُسے جاتا دیکھ کر مٹھیاں بھینچیں۔

"ایک دن آئے گا ساری دنیا پلٹ جائے گی لیکن روحا ابتسام آفندی میرے سامنے سے اُٹھ کر جانے کی جسارت نہیں کرے گی۔" اُس کے لہجے میں جو اعتماد تھا اُس کی تباہ حالی کی بڑی وجہ بننے والا تھا۔

"سر آپکی چائے۔۔" ویٹر نے دو چائے کے کپ میز پر رکھے۔"ہاں..؟" مریان ویٹر کے بلانے پر چونکتے ہوئے اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"مُجھے تو لگتا ہے کبھی اِس کے ساتھ کُچھ پینا نصیب ہی نہیں ہو گا۔" وہ بے بسی سے اُسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ رہا تھا۔اُس نے خاموش نظروں سے اس کا تعاقب کیا۔

"سر کُچھ اور چاہیے؟"

"بیٹھ جاؤ یار تُم ہی دوسرا کپ پی لو میرے ساتھ۔۔" اب وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔اپنے جذبات پر قابو وہ بہت جلدی پا لیتا تھا۔ویٹر مریان کے اِس انداز پر ہکا بکا اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا میں اِنسان ہی ہوں ایسے نہ گھورو۔"

ویٹر جھنپتے ہوئے روحا کی چھوڑی گئی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔"چائے اچھی بناتے ہو۔"

"سر میرے بیٹے نے بنائی ہے۔" تفاخر سے اس کی گردن تنی۔"وہ پڑھتا نہیں ہے؟"

"پڑھتا ہے جی بہت لائق ہے۔" مریان نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔"آٹھویں جماعت میں اُس نے ٹاپ کیا ہے۔" ویٹر اب بغیر جھجھک کے بول رہا تھا جس کی وجہ مریان کا دوستانہ انداز تھا۔

"آپکو میں نے ٹی وی پر دیکھا ہے آپ سیاستدان ہیں نہ بھلا کیا بنے ہیں؟" مریان اُس کی لا علمی پر دھیرے سے مسکرایا۔

"کراچی کا میئر ہوں۔"

"پھر یہاں اِس چھوٹے سے ہوٹل پر کیا کرنے آئے ہیں؟" ویٹر اب مزید حیران ہو رہا تھا۔

"وہ جو لڑکی یہاں سے اُٹھ کر گئی ہے اُس نے یہاں بلایا تھا۔"

"ہاں روحا بی بی وہ یہاں اکثر آتی ہیں بہت اچھی ہیں۔"

"اچھا یہ چیک لو۔ تمھارے بیٹے کی پڑھائی پر کتنا خرچہ آتا ہے؟" مریان جیب سے چیک بُک اور پین نکالے سائن کر رہا تھا۔

"نہیں صاحب اِس کی ضرورت نہیں اور پتہ نہیں کتنا خرچہ آتا ہے روحا بی بی ہی اٹھاتی ہیں۔

مریان کے چیک پر سائن کرتے ہاتھ رکے بھنویں سکڑی تھیں اُس نے جھٹکے سے سر اُٹھایا۔

"کیا روحا اٹھاتی ہے؟" اُس کے لیے یقین کرنا مُشکل تھا۔وہ لا اولبالی سی نظر آتی لڑکی ایسے کام بھی کرتی ہو گی اُس کے وہم و گمان میں بھی نا تھا۔

"آپکی طرح اُنہوں نے بھی پوچھا تھا میں نے بتا دیا دو سالوں سے وہ خرچہ اٹھا رہی ہیں میری چھوٹی بیٹی بھی اُنکی کی وجہ سے سکول جانے لگی ہے۔میں تو انکا عمر بھر کا احسان مند ہو گیا ہوں مگر وہ کبھی احسان جتاتی نہیں ہیں۔"

مریان وہیں چیک رکھ کے کھڑا ہوا۔بات حیرت انگیز ہی تھی کوئی لڑکی ایسی بھّی ہو سکتی تھی ہو بھی سکتی تھی تو اُس نے نہیں دیکھی تھی۔کُچھ لوگ ہماری سوچ کو بھی مات دے دیتے ہیں وہ راز کی

طرح ہوتے ہیں اُن میں ہماری سوچ سے بھی زیادہ خوبیاں ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ ہم پر کھلتی ہیں اور ہمیں اُن کا فریفتہ کرتی چلی جاتی ہیں۔

"سنو ایک کام کرو گے؟" وہ جاتے جاتے پلٹا۔کپ اٹھاتا ویٹر اُس کے پکارنے پر متوجہ ہوا۔

"جی حکم کریں۔"

"یہ میرا نمبر لے لو جب روحا یہاں آئے مُجھے مطلع کر دینا۔" مریان نے اُسے اپنا کارڈ تھمایا۔

"جی وہ ہر اتوار کو یہاں آتی ہیں۔"

"کس وقت؟" وہ پُر جوشی سے بولا۔

"شام چار بجے شام کی چائے پینے آتی ہیں۔"

"تو روحا ابتسام آفندی کل پھر یہاں ملاقات کے لئے تیار رہنا۔" ایک خوشگوار سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر بکھری۔اِس بات سے بے خبر کے روحا ابتسام آفندی پلین خراب کرنے میں مہارت رکھتی ہے۔

....

"علیحہ رکو۔"

"جی بابا" وہ جو یونیورسٹی کے لئے نکلنے لگی تھی امین بخش کے پکارنے پر پلٹی۔

"تمھاری دوست نے نہیں آنا؟" وہ چارپائی پر سیدھے ہو کر بیٹھے۔
"کیوں آپ اُس سے اُداس ہو گئے ہیں؟"
"استغفراللہ میں کیوں اُس جیسی سنگدل لڑکی سے اُداس ہونے لگا۔" علیحہ اپنے باپ کو کانوں کو ہاتھ لگاتا دیکھ کر ہنس پڑی۔
"پھر اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟" علیحہ نے بیگ کا سٹریپ پکڑا اُسے جانے کے لیے دیر ہو رہی تھی مگر امین بخش کے نرم لہجے میں پوچھنے پر جواب دیئے بغیر جانا اُسے مناسب نہیں لگا تھا ورنہ پہلے جب امین بخش اُسے کرخت لہجے میں پکارتا تھا تو بغیر بات سنے نظرانداز کر کے چلی جاتی تھی۔
"اُس نے کہا تھا ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"
"ہاں وہ کہہ رہی تھی کہ میں آپکو لے جاؤں۔"
"ٹھیک ہے۔اپنا خیال رکھنا۔" امین بخش نے اُس کا سر شفقت سے تھپکا۔علیحہ نے حیرت سے اپنے باپ کو دیکھا یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اُس کے باپ نے اُس کے لیے فکر ظاہر کی تھی۔
تو کیا بابا ٹھیک ہو رہے ہیں؟ روحا ٹھیک کہتی ہے یہ آہستہ آہستہ سمجھ جائیں گے اِنہیں ہماری توجہ کی ہی ضرورت تھی۔توجہ بڑے بڑے بگڑوں کو سنوار دیتی ہے۔
"جی۔۔" وہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتی باہر نکلی۔

اُس کی رات کی تھکاوٹ ابھی تک باقی تھی وہ آدھی رات کو گھر آنے کے بعد بھی ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی۔پہلی بار اِس طرح سالگرہ منائے جانے کی اُسے خوشی تھی۔وہ سڑک پر متلاشی نظروں سے ٹیکسی ڈھونڈھ رہی تھی جب گاڑی اس کے سامنے آکر رکی۔

"علیحہ بیٹھ جاؤ۔" زیام نے اُس کی جانب والا گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"زیام اِس کی ضرورت نہیں ہے میں روزانہ خود ہی جاتی ہوں۔" وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولی مگر زیام اُس کے انکار کے بعد بھی ویسے ہی دروازہ کھولے بیٹھا رہا۔

علیحہ نے ایک نظر اُس پر ڈالی کہیں سے بھی اُس کے جانے کے ارادے نہیں لگ رہے تھے۔وہ جھجھکتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"سالگرہ مبارک۔۔" زیام نے اُس کے بیٹھتے ہی بیک سیٹ سے پھولوں کا گلدستہ اُٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔علیحہ چند لمحے تذبذب کا شکار ہوئے اُسے دیکھتی رہی پھر گلدستہ تھام کر گود میں رکھ لیا۔

"آپکو کس نے بتایا؟"

"روحا ہی بتا سکتی ہے۔تمھاری دوست سب سے بڑی نیوز بریکر ہے۔تمھارے لئے گفٹ لیا ہے۔مجھے اندازہ نہیں تھا کیا لوں پھر۔۔"

"پھر؟؟"

"روحا نے مدد کی۔"

ایک تو اُس کو ہر کسی کی مدد کرنے کا پتہ نہیں کیوں اتنا شوق ہے۔علیحہ دِل میں سوچنے لگی۔

زیام نے اسے پیک کی چھوٹی سی ڈبیا پکڑائی۔

"پکڑ لو۔" اس کے استفسار پر علیحہ نے اُس سے تھامتے ہی کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"ابھی مت کھولنا۔" زیام نے اُسے ٹوکا۔

"ابھی کیوں نہیں؟"

"یونیورسٹی آگئی ہے درخت کے نیچے بیٹھ کر کھولنا۔" علیحہ سر ہلا کر رہ گئی۔

زیام درخت کے نیچے دھپ سے زمین پر بیٹھا۔

علیحہ نے محسوس کیا وہ آج خوش تھا ضرورت سے زیادہ خوش۔۔

"بیٹھ جاؤ۔" اُسے کھڑا دیکھ کر زیام نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھ نہیں سکتی تھوڑی دیر میں میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

"چلو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔"

علیحہ اُس کے اسرار پر تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی اور ڈبیا کھولنے لگی۔وہ آج کلاس لینے کے لئے ہی یونیورسٹی آئی تھی ورنہ جس دن روحا نہیں آتی تھی تو وہ بھی آنے کی زحمت نہیں کرتی تھی۔

زیام متجسس سا اُسے دیکھ رہا تھا اسے اُس کے ردِ عمل کا اِنتظار تھا۔ڈبیا میں موجود سیاہ پتھر کی انگوٹھی دیکھ کر حیرت سے علیحہ کی آنکھیں پھیلیں۔اُس نے سوالیہ نظریں اُٹھا کر زیام کو دیکھا۔

"اچھی نہیں لگی؟"

"اِسکا مطلب جانتے ہو؟" علیحہ نے ڈبیا اُس کی آنکھوں کے سامنے کی۔

"ہاں اِس کا مطلب ہوتا ہے یہ پہن لی جائے تو دینے والے کا لینے والے پر حق قائم ہو جاتا ہے۔"

علیحہ کا حلق لمحوں میں خُشک ہوا تھا۔

"جب میں تمھارے بارے میں کُچھ جانتی نہیں تو یہ کیوں لوں گی۔" اُس نے جھنجھلاتے ہوئے ڈبیا اُس کے گھاس پر دھرے گھٹنوں کے پاس رکھ دی۔"میں سید زیام شاہ ہوں۔سید معین شاہ کا بیٹا اور سید سادام شاہ کا بھتیجا۔تُم جانتی ہو گی سید سادام شاہ کے نام سے بہت سی ٹرسٹس چل رہی ہیں۔ میرے ماما بابا بھی این جی اوز چلاتے ہیں اور میں شاہ انڈسٹریز کا ایک لوتا وارث ہوں۔نہیں میرا مطلب ایک لوتا لڑکا وارث ہوں۔" اُس کی معلومات پر علیحہ دم سادھے اُسے دیکھے گئی۔

زیام کے دماغ میں اپنے تایا کی بیٹی آئی تھی اور اُس کے بابا کے بقول وہ اُس سے زیادہ حصے کی مالک تھی کیونکہ پراپرٹی کا تیسرا حصہ اُن کا تھا باقی سید سادام شاہ کی ملکیت تھا جو اُن کی بیٹی کا حق تھا۔سید معین شاہ جتنی محبت اپنے مرحوم بھائی سے کرتے تھے وہ اپنے بھائی کی ایک لوتی اولاد کا ایک روپیہ اپنے پاس رکھنے کے روادار نہیں تھے مگر وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے وہ تب اُس کے حوالے سب کرنا چاہتے تھے جب وہ اُسے سنبھالنے کی اہل ہو جائے یا تب تک جب تک اُس کی ماں یا وہ خود اُس سب کا مطالبہ نہ کریں۔

"مگر ہمارے خاندان میں ایک برائی ہے۔زیام ذرا تامل دیر بعد بولا۔

"کیا؟" علیحہ اُس کی چہکتی آواز کے دھیما ہونے پر پوچھے بنا نا رہ پائی۔"ہمارے خاندان میں صرف سیدوں سے ہی شادی کی جاتی ہے۔"

"پھر مجھے یہ کیوں دے رہے ہو؟" علیحہ نے زیام کے ڈبیا دوبارہ اُس کی جانب بڑھانے پر کلس کر پوچھا۔
"یہ حق جتانے کے لئے نہیں دے رہا۔یہ تو دوست ہونے کے ناطے تمھاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔مجھے اُمید ہے تم مجھے غلط سمجھتے ہوئے انکار نہیں کرو گی۔"
"پھر ٹھیک ہے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں کہتی ڈبیا بیگ میں ڈالنے لگی۔مطلب وہ غلط اندازے لگا رہی تھی ضرورت سے زیادہ اُس کے بارے میں خوش فہم ہو رہی تھی۔اُس نے تھوک نگلتے گلے میں اٹکتے پھندے کو بہا ڈالا تھا۔
"یہ بیگ کے اندر کیوں ڈال رہی ہو؟" زیام اُسے بیگ میں ڈبیا ڈالتی دیکھ کر مچلا۔
"تا کہ گُم نہ ہو جائے۔"
"تُم پہن لو تو گم نہیں ہو گی۔"
علیحہ نے بنا کسی تاثر کے ڈبیا سے انگوٹھی نکال کر اُنگلی میں پہنی اور گہری سانس بھرتے رنجیدگی سے اُسے دیکھا۔"وہ بلکل پہلے والی جیسی تھی سائز بھی وہی تھا اُس نے پہنی وہ اُسی کے ماپ کی تھی۔"تم نے کہاں سے لی؟" اُسے لمحے کو شک ہوا جیسے یہ پہلے والی ہی ہے۔
"لی نہیں آرڈر پر بنوائی ہے۔اچھی لگ رہی ہے سیاہ پتھر کی انگوٹھی تمھارے ہاتھ پر ہی جچ سکتی ہے۔" مگر تعریف کرتے وقت اس کی نظریں علیحہ کے چہرے پر جمی تھیں۔علیحہ نے چہرہ جھکا لیا۔جذبات تو دہکتا کوئلہ ہوتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ سامنے والا اُس کی تپش دل کی سرزمین پہ محسوس نا کر پائے۔

تحفے کے قبول ہونے پر کسی کی آنکھوں میں ایسی چمک اُس نے کبھی نہیں دیکھی تھی جیسی اُسے زیام کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھی۔وہ گہرا سانس بھرتے کھڑی ہوئی نظر ہاتھ میں پہنی انگوٹھی پر گئی آنکھ میں ٹھہرا آنسووں ٹپ سے گرا۔اُسے خود سمجھ نہیں آئی تھی وہ زیام کو انکار کیوں نہیں کر پائی تھی اور لے لی تھی تو آنسو کیوں بہا رہی تھی۔وہ نہیں فیصلہ کر پائی تھی کہ ملال انگوٹھی کے لینے کا زیادہ تھا یا اِس انگوٹھی کے صرف تحفہ ہونے کا دکھ بڑا تھا۔اُس نے بھیگی آنکھیں سختی سے رگڑیں تا کہ اس کی آنکھوں کی نمی کسی کی نظروں میں نا آ جائے۔

....

زیام کی نظر لاؤنج میں داخل ہوتے صوفے پر بیٹھی سیدہ سعدیہ پر پڑی تھی جو موبائل پر باتوں میں مصروف تھیں۔زیام اُنہیں مصروف پا کر اونچی آواز میں سلام کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"زیام رکو۔"

"جی ماما؟" اُسے حیرت ہوئی تھی کہ اُس کی ماں نے کال کیوں کاٹ دی تھی۔عموماً وہ لمبی کالز کرتی تھیں اور بات مُکمل کر کے ہی اس کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔

"کل کینیڈا سے فاطمہ آ رہی ہے۔" زیام کے تاثرات سے لگا تھا کہ انہوں نے دستی بم زیام کے سر پر پھوڑ ڈالا تھا۔"وہ کیوں آ رہی ہے؟" لہجے سے ناگواری ٹپک رہی تھی۔

"کیا مطلب کیوں؟ یہاں آئے گی تو ہم رشتے کی بات آگے بڑھائیں گے۔" سیدہ سعدیہ کو اس کا سوال بے تکا لگا تھا۔

"اُس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈھ لیں اور مُجھے بخش دیں۔" زیام نے باقاعدہ ہاتھ باندھے۔

"کیا وہ تُمہیں اتنی نا پسند ہے؟"

"جی بلکل۔"

"مگر شادی تمہاری تو اُسی سے ہو گی اپنی ناپسندیدگی میں کمی لاؤ۔"

زیام کے چہرے کے زاویے بگڑے اُسے اپنی ماں سے رحم کی اُمید تھی جو وہ اُسے کرنے پر آمادہ نہیں نظر آ رہی تھیں۔

"وہ آئے تو اچھے سے پیش آنا۔" انہوں نے نیا حکم صادر کیا۔

"میں نے تمھاری بہت تعریفیں کر رکھی ہیں۔"

"ماما اگر آپ نے انہیں کہا ہے کہ میں بہت خوبصورت اور ہینڈسم ہو گیا ہوں تو پھر تو اُنکی توقعات اور آپکی باتیں غلط ہی ثابت ہو کر رہیں گی۔"

"فاطمہ آئے گی تو تُم دونوں کی جلد ہی منگنی کر دیں گے۔" سیدہ سعدیہ اُس کی بات یکسر نظر انداز کر گئیں کیونکہ وہ اسی قسم کے دعوے کر چکی تھیں اُنہیں تو وہ خوبصورت اور ہینڈسم ہی نظر آتا تھا۔ماں کی نظروں میں بھی کیا کمال رکھا گیا ہے۔

"منگنی تو تم سید زیام شاہ کر نہیں چُکے؟"

اُس نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں سوال کیا تھا اور اپنے ہی سوال پر ہنس پڑا تھا۔

سیدہ سعدیہ نے حیرت سے اُسے ہنستے دیکھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو اب تُم میری باتوں پر ہنسو گے؟" سیدہ سعدیہ اونچی آواز میں بولی تھیں مگر زیام اپنی دھن میں چلتا گیا تھا۔

آج وہ اپنی دھن میں ہی تھا اُس کے لیے اتنا کافی تھا کہ علیحہ نے اُس کا دِل سے دیا گیا تحفہ قبول کر لیا تھا۔

....

روحا ٹریک پر جاگنگ کر رہی تھی۔یہ اُس کا صبح شام کا معمول تھا وہ ایک گھنٹہ جاگنگ ضرور کرتی تھی۔اُس کی پینٹ کی جیب میں موجود موبائل مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا۔

روحا نے رک کر سانس بحال کیا اور موبائل نکال کر دیکھا انجان نمبر سے مُسلسل کالز آ رہی تھیں۔

"جی فرمائیں۔۔" اُس نے کال اٹھاتے ٹکا سا سوال کیا لہجہ سنجیدہ تھا اور وجہ نمبر کا انجان ہونا تھا۔تیز قدموں سے کی چہل قدمی سے اُس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"روحا ابتسام آفندی؟" سوالیہ آواز ابھری۔

"جی بول رہی ہوں۔"

"آپ کے لیے ہمارے پاس بہت اہم معلومات ہیں۔"

کال کرنے والے نے اُسے متجسس کرنے کی کوشش کی۔"میرے پاس بھی آپ کے لیے بہت اہم معلومات ہیں۔" وہ شریر مسکراہٹ لبوں میں دباتے بولی۔"جیسے کہ؟" دوسری جانب سے تعجب سے

پوچھا گیا۔"جیسے کہ میں نے اتنی دیر میں آپکا نمبر ٹریس کر لیا ہے اب میں ایڈریس پولیس کو دوں گی آپ پر ہریسمنٹ کا کیس کرواؤں گی اور آپ جیل میں جائیں گے۔"

"جی؟؟" آواز میں پریشانی گھلی۔

"جی اور آپکی معلومات میں مُجھے کوئی دلچسپی نہیں میں خود معلومات کی چلتی پھرتی دکان ہوں۔"

"دیکھیں آپ میری بات۔۔۔"

"ارے آپ اپنی چھوڑیں آپ میری بات سنیں میں معلومات رکھنے کے ساتھ ساتھ دو چار پسٹل بھی اپنے پاس رکھتی ہوں اور جب کراچی میں دہشت گردی ہوتی تھی میں اُس میں بھی ملوث تھی۔" اُس کی قینچی سی چلتی زُبان پر دوسری جانب سے کال کاٹ دی گئی تھی کیونکہ بدقسمتی سے وہ اُس کی زبان نہیں کاٹ سکتا تھا اس کا اختیار صرف کال کاٹ دینے پر تھا۔

روحا نے موبائل کی سکرین کو دیکھ کر زور دار قہقہہ لگایا تھا۔اُسے خوف زدہ تو دور کی بات اُس کے سامنے کوئی اپنی بات بھی اُس کی مرضی کے خلاف نہیں کہہ سکتا تھا۔

"سر یہ تو بات سیریس ہی نہیں لے رہی۔"

"جس باپ کی بیٹی ہے ہمیں اِس سب کی ہی اُمید ہونی چاہیئے تھی۔تُم اِسکا پیچھا کرتے رہو اِس کے بارے میں ساری معلومات تمھارے پاس موجود ہونی چاہیے۔میں امریکہ سے واپس آ جاؤں پھر اِسکا کام تمام کرتے ہیں۔یہاں زنجیروں میں جکڑی پڑی ہو گی تو سب کچھ سیریس لینے لگے گی۔ہماری بات بھی مانے گی اور سمجھ بھی جائے گی۔" سلیم رضا بولا تو اس کی آواز میں سانپ سی پھنکار تھی۔

"اُمید ہے ایسا ہی ہو۔" سامنے کھڑے شخص نے بے دلی سے سلیم صاحب کی بات کے جواب میں کہا ورنہ جو باتیں اُس نے ابھی سنی تھیں اُسے روحا کے بارے میں کوئی اچھی اُمید نہیں تھی۔

~~~

علیحہ کوریڈور میں لگی آہنی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی اُنگلیاں مروڑ رہی تھی۔وہ پہلی بار کسی جاب کے انٹرویو کے لیے آئی تھی اُن کے ہاں جتنی بھی غُربت تھی مگر اُس نے نوکری کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔سب سے زیادہ حیرت کی بات تھی وہاں اور کوئی لڑکی انٹرویو دینے کے لیے موجود نہیں تھی۔دماغ خوف کے زیرِ اثر تھا وہ پریشان تھی اگر وہ ٹھیک سے بول نہ پائی، کام نہ کر پائی اور اتنی اچھی نوکری ہاتھ سے گوا بیٹھی تو جو اچھی زِندگی کے خواب وہ دیکھنے لگی تھی سب دھرے رہ جائیں گے۔اُسکی خواہشات پھر سے صرف خواہشات کی حد تک رہ جائیں گی۔اپنے ہی خیالات پر اس کا دل ڈوب کر اُبھرا۔

"میم آپکو بوس بلا رہے ہیں۔" علیحہ نے سامنے کھڑے شخص کو سر اٹھا کر دیکھا۔وہ پچیس چھبیس سال کا نوجوان معلوم ہوتا تھا جو چہرے پر مروت بھری مسکراہٹ سجائے کھڑا تھا۔

علیحہ ہاتھ میں فائل پکڑے مریل قدم اُٹھاتی چلنے لگی دِل چاہ رہا تھا گھر واپس بھاگ جائے۔
~~~

"آپ پریشان نہ ہوں بوس بہت اچھے ہیں۔" وہ اس کی تسلی پر پھیکی مسکراہٹ چہرے پر لاتی سر ہلا کر رہ گئی۔

ظاہر ہے یہ یہاں کام کرتا ہے اپنے بوس کی بُرائی تو نہیں کر سکتا۔اور اگر وہ برائی کے ہی لائق ہوا تو پھر میں یہاں کیسے کام کر سکوں گی؟ علیحہ پر اُس کی تسلی دینے کا بھی اثر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے دماغ میں نئے خدشات اُبھرے تھے۔گہرا سانس کھینچتے اُس نے دروازے کا ہینڈل دبایا دھڑکتے دل کے ساتھ سر جھکائے قدم آگے رکھے۔

"السلام و علیکم سر۔۔"

وہ دھیمی آواز کے ساتھ بولی تھی اسے شبہ ہوا کہ اُس کی آواز مقابل تک پُہنچ ہی نہیں سکی۔

مگر مریان اچھی سماعت کا مالک تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹھ جائیں مس علیحہ۔۔"

آواز میں نرمی تھی اتنا شائستہ لہجہ کے وہ سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔

علیحہ کے دماغ میں جیسے بوس کا خاکہ تھا وہ مریان کو دیکھتے خاک ہو گیا تھا۔وہ کسی نوجوان بوس کی اُمید نہیں رکھتی تھی۔

ہلکی بھوری دِلکش آنکھیں، نکھری رنگت، بال اور داڑھی گہرے سیاہی مائل رنگ کے تھے چہرے پر سنجیدگی رقم تھی۔

علیحہ کو وہ شناسا چہرہ لگا تھا مگر وہ اِس وقت پوچھنے کی حالت میں نہیں تھی گھبراہٹ سے دِل اچھل کر حلق کو آ رہا تھا۔مریان جو لیپ ٹاپ پر تیزی سے اُنگلیاں چلا رہا تھا میز کی جنبش پر ٹھٹھکا۔نظریں

علیحہ کے ہاتھوں پر پڑیں جو کانپ رہے تھے۔سیاہ پتھر کی انگوٹھی پر اُس کی نظر ٹکی جو اُس نے فوراً ہٹا لی۔

"سیاہ پتھر ہر کسی کے ہاتھ میں اتنا جچتا ہے؟" وہ سوچ کر رہ گیا۔"آپ کانپ کیوں رہی ہیں؟" مریان لیپ ٹاپ بند کرتے ہتھیلیاں آپس میں ملاتے نظریں اُس پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"نن۔۔نہیں تو" اُس کے یوں پوچھنے پر وہ مزید جھینپی۔"پریشان نہ ہوں میں بہت نرم دل اِنسان ہوں۔" اپنے ہی الفاظ پر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔

"سیاہ پتھر دُنیا میں سب سے زیادہ کشش رکھتا ہے۔" مریان کے الفاظ پر بے اختیار اُس کی نظریں اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی پر پھسلیں۔

"کیسے؟" علیحہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ بات اُس کا سیاہ پتھر دیکھ کر ہی کی گئی تھی۔

"دُنیا میں سب سے زیادہ لوگ جس چیز کے گرد اتنی عقیدت سے طواف کرتے ہیں وہ سیاہ پتھر ہی تو ہے۔" علیحہ کو اگلے ہی لمحے سمجھ آ گئی تھی وہ کس پتھر کی بات کر رہا تھا۔

"خانہ کعبہ؟"

"بلکل اور سیاہ پتھر پہننے والے بھی اپنے اندر کشش رکھتے ہیں۔بہت کم لوگ ہیں جو مختلف چیزوں کی طرف رجحان رکھتے ہیں مختلف لوگوں کی پسند بھی مختلف ہوتی ہے۔سیاہ پتھر کے متعلق ایک کہانی بھی ہے۔

"کون سی؟"

"پھر کسی دن سناؤں گا۔"

پھر کسی دن؟ مطلب یہ اس کا پہلا اور آخری دن نہیں تھا؟ وہ اسے جاب پر رکھ رہا تھا؟ پر بتانے کا یہ کون سا پہیلی نما طریقہ تھا؟

وہ خود سے سوالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ مریان نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔علیحہ سہم کر پیچھے ہوئی۔ مریان نے اُس کے سامنے پڑی فائل اُٹھا کر فوراً بازو پیچھے کیا۔علیحہ کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر اُس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

علیحہ کا اٹکا سانس بحال ہوا۔

"سالگرہ مبارک۔۔" علیحہ نے مریان کی اگلی بات پر حیرت سے مریان کو دیکھا۔

"جی؟"

"کیا آپ کو ٹھیک سنائی نہیں دیتا؟؟ اگر ایسا کوئی مسئلہ ہے تو پھر آپ یہاں کام نہیں کر سکتیں۔آپکو کاؤنٹر پر کال ریسیو کر کے مُجھے مطلع کرنا ہو گا اور اُس کے لیے ٹھیک سنائی دینا بہت ضروری ہے۔"

"مُجھے ٹھیک سنائی دیتا ہے۔"

"پھر غالباً آپ نے حیرت کی وجہ سے پوچھا ہے۔حیران ہونے والی بات نہیں آپکے کوائف میں آپکی ڈیٹ آف برتھ دیکھی ہے اور اس کے مطابق آج آپکی سالگرہ ہے۔"

"کیا میں ٹھیک سوچ رہی ہوں کہ میں نے آپکو پہلے بھی دیکھا ہے۔"

"جی بالکل آپ نے مجھے پہلے دیکھا ہو گا۔" اُس کے رسان سے کہنے پر علیحہ نے اپنے ذہن پر زور ڈالا مگر اُسے یاد نا آیا۔

”کہاں؟“

”میرے خیال سے ٹی وی پر دیکھا ہو گا۔اِس شہر کا مئیر ہوں۔“

علیحہ کا اپنی ذہانت پر ماتم کرنے کو دِل چاہا۔

اُسے سیاست میں دلچسپی نہیں تھی مگر اُس نے خبروں میں اسے کئی بار دیکھ رکھا تھا مگر عہدوں کی اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔

”کراچی کے مئیر نے مُجھے جاب کیوں آفر کی؟“

اب اُس کی جھجھک کم ہو رہی تھی وجہ اس کا عام سا انداز جس میں کہیں غرور و تکبر پھٹکتا بھی نہیں تھا۔

”میرا فرض تھا اور فرض ادا کرنے چاہئیں۔“

اِس بات پر دونوں کے ذہن میں ایک ہی شخص آیا۔دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی تھی جو وہ ایک دوسرے سے چھپا گئے تھے۔

”آپ جا سکتی ہیں اپنی سالگرہ کا دن منائیں کل سے جوائن کر سکتی ہیں۔“ اُسے مطلع کرتے وہ ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔علیحہ کو اس کی بات نے پھر حیرت میں ڈالا۔اُسے وہ اپنی توقعات کے برعکس اِنسان لگا تھا۔وہ ٹھیک کہہ رہا وہ نرم دِل تھا بلکہ بلاں کا نرم دِل تھا۔

اُس کے مصروف ہونے کا مطلب تھا وہ اب جا سکتی تھی۔علیحہ اُس کے سامنے سے فائل اٹھا کر بیگ کی سٹریپ کندھے پر لٹکائے کھڑی ہوئی اور اُسے شکریہ کرتی باہر نکلی۔باہر نکلتے ایک اطمینان بھری سانس ہوا کے سپرد کی۔وہ خوش تھی بے پناہ خوش۔۔!!

....

مریان گھر میں داخل ہوا تو لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔مگر وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔مریان نے کھنکھار کر اُسے اپنی طرف متوجہ کروایا۔

”آ گئے ہیں آپ۔۔“ مریان نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

اُسے اُمید تھی وہ اسے دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ جائے گی اُس کی جانب متوجہ ہو گی مگر وہ ٹو ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ہنوز سکرین پر نظریں جمائے اطمینان سے بیٹھی تھی۔اب وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

”گھر آنے کی وجہ پوچھنی ہے؟“ روحا کے اچانک سوال پر اُس کا سر خود با خود اثبات میں ہلا۔

”میری ماما کہتی ہیں کہ اگر کسی سے معزرت کرنی ہو یا اُس کی معزرت قبول کرنی ہو تو اُن کے گھر جانا چاہیے۔“

”واقعی؟“ وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔اُسے یقین تھا وہ دادو سے ملنے آئی تھی اور اس پر مفت میں احسان جتا رہی تھی۔

”ہاں وہ کہتی ہیں کہ کسی کے گھر جا کر معزرت کی جائے تو اِس کا مطلب ہے ہم اپنی غلطی پر دِل سے شرمندہ ہیں اِس لیے ہم اتنی محنت سے ان کے گھر آ کر معافی مانگ رہے ہیں اور اگر ہم کسی

کے گھر جا کر اس کی معافی قبول کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہم اُنہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے اور ہم نے تہہِ دِل سے اُنہیں معاف کر دیا ہے۔"

"دلچسپ۔۔اور دادو کہاں ہیں؟" مریان اِدھر اُدھر متلاشی نظر دواڑا رہا تھا۔

"کچن میں ہیں۔" بے نیازی سے جواب آیا تھا۔

"کیا؟ دادو اور کچن میں؟" اُس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ میز پر رکھا اور نظریں کچن کی جانب کیں۔

"ہاں تو۔۔؟"

"وہ کیا کرنے گئی ہیں؟"

"میرے لیے کیک لینے گئی ہیں۔"

"وہ کیک لینے گئی ہیں؟" مریان کا حیرت کے مارے برا حال تھا۔"ہاں تو یہی کہہ رہی ہوں کہ کیک لینے گئی ہیں مگر بنایا میں نے ہی ہے۔"

"ویسے تُم آتی ہو تو گھر میں گھر والا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔" وہ حیرت پر قابو پاتے ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے بولا۔ مگر روحا دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی بات نظر انداز کر گئی۔

"مریان تُم آ گئے دیکھو روحا نے کتنے مزے کا کیک بنایا ہے۔" صبیحہ بیگم کیک کے پیس پلیٹ میں رکھے لا رہی تھیں۔

"بس دیکھانا ہی ہے کھلانا نہیں؟" اُس نے آگے سر جھکا کر دیکھا۔"واہ ریڈ ویلویٹ کیک بٹر کریم فرسٹنگ کے ساتھ۔۔" ستائشی انداز میں کہتے اُس نے جوں ہی ہاتھ آگے بڑھایا رغبت سے کیک کھاتیں صبیحہ بیگم نے پلیٹ پیچھے کر لی۔

"اندر سے اپنے لیے ڈال لاؤ۔" مریان ایسی کنجوسی پر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"دادو اب آپکی طبیعت ٹھیک ہے؟" اصل میں وہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اچانک سے آپکی طبیعت میں اتنی بہتری کیسے آئی ہے؟

"بالکل ٹھیک ہیں ابھی ہم والک کر کے آئے ہیں۔"

روحا نے مداخلت کرتے ہوئے جواب دیا۔ مریان کو دوسرا جھٹکا لگا تھا مگر لگانے والی ایک ہی تھی۔

"دادو آپ والک کرنے کیسے چلی گئی تھیں؟"

"ظاہری بات ہے چل کر ہی جاتے ہیں۔" اُن کی بجائے دوبارہ روحا نے جواب دیا تو صبیحہ بیگم نے صرف شانے اچکانے پر اکتفا کرتے دوبارہ سر پلیٹ پر جھکایا۔

"دادو میں کمرے جا رہا ہوں تھک گیا ہوں۔" وہ کمرے کا کہہ کر کچن کی جانب چل پڑا تھا اور چند منٹ بعد باہر نکلا تو ہاتھ میں کیک تھا۔

"کیک واقعی اچھا ہے۔" روحا نے مریان کے ستائشی انداز پر نظروں کا رُخ اُس جانب موڑا۔"ماما سے سیکھا ہے وہ بیکنگ میں ایکسپرٹ ہیں۔"

"کیک کہاں لے کے جا رہے ہو؟" صبیحہ بیگم نے اسے سارا کیک اُٹھا کر لے جاتا دیکھ کر احتجاج کیا۔

"اپنے روم فریزر میں رکھنے ورنہ آپ لوگ ہاتھ صاف کر لیں گے اور دادو اب آپ نے کھا لیا ہے آئندہ کے بعد یہ مت بھولیے گا کہ آپ کی شوگر ہائی ہو سکتی ہے پھر آپکی یہ چہیتی آپ کی بیمار پرسی کرنے کے لیے نہیں آئے گی۔"

"لیکن میں نے تو کھایا ہی نہیں۔" روحا نے منھ بسورا۔ "تم اور بنا لینا اور اِس کے بدلے میں نے تمھاری معزرت قبول کر لی ہے۔"

وہ ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب چل پڑا۔ "بوڑھا۔۔" وہ بڑبڑائی اور کیک کھانے میں مصروف دادو نے اُس کی بڑبڑاہٹ پر غور نہیں کیا۔

"آ جاؤ تُمھیں البم دکھاؤں۔"

صبیحہ بیگم کیک سے فراغت کے بعد بولیں تو روحا خاموشی سے اُن کے پیچھے چل پڑی تھی۔

وہ یونیورسٹی سے چھٹی کر کے بڑی فراغت سے آئی تھی۔ صرف اور صرف صبیحہ بیگم کی وجہ سے ان کا پچھلی باری کا بجھا بجھا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے منڈلاتا رہا تھا۔ جب وہ آئی تھیں تو گھر کام میں کرتیں ملازمہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور وہ بھی اُس کی موجودگی میں ہی کام نپٹا کر چلی گئی تھیں۔

جب اُس نے اُن سے پوچھا کہ وہ اکیلی کیا کرتی ہیں تو ان کے "بوڑھا وجود اکیلا ہی رہ جاتا ہے" جیسے الفاظ نے اُسے مزید کُچھ دیر رکنے پر مجبور کر دیا ورنہ وہ مریان کے واپس آنے سے پہلے جانے کے ارادے سے آئی تھی۔

"یہ دیکھو مریان کے ماما بابا۔" صبیحہ بیگم نے البم میں ایک تصویر کی جانب اشارہ کیا جس کے ایک مسکراتا جوڑا کھڑا تھا۔

"مریان کی آنکھیں اپنے بابا جیسی ہیں۔"

وہ مہتاب لکھانی کی بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے شاکڈ سی بولی۔"ہاں مریان کی آنکھیں بھی اسی رنگ کی ہیں۔"

"تُم عفیفہ سے ملتی ہو۔"

روحا نے سر جھکا کر بغور اُس تصویر کو دیکھا جہاں وہ انگلی رکھے ہوئی تھیں۔"نہیں انکی آنکھیں تو نیلی ہیں شکل بھی نہیں ملتی۔"

صبیحہ بیگم اُس کی اس بات پر دھیرے سے ہنس دیں۔"میں نے شکل سے نہیں عادتوں کے لحاظ سے کہا ہے۔وہ بھی تمہاری طرح ہی خوش اخلاق اور ملنسار ہو۔"

"یہ کب کی ہے؟"

وہ مریان کی ایک تصویر پر اُنگلی جمائے پوچھ رہی تھی جس میں وہ ہاتھوں پر چہرہ گرائے معصومیت جھاڑ رہا تھا۔

"یہ چار سال پہلے مریان کی سالگرہ کے دن کی ہے۔"

"سالگرہ کب ہوتی ہے؟" کُچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا۔"دو دن بعد ہے۔"

"فروری میں اتنے زیادہ لوگوں کی سالگرہ آ رہی ہیں۔" اُسے کل منائی گئی علیحہ کی سالگرہ یاد آئی۔

"دُنیا میں سب سے کم لوگ فروری میں پیدا ہوئے ہیں۔"

"مگر میرے آس پاس تو بہت سے لوگ اِس مہینے میں پیدا ہوئے ہیں۔"

"اِسکا مطلب ہے تمھارے آس پاس منفرد لوگ ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"کم چیز ہی منفرد ہوتی ہے ورنہ آسانی سے ملنے والی چیزوں کی تو بہتات ہے۔مریان بھی بہت منفرد شخصیت کا مالک ہے۔"

روحا خاموش رہی تھی۔دادی کی اپنے پوتے کے لئے محبت تھی وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

....

"یار تمھاری یہ کزن کب آئے گی لگتا ہے اُسکا بھی تمھاری شکل دیکھنے کا موڈ نہیں ہے۔" آذر آدھے گھنٹے سے بیٹھا فاطمہ کے آنے کے انتظار میں گھلے جا رہا تھا۔

"لو آ گئی۔"

"کہاں؟" آذر کے ادھر اُدھر دیکھنے پر زیام نے اُس کے سر پر چت لگائی۔

"اندھے ہو گئے ہو وہ سامنے جو گاڑی کی طرف آ رہی ہے۔"

"یہ فاطمہ ہے؟" اُسے دیکھتے آذر کے چراغوں میں تو روشنی نا رہی تھی۔

"ہاں یہی ہے۔" زیام نے ایک ناگوار سی نگاہ اُس پر ڈالی۔"اپنے نام پر تو بلکل پورا نہیں اترتی۔"

"تُم اِس طرح کے تبصرے کب سے کرنے لگے؟"

"توقعات کے برعکس شخصیت ہے اِس کی مجھے سید خاندان کی لڑکی کو اِس حالت میں دیکھنے کی اُمید نہیں تھی۔" اُس نے نبیہا اور روحا کو ہمیشہ مشرقی لباس میں دیکھا تھا۔یونیورسٹیز کی لڑکیوں میں سے بھی اس نے کسی کو اِس قسم کے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔وہ جسم سے چسپاں سکرٹ نیچے گھٹنوں سے

تھوڑا نیچے تک ٹائٹ پینٹ پہنے ہوئے تھی۔ سفیدی مائل گندمی رنگت چہرے کے نقوش بھی نمایاں نا تھے۔

"تمھارے گھر والوں سے مُجھے ہمیشہ سے یہی اُمید تھی کہ جِس طرح وہ تُمہیں لڑکیوں سے باز رہنے کا کہتے تھے تُمہیں ایسی ہی کسی لڑکی کے پلے باندھیں گے۔" آذر کو بے اختیار زیام پر ترس آیا۔ "عینی اِس سے ہزار درجے بہتر ہے۔"

"اور علیحہ لاکھ درجے بہتر ہے۔" زیام فوراً سے بولا۔ "تُمہیں لگتا ہے تمھارے گھر والے اُس چھوٹے سے گھر میں رہنے والی متوسط طبقے کی لڑکی سے تمھاری شادی کر دیں گے؟"

"اُنہیں صرف سید لڑکی چاہیے بھلے اِس چڑیل جیسی ہو۔" دونوں نے اُس کی جانب دیکھا جو اپنی ٹرالی گھسیٹتی آگے بڑھ رہی تھی۔

"کیا معیار ہے تمھارے گھر والوں کا۔۔" وہ داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا۔

زیام اُسے قریب آتا دیکھ کر دروازہ کھولتے باہر نکلا اور اس سامان گاڑی کی ڈکی میں رکھنے لگا۔

"زیام تُم تو ویسے ہی ہو۔" فاطمہ نے زیام کو دیکھتے ہی کہا۔

"ہاں تو میں نے کون سا اتنے عرصے میں پاکستان کرکٹ ٹیم کا کپتان بن جانا تھا۔" وہ قدرے آہستہ آواز میں بولا تھا۔

آذر نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔ "ویسے تُم ہینڈسم ہو گئے ہو۔"

زیام اُس کی تعریف کو خاطر میں لائے بغیر بیک سیٹ کا دروازہ کھول کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے خود ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔

"ہائے ایم سیدہ فاطمہ۔۔"

اُس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے آگے بیٹھے آذر کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

آذر کی سیاہ بڑی آنکھوں کی پتلیاں سکیڑیں۔

وہ سیاہ و سفید ٹی شرٹ پہنے اپنی وجاہت کو چار چاند لگا رہا تھا۔وہ خاندانی حسین تھا اُن کے خاندان کا ایک ایک فرد خوبصورتی کے معیار پر پورا اترتا تھا۔

آذر نے اُس کے ہاتھ کی جانب دیکھا اور آنکھیں پھیر کر دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔اُس کے چہرے پر صاف نا رقم تھا اور پیچھے بیٹھی لڑکی کو اس کی یہ ادا بھی بھا گئی تھی۔وہ ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

آذر اُس کی نظروں سے کوفت زدہ ہو کر گاڑی سے باہر دیکھنے لگا۔مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اُسے ہی دیکھ رہی تھی مگر زیام کی وجہ سے اُسے اس حرکت پر سخت سُست نہیں سنا سکتا تھا۔

"یار تمھاری کزن بہت ٹھرکی ہے۔"

آذر فاطمہ کے اندر جاتے ہی پُر شکوہ انداز میں زیام سے کہہ رہا تھا۔زیام کا قہقہہ گونجا۔

"یار جیسے وہ تُمہیں دیکھ رہی تھی اگر تُم اِس سے میرا پیچھا چھڑوا دو تو میں تا عمر تمھارا احسان مند رہوں گا۔تُمہیں تو ویسے بھی بولڈ قسم کی لڑکیوں پر اعتراض نہیں ہوتا۔" فاطمہ کی اُس پر جمی نظریں زیام سے بھی نا اوجھل رہ پائی تھیں۔

”بھاڑ میں گئی ایسی احسان مندی اور مُجھے تہذیب کے دائرے میں رہ کر فیشن کرنے والوں پر اعتراض نہیں اور عینی والا طنز نہ کیا کرو وہ ایسے ہر کسی پر لائنیں نہیں مارتی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ویسے بھی آذر احتشام آفندی پر صرف اُس لانبی پلکوں والی لڑکی کی نظر اثر کرتی ہے اس طرح کی مردوں پر نظر رکھنے والی لڑکیوں کو تو میں نظر اُٹھا کر دیکھنا پسند نا کروں۔“

”غُصہ کیوں کر رہے ہو مذاق کر رہا تھا۔میں جانتا ہوں تُم روحا کو بہت پسند کرتے ہو اور وہ پسند کیے جانے کے ہی قابل ہے۔چھوڑو سب اب اندر آ جاؤ۔“ زیام نے اُسے جذباتی ہوتا دیکھ کر کہا۔”نہیں کم از کم تمھاری اِس کزن کی موجودگی میں تُمھارے گھر ہرگز نہیں آؤں گا اُسکی نظروں سے میرا دماغ گھوم جائے گا۔“

”اور اگر وہ میرے گھر میں مستقل رہائش پذیر ہو گئی تو...؟“

”اللہ تعالیٰ تُمہیں ایسے عذاب سے بچائیں اور تُمہیں اب تک لڑکیوں سے دور رہنے کا ایسا اجر ہرگز نہ دیں۔“

زیام اُس کی دعا سن کر کندھے اچکاتا گھر میں داخل ہوا۔اُس کے پاس نہ تو گھر سے باہر رہنے والا آپشن تھا اور نہ ہی اُسے آذر کی دعا قبول ہونے کے اثرات نظر آ رہے تھے۔گھر کا منظر دیکھ کر اُس کی آنکھیں میں سرخی در آئی تھی۔

سیدہ سعدیہ فاطمہ کی خاطر داریوں میں مصروف تھیں۔”ایسی بھی کیا بہن کی محبت کے بیٹے کو قربانی کا بکرا بنا دو۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا ان کے پاس سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔

"زیام اِدھر آؤ۔" سیدہ سعدیہ کے پکارنے پر وہ منہ بناتا بغیر کچھ بولے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اُن کو زیام پر طیش آیا تھا مگر وہ فاطمہ کے سامنے اُس کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

~~~

"بابا مُجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" سید معین شاہ جو ہاتھ میں چائے کا کپ لے کر بیٹھے تھے اُس کے آنے پر کپ میز پر رکھتے اُس کی جانب متوجہ ہوئے۔"ہاں بیٹھ جاؤ۔" اُنھوں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو زیام خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"کیا بات کرنی ہے؟" سید معین شاہ نے کمرے میں پھیلی خاموشی توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"مُجھے فاطمہ سے شادی نہیں کرنی۔" زیام نے پہلی بات پر ہی اُنہیں جھٹکا دیا تھا۔"کیوں اُس میں برائی کیا ہے؟" وہ تردد سے اُس کی جانب دیکھ رہے تھے۔"اُس میں اچھائی کیا ہے؟" اُلٹا سوال کیا گیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی کوئی کافر نہیں ہے بس روایات اور مذہب سے تھوڑا دور ہے۔"

"بابا کافر کو مسلمان کرنا آسان ہے مگر مسلمان کو راہِ راست پر لانا مُشکل ہے وہ مسلمان ہے تو آپکو دلائل دینے کی کوشش کرے گا چاہے من گھڑت ہی کیوں نہ ھوں۔" سید معین لا جواب ہو گئے تھے مگر وہ اپنے بیٹے کے سامنے بے بس نہیں ہو سکتے تھے۔

"کسی اور کو پسند کرتے ہو؟" زیام اُن کے سوال کے جواب میں خاموش ہو گیا تھا اُنہوں نے ہوا میں تیر چلایا تھا اور عین زیام کے دِل پر لگا تھا۔

"جی۔۔" چند لمحوں کے تامل کے بعد اس نے اقرار کر ہی لیا تھا۔
~~~

"لڑکی کا کیا نام ہے؟"

"علیحہ۔۔"

"مکمل نام۔۔؟" اب کی بار سید معین کی تیز آواز کمرے میں گونجی۔

"علیحہ امین بخش۔۔"

"مطلب سید نہیں ہے؟"

"نہیں۔۔" زیام کی آواز مزید مدھم ہوئی۔

"پھر بھی تُم یہ توقع کر رہے ہو کہ ہم گھر کی بچی پر اُس کو فوقیت دیں گے سارے خاندان کے خلاف جائیں گے؟"

"فوقیت دینی چاہیے کیونکہ کہ وہ فاطمہ سے ہر لحاظ سے اچھی ہے۔آپ اسے صرف سید نہ ہونے کی وجہ سے نہیں دھتکار سکتے۔"

"تُمہیں فاطمہ کے لباس پر اعتراض ہے آئندہ کے بعد تُمہیں وہ بیہودہ لباس میں نہیں دیکھائی دے گی۔"

"لیکن بابا زبردستی سے آپ اُس کی سوچ، خیالات اور فطرت نہیں بدل سکتے۔"

"سمجھانے سے ہر شخص سمجھ جاتا ہے بس آپکو سمجھانا آنا چاہیے۔تُم یہ سمجھنا تُم کو ایک مسلمان کو سدھارنے کی زمہ داری مل گئی ہے۔"

زیام تحیر سے سید معین کی جانب دیکھ رہا تھا جو اُس کی بات پسِ پشت ڈال کر اُسے نئ منطق پڑھا رہے تھے۔

"میری پسند کے بارے میں آپ کیوں نہیں سوچ رہے۔میری رائے کیوں نہیں لے رہے؟"
"دیکھو زیام تُم جانتے ہو ہمارا خاندان سیدوں کا مانا جانا خاندان ہے ہمارے خاندان میں کبھی کسی نے سید خاندان سے باہر شادی نہیں کی۔"
"ٹھیک ہے علیحہ نہیں تو فاطمہ بھی نہیں آپ نے سید لڑکی سے کرنی ہے تو کسی اچھی سلجھی ہوئی لڑکی سے کریں تا کہ مُجھے اِس بات کا افسوس تو نہ ہو کہ میں نے صرف سید نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے ساتھ ایسا کیا۔" زیام کا انداز دو ٹوک تھا۔
"تمھاری ماں کو اپنی بہن سے بہت محبت ہے اُس کا کہنا ہے کہ اُس کی بیٹی یہاں آ گئی تو سدھر جائے گی اُس کی زندگی برباد ہونے سے بچ جائے گی۔ تمھیں تمھاری ماں سے جتنی محبت ہے مُجھے اُمید ہے تُم اُسے نہ اُمید نہیں کرو گے۔"
"لیکن میں صرف علیحہ کو پسند کرتا ہوں۔" زیام بضد تھا۔
"میں تمھاری خاطر خاندان کی روایت نہیں توڑ سکتا اور نہ تُمہیں بغاوت کی اجازت دے سکتا ہوں۔"
"بابا آپ جوان بیٹے پر جبر کر رہے ہیں۔"
"جبر نہیں مان ہے جو تُم نے آج تک نہیں توڑا میں اُمید کرتا ہوں آئندہ بھی ایسا نہیں کرو گے۔ زیام میں نہیں چاہتا کہ خاندان کی روایات سب سے پہلے توڑنے والا میرا بیٹا ہو۔میں اُمید کرتا ہوں تُم جوان ہو گئے ہو تو ہماری اُمیدیں نہیں توڑو گے۔" زیام بت بنے بیٹھا رہا اُس نے کہنا چاہا مگر مزید کُچھ نا بول سکا۔اُسے اُمید نہیں تھی وہ اپنے باپ کے الفاظ کے آگے ایسے بے بس ہو جائے گا۔وہ اُٹھا

اور بوجھل قدموں کے ساتھ باہر نکلا۔وہ ڈھیروں ہمت جمع کر کے بات کرنے آیا تھا اور بات کرنے کے بعد ساری ہمت کھو بیٹھا تھا۔

علیحہ یا ماں باپ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا اور اُسے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنے اور علیحہ کے ساتھ ہی زیاتی کرے گا ماں باپ کی بات ٹالنا اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا اور نہ وہ سیکھ سکتا تھا۔

....

مریان نیلاہٹ زدہ آسمان کو گھور رہا تھا۔پچھلے ایک گھنٹے سے وہ روحا کے انتظار میں بیٹھا اب بے زار ہونے لگا تھا۔اُس نے سائڈ کا ٹیبل بُک کیا تھا اور چہرہ چھپا کر بیٹھا تھا۔

چہرہ چھپا کر رکھنا اب اُسکا معمول بنتا جا رہا تھا۔اسے لوگوں سے بچنا پڑتا تھا اُس کی عزت کا سوال تھا وہ اِس عہدے پر ہونے کے بعد ہر جگہ دندناتا نہیں پھر سکتا تھا۔

"بات سنیں۔"

مریان ویٹر کو قریب سے گزرتا دیکھ کر بولا۔

"جی سر۔" آنکھوں میں شناسائی اُبھرتے ہی اُس کے لبوں کو مسکراہٹ نے حصار میں لیا۔

"آج روحا نہیں آئی؟"

"آئی تو تھیں مگر اب میرے گھر گئی ہیں۔بچوں سے اتوار کے دِن اُن کی پڑھائی کے متعلق پوچھتی ہیں۔"

"اپنے گھر کا پتہ بتاؤ۔" مریان فوراً سے اپنی نشت سے کھڑا ہوا۔

”سر آپ میرے گھر جائیں گے؟“ ویٹر کے چہرے پر حیرت در آئی۔”نہیں بس دور سے اُسے دیکھوں گا۔“

”سر ایک بات پوچھوں؟“ ہمت جتاتے وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

”ہاں پوچھو۔“

”آپکو روحا بی بی پسند ہیں؟“

”نہیں پسند تو نہیں ہے۔“ مریان نے بغیر سوچے جواب دیا۔

”پھر آپ اُن کے لیے کیوں آئے ہیں؟“

”شاید محبت ہے۔“ ویٹر کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنے الفاظ پر حیرت زدہ ہوا تھا۔اُس کی زبان سے بلا ارادہ نکلے والے الفاظ نے ماحول میں سناٹا بیچھا دیا۔

”تو شادی کر لیں۔“

”کروں گا۔“ اُس نے دِل کی گہرائیوں سے کہا۔

”مُجھے بلائیں گے؟“

”تمھارے سارے گھر والوں کو بلا لوں گا۔“۔اُس کے لہجے میں بلا کی اپنائیت تھی۔

”سر آپ بہت اچھے ہیں بلکل بھی مغرور نہیں ہیں آپ جیسا سیاستدان میں نے پہلی بار دیکھا ہے جو اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود گاڑیوں کے جھرمٹ میں نہیں عام لوگوں کے جھرمٹ میں اُن جیسا بن کر پھرتا ہے۔روحا بی بی بھی بہت اچھی ہیں۔ صحیح کہتے ہیں اچھے لوگوں کی قسمت میں اچھے لوگ ہی ہوتے ہیں۔“

”مُحبت؟ تو مریان لکھانی معاملہ اتنا گھمبیر ہو چکا ہے۔“ وہ اپنی دھن میں بڑبڑاتے ہوئے چل پڑا۔اُس نے پیچھے کھڑے شخص کے ادا ہونے والے الفاظ پر دھیان ہی نہیں دیا تھا مگر پیچھے کھڑے شخص کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔”یہ ”محبت بھی کیا چیز ہے نہ عہدے داروں کو بخشتی ہے نہ ہم جیسے روٹی کے ترسے لوگوں کو معاف کرتی ہے۔“

....

روحا اپنی لَے میں گاڑی چلا رہی تھی جب اُسے راستے میں موٹر سائیکل کے پاس کھڑی لڑکی نظر آئی۔

اُس نے بریک پر پاؤں جماتے بھنویں سکیڑ کر اُس کی جانب دیکھا وہ اُسے پریشان لگ رہی تھی۔

اور پریشان چہرے اس سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔

”سب ٹھیک ہے؟“ روحا اب گاڑی سے اُتر کر اُس کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

”میری بائیک خراب ہو گئی ہے۔مُجھے یہ ڈیلور کرنا تھا۔“ اُس نے اپنی بائیک کے پیچھے بندھے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔وہ کسی فوڈ کارنر کا کھانا لوگوں کے گھروں پر ڈیلور کرنے والی معلوم ہوتی تھی۔

”میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“ روحا نے اُس کا نڈھال اور مضمحل چہرہ دیکھ کر پیشکش کی۔

”مُجھے گھر بھی جلدی جانا تھا۔“ اُس نے روحا کے لہجے میں ہمدردی محسوس کرتے اپنی اگلی پریشانی بتائی۔

"چلو کوئی بات نہیں میں تمہیں تمھارے گھر چھوڑ دیتی ہوں یہ کھانا میں ڈیلیور کر دوں گی۔" روحا کے تیز دماغ نے اُس کی پریشانیوں کا فوراً سے حل نکال لیا تھا۔

"اور میری بائیک؟"

"وہ میں ڈرائیور منگوا لیتی ہوں وہ ٹھیک کروا دیں گے صبح تمھارے گھر پُہنچ جائے گی۔"

"اور تُم یہ سب کیوں کرو گی؟" وہ روحا کی مہربانیوں پر حَق حیران رہ گئی تھی۔

"انسانیت کے ناطے۔۔" مختصراً کہتی روحا گاڑی کا دروازہ کھولتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

لڑکی چند لمحے اُس مسیحا کو مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہی پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

....

"یار مُجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں کوئی میری بات سمجھتا ہی نہیں۔میں کُچھ کہتا ہوں ہوں لوگ کُچھ سمجھتے ہیں۔" نقیب رنج کے عالم میں بولا۔

"میرے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔" مریان نے سرد آہ ہوا کے سپرد کی۔

"تُم تو میئر کے عہدے پر ہو میں تو سندھ اسمبلی کا معمولی سا رکن ہوں میری بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

لوگوں کو معمولی نظر انے والے لوگ اکثر کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔تمہیں رستم کا پتہ ہے؟

جِس نے حضرت عمر فاروقؓ کے خلاف قدسیہ کی جنگ لڑی تھی بڑی تیاری سے میدان میں اترا تھا۔

مگر اُس کی موت ہلال نامی غلام کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اُس کی موت کے بعد اُس کے سپاہیوں کی ہمت ٹوٹ گئی تھی جنگ ختم ہو گئی تھی مسلمان جنگ جیت گئے تھے اُس ایک غلام نے کایا پلٹ دی تھی۔بس جنون ہونا چاہیئے منزل کبھی نہ کبھی ہاتھ آ ہی جاتی ہے۔ویسے تُم نے ایسا کیا کہا تھا جو سب تمھارے خلاف بول پڑے۔" نقیب خالی نگاہوں سے مریان کو دیکھنے لگا اُسے اپنی منزل سَر بَستَہ اور کوسوں دور بھی نظر آ رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا اب کشمیر کی آزادی کے حوالے سے کچھ کرنا چاہیے۔ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں اور وہاں ظُلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔میں نے سوچ رکھا تھا سیاست میں آیا تو اس بارے میں ضرور آواز اٹھاؤں گا۔مگر مجھے تو یہ کہہ کر چُپ کروا دیا گیا کہ میں نمبر کمانا چاہتا ہوں یہ سب کہہ کر عوام اور میڈیا کی نظروں میں آنا چاہتا ہوں۔مریان یہ سب اتنا غلط کیوں سمجھتے ہیں؟" اُس نے گلو گیر لہجے میں مریان نے سر جھکایا۔

"سمجھتے بلکل ٹھیک ہیں بس خود کو ٹھیک اور دوسروں کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہ سب کہتے ہیں۔" حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جب حضرت عمر فاروقؓ نے ایران کا بقیہ حصہ فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہاں کے لوگوں نے خوف کے مارے ندی کا پل کاٹ دیا تھا تا کہ وہ اُن تک نہ پُہنچ سکیں۔

"حضرت سعدؓ نے اللہ کا نام لے کر گھوڑا ندی میں اُتار دیا تھا اور باقی ساتھیوں نے بھی ان کی پیش قدمی کی اور ندی پار کر لی۔

جب وہاں کے لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگے کہ دیو آ گئے وہ اتنے خوف زدہ ہوئے کہ اور اُنہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے علاقہ حوالے کر دیا تھا۔

ہمیں بھی ایسی ہمت دیکھانی ہو گی۔
تا کہ اُنہیں ہمیں دیو کہنا پڑے اور علاقہ ہمارے حوالے کرنا پڑے مگر اُس کے لیے ہمیں پانی میں اُترنا ہو گا اور باقی سب کو بھی پیش قدمی کرنی ہو گی بہادری دیکھائی جائے گی تو لوگ متاثر ہونگے۔
اونچی جگہوں پر کھڑے ہو کر اُن کی حمایت میں دوسروں کے ہاتھوں سے لکھی تقریریں پڑھنے سے کُچھ نہیں ہو گا ایسے آزادیاں نہیں ملا کرتیں ایسے مثالیں نہیں قائم ہوتیں ایسے مخالفین کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو کم از کم ہمیں آگے بڑھنا چاہیے پیش قدمی والے بھی آ جائیں گے۔"
نقیب اب پُر اُمید نظر آ رہا تھا مریان کی باتوں نے اُس پر اثر کیا تھا اُس کا حوصلہ بندھا تھا۔
بیل کی آواز پر دونوں متوجہ ہوئے۔
"جاؤ مریان دیکھو کھانا ڈیلور کرنے آئیں ہونگے مُجھے تو سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔" اس نے پیٹ پکڑے کہا تو مریان مسکراتے ہوئے اُٹھا۔اُسے یقین تھا نقیب کو سخت بھوک لگی ہو گی آخر کب اُسے سخت بھوک نہیں لگتی تھی۔
"جا رہا ہوں۔"
مریان نے دروازہ کھول کر اُس کے ہاتھ سے پیکٹ تھامتے ہوئے اوپر دیکھا تو حیرت سے آنکھیں پھیلیں۔
"روحا تُم یہاں کیسے؟" اُسے سامنے دیکھ کر وہ بھی مبہوت رہ گئی تھی۔
"کھانا دینے آئی ہوں۔" جواب پُر اعتماد لہجے میں آیا تھا وہ سنبھل چکی تھی۔

وہ سر پر اُس فوڈ کارنر کی ٹوپی بھی پہنے کھڑی تھی جو وہ لڑکی سے لے کر آئی تھی۔وہ مُکمل پیشہ وارانہ انداز اپنانا چاہتی تھی مگر یہاں منظر ہی بدل گیا تھا۔کم از کم وہ اپنے سامنے مریان لکھانی کو یوں کھڑا دیکھنے کی توقع نہیں رکھتی تھی۔وہ اُس کے سامنے بامُشکل اعتماد قائم کیے ہوئے تھی۔

"پیسے لا کر دیں۔"

"کیا؟" مریان اُس کے بلانے پر ہوش میں آیا۔

وہ اُس کا ویٹر کے گھر کے باہر انتظار کر کے بغیر دیکھے طلبِ دید لئے واپس آ گیا تھا۔

مریان نے اُس کے ہاتھ کو دیکھا جو وہ اُس کے آگے بڑھائے کھڑی تھی۔

"آپکے پیشے میں ایسے پیسے وصول نہیں کیے جاتے۔" وہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور سامنے کھڑی لڑکی اُس کی مسکراہٹ پر تپی۔

"یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔"

"پھر یہاں کیسے؟"

"کسی کی مدد کرنے کے لئے یہاں آنا پڑا۔" اُس کے دوبارہ پوچھنے پر روحا نے بتا ہی دیا۔

"تو پھر تو آپکو پیسے بھی نہیں لینے چاہئیں دوہری مدد کرنی چاہیے۔"

"آپ دے رہے ہیں یا۔۔۔؟؟" اُس نے مریان کا جیب تک جاتا ہاتھ دیکھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"یہ لیں۔" اُس نے مسکراہٹ دباتے جیب سے پیسے نکالتے اُسے تھمائے۔روحا نے کھینچنے والے انداز میں پیسے پکڑے اور پیر پٹختی مڑی۔

"یار کون سی گپیں لگانے بیٹھ گئے ہو؟"

نقیب اُس کے پیچھے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

مگر وہ روحا کی پُشت پر نظریں جمائے اُسے جاتا دیکھتا رہا۔

نیتِ شوق بھر نہ جائے کہیں
تو میرے دِل سے اُتر نہ جائے کہیں

آج دیکھا ہے تُجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں

~~

علیحہ محوت سے اپنے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ تو گُم نہیں ہوگئی تھی؟" نسرین بیگم نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے سرسری لہجے میں اس سے پوچھا۔

"امی یہ نئی ہے۔"

”تُم نے کہاں سے لی؟“ اُنہیں یقین تھا وہ علیحہ نے خود نہیں خریدی ہو سکتی تھی وہ شاہ خرچ نہیں تھی اور نا اُس کے پاس خرچ کرنے کے لیے اتنی رقم ہو سکتی تھی۔

”زیام نے دی ہے۔“

”تُمہیں پسند کرتا ہے؟“ وہ چند لمحے اُس کا چہرہ دیکھنے کے بعد بولیں جو تمانت سے چمک رہا تھا۔

”پتہ نہیں۔“

”پھر یہ کیوں دی؟“

”سالگرہ کا تحفہ دیا ہے۔“

”تحفہ بھی تو خاص لوگوں کو دیا جاتا ہے۔“

علیحہ نے اپنی ماں کی بات پر جُھکا سر اُٹھایا۔

”تو میں اُس کے لیے خاص ہوں؟ مگر ایسا تو اُس نے کبھی نہیں کہا کہ میں اُس کے لیے خاص ہوں۔“ اُس کی آنکھوں میں جلتے دیپ اِس سوچ سے ہی بجھنے لگے تھے۔

”کُچھ باتیں خود بھی محسوس ہو جاتی ہیں۔“

”مگر روحا کہتی ہے اظہار ضروری ہوتا ہے۔“

”اور وہ کیا کہتا ہے؟“ نسرین بیگم مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

اُس کے کہے جملے کی بازگشت اُسے محسوس ہوئی۔اُس کی دھیمی آواز جیسے اُس کے کانوں کے دریچوں میں منڈلانے لگی تھی۔

”وہ کہتا ہے بن کہے جذبات میں پاکیزگی رہتی ہے ملاوٹ نہیں ہوتی دکھاوے کی بھی نہیں۔“

"تو ٹھیک نہیں کہتا کیا؟"

"مگر میں خود سے تو کُچھ بھی نہیں سوچ کے بیٹھ سکتی نہ وہ اتنے بڑے خاندان کا لڑکا مجھ عام سی لڑکی سے کیوں شادی کرے گا؟"

"کیونکہ تُم خوبصورت ہو قابل ہو باکردار ہو کوئی بھی تُمہیں پسند کر سکتا ہے۔"

"صرف پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے پسندیدگیاں اہم نہیں ہوتیں یہ بدلتی رہتی ہیں مجبوریوں کی بھینٹ آسانی سے چڑھ جاتی ہیں۔" اُس کے لہجے سے جھلاہٹ ٹپک رہی تھی۔

"پسندیدگی بھی تب ہی بدلتی ہے جب اِنسان خود بدلنا چاہے اور پسندیدگی بدلنا اتنا آسان نہیں۔ اپنی سوچ ایک شخص سے دوسرے شخص پر مبذول کروانا مُشکل کام ہے۔مُجھے زیام اچھا لڑکا لگا۔مُجھے نہیں لگتا وہ روز پسند بدلنے والا لڑکا ہو گا۔"

"وہ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔"

"کیوں؟" علیحہ کا مانند پڑتا چہرہ دیکھ کر اُنہیں لگا جیسے اُن کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

"سید ہیں نہ۔۔"

نسرین بیگم کی جانب دیکھتے علیحہ نے سرد آہ بھری۔"ویسے بھی مُجھ جیسی معمولی لڑکی کو ایسے خواب زیب ہی نہیں دیتے۔"

"تُم معمولی لڑکی نہیں ہو۔ہم معمولی صرف تب تک ہوتے ہیں جب تک ہم خود کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ پتھر ہیں تو اِس دُنیا میں آپکو خود کو تراش کر اپنی محنت سے ہیرا بننا پڑے گا۔یہاں پر ہر شخص نے ایک نہ ایک مقام پر چھوڑ ہی دینا ہوتا ہے کوئی بھی اُنگلی پکڑ کر منزل تک نہیں جاتا۔اپنے

ساتھ ہوئے اچھے بُرے کے پیچھے آپکا اپنا ہاتھ ہوتا ہے مضبوط بنے رہنے سے ہی کوئی مقام حاصل ہوتا ہے۔ تمھاری قسمت میں بہت اچھا شخص ہو گا۔سید زیام نہیں تو اُس سے بھی اچھا ہو گا۔"

وہ خاموش رہی تھی وہ نہیں جانتی تھی اُسے اچھا شخص چاہیے تھا یا سید زیام شاہ۔۔

....

مریان ٹیبل پر موجود شیشے کے چکور شکل میں تراشے پیس کو گھوما رہا تھا اور سامنے بیٹھا شخص اُس کے حرکت کرتے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"آفس کیوں آئے گھر آ جاتے۔"

ابتسام آفندی ٹھنڈے لہجے میں بولے کیونکہ اب اُس کے نام کے ساتھ سے سابق مئیر کا لفظ حذف ہو چُکا تھا۔

"آپ اپنے محل جیسے گھر میں موجود ہو تو کسی کی بات سننا گوارا نہیں کرتے۔" مریان کی بات سے ابتسام آفندی کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کس کام کے لیے آئے ہو؟" رمزیت سے پُر مسکراہٹ مریان کے لبوں پر پھیلی۔

"جیسی جگہ آپ چاہتے تھے بلکل ویسی جگہ آپکو مہیا کی جائے گی اور بدلے میں مجُھے کوئی شیئرز نہیں چاہیں۔"

ابتسام آفندی نے اچنبھا سے اُس کے پُر سکون چہرے کو دیکھا۔اُنہیں یقین نہیں آ رہا تھا یہ آفر وہ اُس کے منھ سے سن رہے ہیں جو اُسے پیسے کے ہوس میں مبتلا شخص کہتا تھا۔

”تُم یہ سب بغیر اپنے مطلب کے کرو یہ تو مُمکن نہیں۔“ ابتسام میز پر کہنیاں جماتے آگے کو ہوئے۔

”سوچ تو آپ بلکل ٹھیک رہے ہیں۔“

”مُجھ سے کیا چاہیے؟“ اُن کے لہجے میں تشویش تھی۔

”بہت جلد بتاؤں گا۔“

”اور اگر میں تمھاری بات نہ مان سکا تو؟“

”تو میں آپ کے بہت سے راز جانتا ہوں سب کھول دوں گا۔“ مریان نے معنی دار لہجے میں کہا تو ابتسام آفندی کا ماتھا ٹھنکا۔

”کون سے راز؟“ وہ مریان کی سوچ کو احاطۂ ادراک میں لانے سے عاجز تھے۔

”ایسے راز جو آپ کی زندگی بدل کر رکھ سکتے ہیں۔آپ کی بہت سی خواہشات روند سکتے ہیں۔“

ابتسام آفندی کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہوا۔

”آپ میری چھوٹی سی بات منانے کے لئے اپنے ہاتھوں سے اتنا کچھ نہیں جانے دیں گے۔وہ جگہ آپکو کروڑوں روپوں کا فائدہ دے سکتی ہے۔“

وہ اپنا کام کر چُکا تھا ابتسام آفندی کو حیرت زدہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔وہ تیز قدموں سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔انہوں نے مریان کی چوڑی پشت کو بے بسی سے دیکھا۔

وہ پریشانی میں اسے الوداعی کلمات بھی نہ کہہ سکے۔

وہ جانتے تھے مریان لکھانی کوئی معمولی چیز نہیں مانگ سکتا تھا۔اُنہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا مانگنے والا ہے جو کہ اُن کے لیے دینا بہت مُشکل کام تھا۔وہ خود کو دوہرے عذاب میں پھنسا محسوس کر رہے تھے۔

....

روحا اوندھے منہ لیٹی دُنیا سے بے خبر سو رہی تھی۔موبائل پر بیپ بج رہی تھی۔
دروازے پر مستقل ہونے والی دستک سے وہ کسلمندی سے اٹھی۔
"روحا بی بی اُٹھ جائیں صاحب آپکو کھانے پر بلا رہے ہیں۔"
مہرن کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔وہ اُسے اُٹھتا دیکھ کر دروازہ پار کرتی اُس سے کُچھ فاصلے پر کھڑی اُسے بتا رہی تھی۔
روحا نے گھڑی پر ٹائم دیکھا دوبارہ بند ہوتیں آنکھیں مُکمل کھل گئی تھیں۔
"یونیورسٹی سے آنے کے بعد میں اب تک سوتی رہی ہوں۔" وہ حیرت زدہ سی گھڑی دیکھ رہی تھی وہ اس طرح بے خبر سونے کی عادی نہیں تھی۔نو بج رہے ہیں وہ جھٹکے سے اٹھی اُسے آنے کا کہہ کر خود واش روم میں گھس گئی اور دس منٹ بعد وہ کھانے کی میز پر موجود تھی۔
"روحا خیریت ہے میں آفس سے آیا تُم مجھے نظر ہی نہیں آئی۔تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
روحا اپنے باپ کی فکر مندی پر ٹھٹھکی۔
"جی ٹھیک ہوں بس تھکی ہوئی تھی پتہ نہیں چلا اتنی دیر سوتی رہی۔"

"اپنا خیال رکھا کرو۔"

روحا کو ابتسام آفندی کا لہجہ عجیب لگا تھا۔وہ اتنی فکر مندی اس کے لیے نہیں دیکھاتے تھے مگر وہ بغیر مزید کچھ کہے کھانا مُکمل کرنے لگی۔

روحا کمرے میں آ کر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی کتاب اٹھانے لگی تو نظر موبائل پر آئی گئی کالز پر پڑی۔

اُس نے موبائل اُٹھا کر کال ملائی جو فوراً اٹھا لی گئی۔

"صبح سے کالز کر رہا ہوں اُٹھا کیوں نہیں رہی۔"

دوسری جانب سے فکر مند سی آواز ابھری۔

"سو رہی تھی۔"

"طبیعت ٹھیک تھی؟"

"ہاں میری طبیعت کی آج سب کو فکر کیوں ہو رہی ہے۔" وہ جھلا گئی۔

"اِنسان جب بیمار ہو تبھی اتنا ریسٹ کرتا ہے۔"

"اِنسان جب تھکا ہو تب ریسٹ کرتا ہے جب بیمار ہو تب ریسٹ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔" ویسے آپ کال کیوں کر رہے تھے؟"

"آج میری سالگرہ ہے۔" مریان تھوڑے تردد کے بعد بولا۔

"پھر۔۔؟ کیک بھیجنا ہے؟"

"بھیج دوں گا لیکن میرا گفٹ؟"

"آپ گفٹ بھول جائیں میں کیک بھول جاتی ھوں۔" اور فوراً سے کال منقطع ہو گئی۔
"لیکن میں گفٹ کے بغیر بھی کیک کھلا سکتا ہوں۔" اُس نے اپنی ادھوری رہ گئی بات سیاہ سکرین پر نظریں جمائے مُکمل کی۔
دروازے پر ہونے والی دستک سے مریان کی نظر دروازے پر منتقل ہوئی۔
"صاحب میں اندر آ جاؤں۔" ملازم نے اجازت مانگی تو اس نے سر خم کرتے اُسے آنے کی اجازت دی۔
"سر یہ آپکی سالگرہ کا تحفہ تھا۔"
"تو جہاں باقی سب رکھے ہوئے ہیں وہاں یہ بھی رکھ دو۔"
"مگر روحا بی بی نے کہا تھا یہ آپ تک پُہنچا دوں۔"
"روحا نے؟؟"
"جی وہ صبح دینے آئی تھیں۔وہ یہاں آتی رہتی ہیں اور دادو کے ساتھ بھی اُن کی دوستی ہے تو میں نے انکا تحفہ باقی تحفوں کے ساتھ نہیں رکھا۔"
"مگر اُسے کیسے پتہ چلا۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"صاحب یہ یہاں رکھ دوں؟"
"نہیں مُجھے پکڑاو۔"
مریان نے پکڑ کر فوراً سے کھولا خوبصورت گھڑی ڈبے میں موجود تھی۔
"اِس لڑکی کی مریان لکھانی کو سمجھ نہیں آ سکتی۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

مریان دوبارہ کال ملانے لگا مگر اِس بار اٹھائی نہیں گئی۔

"گفٹ یاد رہا ہے تو کیک بھی یاد رہے گا۔"

روحا نے نظریں کتاب سے ہٹا کر موبائل کی سکرین پر نظر آتے میسج پر ڈالیں۔

"سُست اِنسان۔۔" وہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

....

"زیام رکو۔"

زیام جو کندھے پر بیگ لٹکائے یونیورسٹی کے لئے گھر سے باہر نکلنے لگا تھا فاطمہ کے پکارنے پر پلٹا اور پلٹ کے دیکھنے پر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔وہ شلوار قمیض پہنے سر پر دوپٹہ اُڑھے کھڑی تھی۔

"یہ سب کیسے؟" زیام نے اشارہ کر کے اس کے حلیے کے متعلق پوچھا۔

"یہ خالہ نے کہا تھا۔"

"کہا تھا یا مجبور کیا تھا؟"

"کہا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے مڑا۔

"زیام میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"کہاں؟" زیام نے تعجب سے اُس کی جانب دیکھا۔

"تمھاری یونیورسٹی۔۔"

"تمھارا وہاں کیا کام؟"

"لے جاؤ نہ بچی گھر میں کیا کرے گی۔"

سیدہ سعدیہ نے سفارش کی جو زیام کو بلکل پسند نہیں آئی۔"ایک تو یہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے زیادہ اپنے بہن بھائیوں کے بچے کیوں عزیز ہوتے ہیں۔" زیام بیزاریت سے بڑبڑایا مگر ساتھ چلتی فاطمہ نے اس کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔

وہ سارے راستے سوال کرتی رہی۔جن میں سے آدھی باتوں کے جواب دینا بھی اُس نے گوارا نہیں کیا تھا مگر اس نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔

زیام نے غور کیا تھا وہ جب سے پاکستان آئی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ غصے کے جواب میں بھی غُصہ نہیں کرتی تھی۔

یہ اُس کی واحد عادت تھی جو زیام کو اچھی لگی تھی۔

فاطمہ یونیورسٹی کو جائزائی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اُس کی نظر آذر پر پڑی جو دو لڑکیوں میں کھڑا ہنس رہا تھا۔

"زیام یہ تمھارا اُس دِن والا دوست ہے نہ؟"

فاطمہ نے آذر کی طرف اشارہ کرتے پوچھا۔

"ہاں میں انہی کو ڈھونڈھ رہا تھا۔"

زیام آذر کو علیحہ اور روحا کے پاس کھڑا دیکھ کر بولا۔وہ اُن کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر انکی طرف بڑھا۔فاطمہ نے بھی اس کی پیش قدمی کی۔

"یہ زیام کے ساتھ کون ہے؟"

علیحہ نے فاطمہ کو زیام کے ساتھ دیکھ کر روحا سے پوچھا۔

"یہ اِس کی کزن ہے کل کینیڈا سے آئی ہے۔"

جواب آذر نے دیا تھا۔فاطمہ اُن کے پاس آ کر اُن سے بڑی گرم جوشی سے ملی تھی۔

روحا کو وہ اخلاق کی اچھی لگی تھی۔

"آپ زیام کی کزن ہیں؟"

روحا نے سوال کیا تھا۔

"کزن بھی اور منگیتر بھی۔۔"

علیحہ کو اپنے گلے میں کُچھ اٹکتا محسوس ہوا۔

زیام اُس کے اس دلیرانہ انداز میں جھوٹ بولنے پر حیران رہ گیا تھا۔

"فلحال صرف کزن ہی ہے۔" زیام نے اسے گھورتے ہوئے تصیح کی۔وہ علیحہ کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ چُکا تھا جو اُسے اچھے لگے تھے۔

تو میں ٹھیک سوچتی تھی مُجھے خود سے کُچھ نہیں سوچنا چاہیے اسے پسندیدگی بھی نہیں تھی میں تحفہ دینے کو غلط سمت میں لے گئی۔

لڑکیاں واقعی بیوقوف ہوتی ہیں اور میرے جیسی غریب گھر کی زیادہ ہی بیوقوف ہوتی ہیں۔

اتنی جلدی اُمیدیں باندھ لیتی ہیں حالانکہ سب سے زیادہ ہماری اُمیدیں ہی ٹوٹتی ہیں اور بری طرح سے ٹوٹتی ہیں۔چہرے پر سنجیدگی لیے وہ خاموش کھڑی سوچ رہی تھی۔فاطمہ کے آنے پر اُس کا موڈ یک لخت بدل گیا تھا۔چہرے پر حزن و ملال کے بادلوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

اُن سے فاصلے پر پُشت کیے کھڑی عینی تک آواز جا رہی تھی وہ اُن کی باتیں سننے کے لئے مزید قریب کھڑی ہوئی تھی۔

فاطمہ کے الفاظ پر اُسے لگا تھا کہ اُس کے پاؤں تلے زمین نہیں رہی۔

تو سید زیام شاہ تُم ٹھیک کہتے تھے کہ اتنے سال میں نے غلط شخص پر ضائع کیے ہیں۔ہم واقعی لوگوں کے بدل جانے کی اُمید پر بہت وقت برباد کر لیتے ہیں اور وہ ہمارے لیے کبھی نہیں بدلتے۔

ہم غلط شخص سے غلط اُمیدیں لگا لیتے ہیں پھر جب وہ ٹوٹتی ہیں تو اس شخص سے زیادہ خود پر غُصہ آتا ہے کیونکہ قصور وار زیادہ ہم ہی ہوتے ہیں۔اپنے لئے اچھے بُرے کی پہچان کرنا ہمیں آنا چاہئے ورنہ ہمارے ساتھ اچھا نہیں ہوتا صرف بُرا ہوتا ہے۔عینی نے دکھی دِل سے سوچا۔

آذر زیام کو اُن کے بیچ میں سے کھینچ کر دور لے آیا تھا۔

”زیام کیا میری نظر کمزور ہوگئی ہے؟ جو ٹھرکی لڑکی میں نے کل دیکھی تھی یہ وہ کیسے ہو سکتی ہے شلوار قمیض سر پر دوپٹہ۔۔“

آذر کے چہرے پر حیرت عیاں تھی۔

”آذر صاحب یہ نظر کی کمزوری نہیں یہ نظر کا دھوکہ ہے جو وہ ہمیں دے رہی ہے مگر میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں جو اس کے منٹوں میں بدلے گئے رنگوں کو پہچان نہ سکوں۔“ زیام نے اُس کے نا مکمل جملے پر گرہ لگائی۔

”زیام ویسے تمھاری کزن اگر بناوٹ کر رہی ہے تو اعلیٰ پائے کی بناوٹی ہے اور اگر یہ ایک دن میں حقیقت میں ایسے ہو گئی ہے تو اس کے اِن نیک اعمال پر اوسکر بنتا ہے۔“

زیام نے آذر کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا یہ وہی آذر ہے جو لڑکیوں کی آزادی کی حمایت کرتا تھا۔

اور زیام کو ہنستا دیکھ کر دور کھڑی عینی کے چہرے پر پھیکی سی مسکان کے ساتھ آنکھوں سے اذیت بھرا آنسو ٹپکا تھا۔وہ دل ہی دل میں رنجور ہوئی۔وہ شکست خوردہ چہرے سے زیام کی جانب دیکھ رہی تھی۔

رنج ہر رنگ کے جھولی میں بھرے ہیں ہم نے
جب بھی گزرے ہیں کسی درد کے بازار سے ہم

~~~
~~~

علیحہ کتابوں میں منہمک بیٹھی تھی جب اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔
نظر اُٹھا کر دیکھا اور اگلے لمحے نظر جُھکا لی کیونکہ سامنے کھڑا شخص اُس کی آنکھوں میں ہی جھانک رہا تھا۔
"ہر وقت کتابوں میں کیوں گم رہتی ہو؟" زیام اُس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔
"میری زندگی میں اگر کوئی بہتری آئی ہے یا آئے گی تو اُس کی واحد وجہ یہ کتابیں اور پڑھائی ہے۔"
علیحہ نے ہنوز سر جھکائے جواب دیا۔
"صرف پڑھائی سے اِنسان کُچھ نہیں بن سکتا خلوص دِل کے ساتھ کی گئی محنت ہی اِنسان کو کسی مقام تک پُہنچاتی ہے۔"
"وہی کر رہی ہوں۔" وہ زیام سے بحث نہیں کرنا چاہ رہی تھی بلکہ وہ اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"تُم سے بات کرنی ہے۔"
"لیکن مجھے نہیں کرنی۔" فوراً سے انحراف ہوا تھا۔
"ناراض ہو؟" زیام اُس کا اُکھڑا ہوا لہجہ محسوس کر چکا تھا۔
"میں تُم سے کیوں ناراض ہونگی۔" اُس نے متانت سے جواب دیا۔
"تمھیں فاطمہ کا آنا بُرا نہیں لگا؟"
علیحہ خاموش ہو گئی تھی وہ جھوٹ بولنے کی عادی نہیں تھی۔
"ٹھیک ہے بات نہ کرو مگر سُن لو۔"

دونوں طرف سے خاموشی ہو گئی تھی۔علیحہ سننا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی اور زیام اُس کی اجازت کے بغیر بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

”میرے گھر والے چاہتے ہیں میں فاطمہ سے شادی کر لوں مگر میں اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

بلاآخر اُس نے ماحول میں موجود سکوت توڑا۔

”کیوں نہیں کرنا چاہتے اُس میں کیا بُرائی ہے؟“

اُس کے عدمِ دلچسپی سے کہنے پر زیام نے گہری سانس بھری۔

”وہ ویسی نہیں ہے جیسی نظر آ رہی تھی۔سب کچھ بناوٹی تھا۔“

علیحہ کو زیام کی بات میں صداقت نظر آ رہی تھی مگر وہ اُس پر یقین نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

”یہ خود پسندی بہت بری چیز ہے اِنسان کی سوچ بھی دھندلا دیتی ہے اور جو چیز اُسے نظر آتی ہے وہ اس کا خود کا وجود ہوتا ہے غلطیوں عیبوں سے پاک وجود۔۔“

”تُم مُجھے خود پسند کہہ رہی ہو میں نے تو کبھی خود کی تعریف نہیں کی خود کو بے عیب نہیں کہا۔“

زیام نے احتجاجاً کہا۔

”خود پسندی صرف خود کو اچھا کہنا نہیں ہوتی خود پسندی یہ بھی ہے کہ اِنسان کسی دوسرے کو اچھا نہ کہہ سکے اُس کی اچھائیاں نہ دیکھ سکے۔“ وہ استوریت سے بولی۔

”پھر کیسے لوگ خود پسند نہیں ہوتے؟“

”وہ جو دوسروں کے عیبوں کو ایسے نظر انداز کرتے ہیں جیسے خود کے کرتے ہیں اور دوسروں کی اچھائیوں کو ایسے یاد رکھتے ہیں جیسے خود کی رکھتے ہیں۔“

"تُم کہنا چاہ رہی ہو کہ اس میں کوئی عیب نہیں اور میں اس پر الزام لگا رہا ہوں؟" رسانیت سے سوال ہوا تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں میں کہہ رہی ہوں ہو سکتا ہے اس میں اچھائیاں ہو اُنہیں نظر انداز نہ کرو بلکہ اُس کے عیبوں کو نظر انداز کر دو اچھائیاں ڈھونڈھو گے تو تمھیں اچھی لگنے لگی۔"

"لیکن مُجھے تو صرف تُم اچھی لگتی ہو۔"

علیحہ نے جھکا سر اٹھا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا وہاں کُچھ جھلملا رہا تھا شاید اقرار کی خوشی۔۔

وہ نظریں چرا گئی تھی۔

اگلے کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے۔

خاموش لمحوں کی خوشبو ماحول کو مہکانے کے بعد فضا میں بکھر کر اُسے اور بھی معطر کر گئی تھی۔

"تو سیدہ علیحہ آپکو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"میں سیدہ نہیں ہوں۔" کھٹاک سے جواب آیا تھا۔

"یہ کہہ کر تُم نے میری آخری اُمید توڑ دی۔"

اُس کا لہجہ بیچارگی سے معمور تھا۔

"مُجھے ذات سے فرق نہیں پڑتا اور جن کو پڑتا ہے اُنہیں اپنی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔"

"کیا تم میری خاطر جھوٹ بول سکتی ہو؟"

"کسی کی خاطر بھی نہیں۔" علیحہ کے الفاظ اُسے ضرب کی مانند لگے تھے۔

"جس سے محبت ہو اُس کے لیے اِنسان کُچھ بھی کر سکتا۔"

"میں نہیں کر سکتی۔"

"میری خاطر بس ایک جھوٹ ہماری خاطر پلیز۔۔"

زیام کی ملتجی نظروں سے دیکھنے پر اُس کا دِل قدرے نرم پڑا۔

"کیسا جھوٹ۔۔؟"

"تُمہیں میرے گھر والوں کے سامنے کہنا ہو گا کہ تُم سید ہوں۔"

"تمہیں کیوں لگا میں ایسا بولوں گی؟ جب اُنہیں پتہ چلا تو؟"

"ہم بعد میں بتا دیں گے۔" زیام کے پاس سارا لائحہ عمل تیار تھا۔

"سید زیام شاہ تُم نے اِس بات کو مذاق سمجھ رکھا ہے؟ ایک طرف تُم لوگوں کے نزدیک ذات اتنی معنی رکھتی ہے کہ اِنسان کی ہر چیز نظر انداز کر کے صرف ذات کو فوقت دیتے ہو دوسری طرف وہی ذات جھوٹ کے ذریعے بدل دینے کا کہہ رہے ہو۔میرے نزدیک اِنسان کی اچھائی اہم ہے اگر کوئی اچھائی کرتا ہے تو صرف اُس کی اچھائی دیکھو باقی سب بھلا دو برائیوں پر نظر رکھنے والے بہت ہیں خامیاں نکالنے والے بے تحاشا ہیں۔خود کو عام لوگوں کی فہرست سے نکالنا ہے تو دوسروں کو خاص سمجھو کوئی بھی معمولی نہیں آپ ہر اِنسان سے کسی نہ کسی معاملے میں کم ہونگے۔خود کو دُنیا میں آئی واحد کامل شخصیت سمجھنا چھوڑیں گے تو کامل ہونے کی راہ پر چل سکیں گے۔تمھارے گھر والوں کو اپنے خاندان میں ہی تمھارا رشتہ کرنا چاہئے کیونکہ ہم سوچ لوگ اکھٹے بہتر طریقے سے رہ سکتے ہیں۔۔۔عینی کے معاملے میں تُم یہی کہتے تھے نہ؟"

زیام نے سر جھکا لیا تھا وہ کہہ ٹھیک رہی تھی مگر قصور وار وہ اکیلا نہیں تھا اُس کی سوچ ایسی کر دی گئی تھی۔

"سید ہو تو جتانا کیسا شکر ادا کرو بہترین خاندان میں پیدا ہوئے بہترین بننے کی کوشش کرو۔

بہترین مثالیں قائم کرو نہ کہ غلط قائم کی گئی روایتوں پر چلو۔

اسلام میں ایسی کوئی بندش نہیں ہے یہ تُم لوگ خود کو اعلیٰ ذات سمجھ لیتے ہو اور باقی سب کو کم حیثیت مگر اسلام میں ذات کے حوالے سے کسی کو اہمیت نہیں دی گئی اسلام اعمال کے حوالے سے اہمیت دیتا ہے اسلام نے تو سب انسانوں کو برابر کر دیا ہے اِس میں تو کسی کو حقیر سمجھا ہی نہیں جاتا۔

یہ ہندوں نے ذاتوں والی روایت رکھی ہے وہاں اگر کوئی کم ذات اعلیٰ ذات کی گلی سے گزرتا تھا تو اُس کی ٹانگیں توڑ دیتے تھے اُنہیں دیکھتا تھا تو اُن کی آنکھیں نکال دیتے تھے جہالت تھی اُن میں اب تو اُن میں بھی ہمارے ساتھ رہ کر کم ہو گئی اور ہم لوگ اُن کی جاہلانہ سوچ خود میں بیٹھا لائے ہیں۔

دوسروں کو سنوار کر خود بگڑ گئے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میرے جذبات بھی تو دیکھو۔" زیام مضمحل آواز میں بولا۔

"مار دو اِن جذبات کو یہ کسی کام کے نہیں جب تک سوچ ٹھیک نہیں ہو گی۔"

"تُم بھی ماما بابا کی طرح میرے ساتھ زیاتی کر رہی ہو۔ساری سزائیں مُجھے ہی کیوں دی جا رہی ہیں۔

تُم مجھے ہی نہیں خود کو بھی سزا دے رہی ہوں۔"

"تُم بھی تو ذات کی خاطر ہمیں بھینٹ چڑھا رہی ہو۔ میں تمہیں نافرمان اولاد نہیں بنانا چاہ رہی تمہیں تمہارے والدین کے خلاف نہیں کھڑا کرنا چاہتی میں نہیں چاہتی تُم اُن کی تُم سے وابستہ امیدیں توڑو میں نہیں چاہتی تُم فاطمہ کا دِل توڑو۔ میں نہیں چاہتی میں دوسروں کو مطمئین کرنے کے لیے خود کو سید ثابت کرتی پھیروں۔"

"تمھیں مُجھ سے ذرا بھی محبت نہیں؟" اُس نے لاچاری سے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں یہ سزا دو لوگ کاٹ لیں۔" علیحہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

"مگر ہمارا تو قصور نہیں۔"

"لازمی نہیں ہر بار قصور کی وجہ سے سزا ملے کبھی کبھار باقیوں کو بے قصور رکھنے کے لئے خود پہ ہی الزام لگایا جاتا ہے خود کو سزا دی جاتی ہے اور پھر وہ سزا کاٹی جاتی ہے۔"

"تُم بے رحم ہو۔"

"شاید مگر خود غرض نہیں ہوں۔" وہ رندھے گلے سے بولی۔

"تم صرف ہماری خوشی سامنے نہیں رکھ سکتی۔" زیام کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"تُم اگر اپنے گھر والوں کو قائل کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے مگر اُن کو پیچھے کر کے اُنہیں تکلیف دے کر تُم مجھے آگے لاؤ مُجھے نہیں منظور۔ مُجھے یقین ہے تُم اُن کی سوچ بدلنے کی کوشش کرو گے۔" وہ آنسوئوں صاف کرتے گلوگیر لہجے میں بولی۔

"تُم میرے معاملے میں خود غرض ہو۔"

”زیام میں بے غرض تعلقات بنانا چاہتی ہوں جِس میں لوگوں کو صرف مُجھ سے غرض ہو نہ کہ میری ذات میرے گھر میرے سٹیٹس سے مطلب ہو۔خود غرض تُم بھی ہو تمھاری پرواہ تمھارے لہجے تمھاری اِن آنکھوں کی چمک نے مجھے سبز باغ دیکھا دیئے تھے اب تُم نے اُنہیں آگ لگا دی ہے۔ اُبھرتی ہوئی خواہشات جل رہی ہیں۔“ وہ جھٹکے سے اُٹھی تھی اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ جلنے والی خواہشات کی آگ کے دھویں سے اپنے آس پاس کا منظر دھندلا محسوس کر رہی تھی۔

”علیحہ۔۔“ زیام نے پکارا تھا مگر وہ نہیں رکی تھی اُسے لگ رہا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اس سے دور جا رہی ہے وہ اُسے قائل کرنے کی مزید کوشش کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا گھر والوں کو قائل کرنا اِس سے ہزار درجے مُشکل ہے۔

کسی ایک کے مان نے تو ٹوٹنا تھا اور اسے علیحہ کا اُس پر قائم ہوا سب کی سوچ بدلنے والا مان ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اپنے سے بڑوں کی اور خاص طور پر اپنے والدین کی سوچ بدلنا بہت مُشکل کام ہے کیونکہ وہ اپنی سوچ کا عکاس آپکو سمجھتے ہیں اور عکس بدل جائے تو یقین کرنا مُشکل ہوتا ہے کیونکہ اِنسان اپنے عکس کے بدلنے کی توقع نہیں کر سکتا۔

....

نبیہا اور ثمینہ بیگم گھر میں چکر لگاتی پھر رہی تھیں۔روحا صوفے پر ٹانگیں چڑھائے بیٹھی اُنہیں ایک کمرے سے نکلتا اور دوسرے میں جاتا دیکھ رہی تھی۔

گھر میں کل روحا کی ہونے والی منگنی کی تقریبات کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔روحا کے علاوہ ہر شخص مصروف تھا۔روحا کے سامنے جیولری کے ڈبے پڑے تھے جن پر سرسری سی نظر ڈال کر وہ دوبارہ موبائل میں گیم کھیلنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

اُسے بننے سنورنے کا خاص شوق نہیں تھا بلکہ کل کی تقریب کے لیے بننا سنورنا بھی عذاب لگ رہا تھا۔اُس کی ساری شاپنگ ہاجرہ بیگم خود کر کے آئی تھیں۔

اُنہیں روحا کی پسند کا اچھے سے پتہ تھا۔روحا زیادہ تر اُن کی لائی گئی چیزیں ہی پہنتی تھی۔

وہ بیٹی نہ ہونے کی وجہ سے بیٹوں والے سارے چاؤ روحا پر پورے کرتی تھیں اور روحا کی جب گھر میں کسی سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ تایا تائی والا احسان ضرور جتاتی تھی کہ اُس کے لیے سب کچھ وہ لاتے ہیں لہٰذا اُس پر رعب نہ ڈالا جائے۔تایا تائی کے لاڈ پیار کی وجہ سے وہ کسی کا رعب نہ سہنے کی عادی ہو چکی تھی۔

کوئی ذرا سا حکم جمانے لگتا تو وہ اُس سے خار کھانے لگتی۔اسے زبردستی کی عادت نہیں تھی وہ کسی کے مطابق نہیں چلتی تھی۔تایا تائی کے پیار نے اسے اعتماد بھی دیا تھا وہ پُر اعتماد لڑکی تھی۔

"روحا دیکھو میں تمھاری میچنگ کا ڈریس لایا ہوں۔" آذر ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے پُر جوش لہجے میں اُسے بتا رہا تھا۔

"آذر کوئی نئی بات تو نہیں تم ہمیشہ سے

ہر تہوار پر میرے ساتھ کا جوڑا لیتے ہو جیسے جڑواں بھائی بہن لیتے ہیں۔" اُس کی نظریں موبائل پر گڑھی تھیں اور انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

"خُدا کا خوف کرو روحا بھائی بہن والے الفاظ نہ استعمال کرو۔" آذر احتجاجاً بولا۔

"بس مثال دی تھی۔"

"اور کوئی مثال نہیں ملی؟" آذر نے ناک چِڑھایا۔

"یہ مجھے پرفیکٹ لگی۔"

"تمھیں فضول باتیں ہی پرفیکٹ لگتی ہیں۔"

روحا نے کندھے اچکا کر موبائل کی سکرین پر سے نظریں ہٹا کر اُس کے خفا چہرے کی جانب دیکھا۔

ازلان اچھلتا ہوا روحا کے پاس آیا تھا۔

"کیا ہوا ننھے شیطان بڑی جلدی میں ہو۔"

"ہاں میں تو سوچ رہا تھا آپ میچ دیکھ رہی ہونگی ساتھ بیٹھ کے دیکھیں گے۔مگر آپ کو تو لگتا ہے یاد ہی نہیں۔میں نے یہاں آتے آتے اپنا اتنا وقت بھی برباد کیا۔" وہ ناک بھوں چڑھا کر بولا تو روحا مسکرا دی۔

"اوہ ہاں میں بھول گئی۔"

روحا اِدھر اُدھر ریموٹ تلاش کرنے لگی جو اُسے نبیہا کے صوفے پر پڑا نظر آیا۔

"نبیہا جلدی کرو ٹی وی چلاؤ۔"

"تمھاری کل منگنی ہے اور تُم میچ دیکھو گی؟"

"میری کل شادی ہوتی میں پھر بھی میچ دیکھتی اور ویسے بھی کل ہی منگنی ہے آج کس وجہ سے نہ دیکھوں۔ہائے شازین بیٹنگ کر رہا ہے۔"

ٹی وی چلتے ہی روحا چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرائے التفات بھری نگاہوں سے ٹی وی کی سکرین پر بلا پکڑے شخص کو دیکھتے بولی۔

"مُجھے کبھی کبھی اِس شازین خان سے جلن ہوتی ہے۔" آذر ٹی وی کو دیکھتے بڑبڑایا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ تُم اِسکا نام اتنے پیار سے لیتی ہو۔"

"تو تمھارا کون سا غصے سے لیتی ہوں اور ویسے بھی شازین کے سٹائل مُجھے پسند ہیں۔"

"مُجھ سے بھی زیادہ؟" روحا نے رُخ موڑ کر اُسے دیکھا وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"نہیں تُم سے زیادہ کوئی بھی نہیں۔" روحا کے جواب سے آذر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔روحا بھی اُسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"ویسے آذر بھائی آپ نے یہ کام بہت اچھا کیا ہے۔" اذلان نے ٹانگ اڑائی۔

"کون سا؟"

"روحا آپی کو پسند کرنے والا اِس طرح یہ میرے پاس یہیں رہیں گی میں کبھی بھی آ کے اِن سے مل سکتا ہوں۔"

"دیکھو میں کتنا اچھا ہوں۔آذر نے فخریہ انداز میں کالر جھاڑا۔

"مگر شازین خان سے زیادہ نہیں۔"

آذر نے ازلان کی بات پر بھنویں اٹھائیں۔

روحا اور ازلان نے اس کی اِس حرکت پر قہقہہ لگایا۔

"یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟"

روحا شور کی آواز پر متوجہ ہوتی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" نبیہا فوراً سے بولی۔

"تُم رکو میں دیکھ لیتی ہوں۔"

نبیہا نے اُسے روکنا چاہا مگر وہ اُس کی مانتی کب تھی۔ آذر بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔

نبیہا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

ابتسام آفندی نے نبیہا کو روحا کے اُن کے کمرے کے پاس نہ آنے دینے کی تلقین کی تھی۔

"وہ میری بھی بیٹی ہے میرا بھی اس پر حق ہے۔

میں اس کے لیے فیصلے کر سکتا ہوں۔" ابتسام آفندی کی گرج دار آواز کمرے میں گونجی۔

"فیصلے کر سکتے ہیں لیکن نا انصافی نہیں کر سکتے۔ میں روحا کے ساتھ کوئی زیاتی نہیں ہونے دوں گی۔"

ثمینہ بیگم کا لہجہ اُن کی اونچی آواز کے سامنے بھی مستحکم تھا۔

"میں کوئی زیاتی نہیں کر رہا بس بتا رہا ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے ہمیں ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔"

"آپ باہر جا کر دیکھیں سب کتنے خوش ہیں آپ سب کو کیوں عذاب میں مبتلا کرنا چاہ رہے ہیں کیوں سب کی خوشیاں برباد کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں آپ کو کہہ رہی ہوں روحا کی منگنی کل ہی ہو گی اور آذر سے ہی ہو گی۔"

ثمینہ بیگم کی بات پر دروازے پر کھڑے آذر اور روحا نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
آذر جھٹکے سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔
ابتسام آفندی اور ثمینہ بیگم اُسے سامنے دیکھ کر گڑبڑا گئے۔
"آذر کسی کے کمرے میں آنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" ابتسام آفندی ذرا سنبھل کر بولے الفاظ بے ربط ہو رہے تھے۔
روحا پیچھے کھڑی گہری نظروں سے اپنے باپ کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھ رہی تھی۔
"اور یہ جو آپ بات کر رہے تھے وہ کون سا طریقہ ہے؟" آپ ہمارے ساتھ ایسے کیسے کر سکتے ہیں؟ کیوں روحا اور میری منگنی نہیں ہو گی؟"

"بیٹا کل انکی کوئی بہت اہم میٹنگ ہے تو یہ کہہ رہے تھے کہ کل منگنی کی تقریب نہیں رکھتے میں نے کہا کل کے لیے سب نے تیاری کر رکھی ہے سب اتنا خوش ہیں تو منگنی کل ہی ہو گی اور ظاہر ہے جب بھی منگنی ہونی ہے تمھارے ساتھ ہی ہونی ہے۔" ثمینہ بیگم تحمل سے بولیں تو آذر نے دھیما پڑ گیا۔
"آپ لوگوں نے تو ڈرا دیا تھا۔ آ جاؤ روحا ہم میچ دیکھتے ہیں۔"
وہ اُسے بلاتا کمرے سے نکل گیا۔ روحا نے اُسے مطمئن ہو کر جاتے دیکھا تو تاسف سے سر جھٹکا۔
"کتنے بھولے ہو تُم آذر آفندی۔۔" وہ بڑبڑائی تھی پھر چند قدم بڑھ کر اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"بابا آپ اسے بیوقوف بنا سکتے ہیں لیکن مُجھے نہیں۔آذر کے علاوہ کوئی اور چوائس آپ کے دماغ میں آ رہی ہے نہ؟ آذر سے میں نے سب کی رضا مندی سے رشتہ جوڑا ہے چند دن پہلے تک تو آپ بہت خوش تھے۔اگر تو آپ اپنے پیسے کی ہوس کی وجہ سے کُچھ سوچ رہے ہیں تو یہ سوچ یہیں ختم کر دیں ورنہ آئندہ کے بعد آپکے کسی فیصلے میں آپکے ساتھ نہیں ہو نگی۔"

"روحا بچے ایسی بات نہیں ہے۔" ثمینہ بیگم اُس کے سامنے آئیں۔

"ماما آپ کو اب تک پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ آپ کی بیٹی لوگوں کے انداز اور رویے سمجھ سکتی ہے اور میں بابا کے بدلا رویہ کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔روحا کا لہجہ نرم تھا مگر انداز مضبوط تھا۔

ابتسام آفندی کو اب واقعی خوف آ رہا تھا اُس دن سے جس دن مریان لکھانی اس سوچ پڑھ لینے والی لڑکی کا اُس سے تقاضہ کرنے والا تھا۔

اگر وہ سامنے کھڑی لڑکی اُن کی سوچ سمجھ رہی تھی تو وہ بھی مریان لکھانی کی سوچ سمجھ چکے تھے اُس کی آنکھوں میں حاصل کرنے کی چاہ تھی۔

"یہ کس پر گئی ہے اتنے آرام سے اپنے ماں باپ کے سامنے سب کہہ دیتی ہے۔"

ابتسام آفندی اُس کے جانے کے بعد بولے۔

"اپنے باپ پر۔۔۔"

ثمینہ بیگم کے جواب پر اُنھوں نے چڑ کر رُخ پھیرا اور میز پر پڑی سیگریٹ سلگا کر اُس کے کش لگانے لگے۔ثمینہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں۔

وہ پریشانی میں سیگریٹ نوشی کرتے تھے اور اُن کا اس دھویں سے دم گھٹتا تھا۔

....

سلیم رضا سیاہ کوٹ کُرسی کی پُشت پر لٹکاتے ہوئے کُرسی پر بیٹھے۔

"کیا رپورٹ ہے؟ "میرے جانے کے بعد اُن کے حوالے سے کوئی اہم معلومات ہاتھ لگیں؟"

وہ اپنے پیچھے کھڑے شخص سے مخاطب تھے۔

"جی سر ابتسام آفندی کے آفس میں ہونے والی ہر بات ہم تک پہنچ رہی ہے۔مریان لکھانی پر بھی ہماری گہری نظر ہے۔ تین دن پہلے وہ ابتسام آفندی سے ملا تھا۔اُنہیں اُن کے بزنس کے حوالے سے بہت بڑی آفر کر کے گیا ہے اور اُس کے بدلے کُچھ مانگنے کا بھی کہہ کر گیا ہے۔" اُس نے سر جھکائے روانی میں تفصیلات بتائیں۔

"تمھیں کیا لگتا ہے وہ کیا مانگ سکتا ہے؟"

"پیسے سے اُسے کوئی مطلب نہیں اُس کے پاس ہر چیز ہے سوائے۔۔" وہ چند لمحے کو رکا۔

"سوائے۔۔؟" سلیم رضا نے سوالیہ ابرو اُٹھاتے پوچھا۔

"مجھے نہیں لگتا روحا ابتسام کے علاوہ اُسے اور کُچھ چاہیے ہو گا۔"

آخری الفاظ پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"معاملہ تو مزید دلچسپ ہو رہا ہے۔یہ کھیل مزے دار ہونے والا ہے۔سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے جیسے مرضی بازی پلٹیں۔نقصان دونوں دشمنوں کا اکھٹا ہو گا۔" وہ شاطرانہ مسکراہٹ لیے بولا۔

" پھر اِنتظار کس چیز کا ہے اُٹھا لاؤ اُس لڑکی کو اب اُسے ہماری کہی گئی باتیں ماننی ہیں۔"

"سر کل اُس کی ابتسام آفندی کے بھتیجے کے ساتھ منگنی ہے۔"

"مطلب لڑکی کو مریان میں دلچسپی نہیں ہے؟" سلیم رضا کو تعجب ہوا تھا وہ معاملہ دو طرفہ سمجھ رہے تھے۔

"نہیں سر۔۔"

"اور مریان کو؟؟"

"وہ تو اُس کے پیچھے معمولی ہوٹلوں کے چکر کاٹتا پھر رہا ہے۔"

"مطلب مریان بزنس ٹائکون سے مجنوں بننے والا ہے۔" اُس بند کمرے میں قہقہے گونجے تھے۔

"تو پھر ایک بار اُنہیں خوش ہو لینے دیتے ہیں پھر رنگ میں بھنگ ڈالیں گے۔اب تو وہ لڑکی ابتسام آفندی اور مریان کے خلاف اور بھی اچھے طریقے سے استعمال ہو سکتی ہے۔ابتسام آفندی نے مجھے دھتکار کر نکالا تھا اپنے آفس سے بہت غرور ہے اسے اپنے پیسے کا اِس کے پاس اِسکا یہ پیسہ ہی اِس سے چھن جائے گا تو پھر دیکھوں گا کیسے اِنسان کو اِنسان نہیں سمجھتا۔"

سلیم رضا کو اپنی منزل نزدیک نظر آ رہی تھی دو بہترین بزنس مینز کو وہ اُن کی اُلجھنوں میں ڈال کر خود آگے آنے والا تھا۔بس اُسے روحا کو ورغلانا تھا اور اپنا مقصد نکلوانا تھا۔

~~~

"آپ کو آہستہ آواز میں بات کرنی چاہیے تھی۔
~~~

آپ اِس بات کا دھیان رکھتے تو روحا کو آپ پر کبھی بھی شک نہ ہوتا۔" ثمینہ بیگم ہاتھ میں پکڑا دودھ کا گلاس ابتسام آفندی کو تھماتے ہوئے بولی۔

"اُسے شک آج کی باتوں سے نہیں ہوا بلکہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔وہ تاثرات سے دِل میں چھپی بات جان لیتی ہے اُس سے کیا چھپایا جا سکتا ہے۔"

ابتسام آفندی نے بات مکمل کرتے گلاس لبوں کو لگایا۔

"اگر مریان آپ سے ایسی کوئی ڈیمانڈ کرے بھی تو فوراً انکار کر دیجیئے گا۔آپ کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے جو آپ اُس کے سامنے بک جائیں یا اپنی بیٹی بیچ دیں۔"

ابتسام آفندی خشمگیں نگاہوں سے اپنی اہلیہ کا چہرہ دیکھنے لگے جو نہیں جانتی تھی کہ بات صرف پیسے تک نہیں رہنی تھی بلکہ سب کچھ چھن جانے تک پہنچ سکتی تھی۔

"ابتسام اگر اب آپ نے روحا کے ساتھ کسی قسم کی نا انصافی کی تو میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔"

ثمینہ بیگم کے تنبیہہ انداز پر ابتسام آفندی کو حیرت ہوئی تھی۔پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اتنے سخت انداز میں مخالفت کر رہی تھیں ورنہ وہ زیادہ تر سمجھاتی ہی تھیں اور بات نہ سمجھنے پر خاموش ہو جاتی تھیں۔ مگر اس بار بات بیٹی کی تھی خاموش نہیں رہا جا سکتا تھا۔

"ابھی مریان کو فون کریں اور اُسے منگنی کی دعوت دیں۔" ابتسام آفندی نے چونک کر اُنہیں کو دیکھا۔

"لیکن اُسے بلانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تا کہ اُسے کسی قسم کی خوش فہمی نہ ہو اور اگر ہے بھی تو ختم ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے کر دیتا ہوں۔" انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے انداز میں کہا اور گلاس میز پر رکھتے موبائل اٹھا لیا۔

"اور آپ یہ بھی کہیں کہ آپ کو اُس کی آفر میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

ابتسام آفندی گہرا سانس لیتے موبائل پر نمبر ملانے لگے۔

مریان اسلام آباد سے آنے کے بعد اپنے بریف کیس سے چیزیں نکال رہا تھا جب ابتسام آفندی کی کال آنے پر اُس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"السلام و علیکم ابتسام صاحب" اُس نے کال اُٹھاتے سلام کیا۔

ابتسام آفندی اُس کے موڈ کا اندازہ لگانا چاہ رہے تھے مگر اُس کی ایک لفظی بات سے نہیں لگا سکے۔

"میں نے تمہیں دعوت دینے کے لئے کال کی ہے۔"

انہوں نے ذرا تذبذب کے بعد بات شروع کی۔

"کس چیز کی دعوت؟؟"

"مریان۔۔" صبیحہ بیگم کے پکارنے پر مریان کا دھیان فوراً دروازے کی جانب گیا جہاں وہ ایک ہاتھ دروازے پر جمائے جبکہ دوسرا چھڑی پر رکھے کھڑی تھیں۔

"کل میری بیٹی کی منگنی ہے۔"

"جی میں ضرور آؤ گا۔" مریان کال کاٹ کر دروازے کی جانب بڑھا اور فوراً سے اُن کا ہاتھ تھامتے اُنہیں بیڈ پر بیٹھانے لگا۔

ابتسام آفندی نے حیرت سے موبائل کی سکرین کو دیکھا پھر ثمینہ بیگم پر نظر ڈالی جو شاکی نظروں سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔ مریان نے اِس قدر نارمل انداز میں جواب دیا تھا کہ وہ دنگ رہ گئے تھے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"آپ نے آفر کے حوالے سے بات کیوں نہیں کی؟"

اُس نے کال کاٹ دی۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ نے خود کال کاٹی ہے تا کہ آپ کو آفر سے انکار نہ کرنا پڑے۔"

""ثمینہ بیگم اِس عمر میں شک صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔خود سوچو اگر میں نے آفر قبول کرنی ہوتی تو میں اُسے کال کیوں کرتا اور روحا کی منگنی پر کیوں بلاتا۔ مگر مجھے حیرت ہے اُس نے اتنی آسانی سے حامی کیسے بھر لی کوئی بات بھی نہیں کہی مُجھے لگتا ہے اُس کی کوئی اور ڈیمانڈ ہو گی ورنہ روحا کی منگنی پر کوئی تاثر تو دیتا۔"

"ہاں شاید ہم نے ہی اُسے غلط سمجھ لیا۔

اسی لیے کہتے ہیں خود سے اندازے نہیں لگانے چاہئیں زیادہ تر غلط ہی ثابت ہوتے ہیں اور جب غلط ثابت ہوتے ہیں تو شرمندگی ہوتی ہے۔" ثمینہ بیگم نے اپنی غلط سوچ پر تاسف بھری سانس کھینچی۔

"کس کی کال تھی کہاں جانے کی بات ہو رہی تھی؟" صبیحہ بیگم نے کال بند ہوتے مریان سے پوچھا۔

"روحا کی بہن کی منگنی ہے ابتسام آفندی نے شمولیت کی دعوت دی ہے۔"

اُس نے سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی تھی کہ ابتسام آفندی کی وہ بیٹی روحا بھی ہو سکتی تھی۔ وہ زیادہ ہی پر اُمید تھا اور سوچ بھی کیسے لیتا نبیہا روحا سے بڑی تھی اصولاً اُس کی منگنی ہونا ہی بنتی تھی۔

”چہرے پر روحا سے ملنے کی خوشی جھلک رہی ہے۔“ صبیحہ بیگم اُسے چھیڑنے والے انداز میں بولیں تو مریان نے مسکراتے ہوئے سر جھکایا۔

”اصل خوشی تو تب ہو گی جب وہ واقعی مل جائے گی۔“

”اور اگر نہ ملی تو؟“

”کیوں نہیں ملے گی؟“ اُس نے اپنے مخصوص انداز میں اُلٹا سوال کیا۔

”اُسے تُم سے شادی پر اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔“

”کیوں ہو گا؟“ اُسے سوال کے جواب میں اُلٹا سوال کرنے کی عادت تھی۔

”اگر کر دیا تو؟“ صبیحہ بیگم اسے حقیقت دیکھانا چاہ رہی تھیں مگر وہ اِس وقت خوش فہم ہی رہنا چاہتا تھا۔

”نہیں کرے گی اور اگر اُسے میرے ساتھ تعلق بنانے میں اعتراض ہوا تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا مگر میں نہیں رہ سکوں گا۔“

”کہاں نہیں رہ سکو گے؟“ صبیحہ بیگم حیران ہوئی تھیں وہ نہیں جانتی تھیں وہ روحا کے معاملے میں اِس حد تک سنجیدہ ہو چکا ہے۔

”کہیں بھی نہیں۔۔“

صبیحہ بیگم نے حیرت سے اپنے پوتے کو دیکھا اُس کے چہرے پر اب صرف سنجیدگی تھی ان کا دل ڈوبا۔اُن میں اُسے دکھی دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔وہ سمجھ گئی تھیں کہ اگر سب مریان کی سوچ کے

مطابق نا ہوا تو اُسے بہت تکلیف پہنچے گی اور اُسے تکلیف میں دیکھا خود تکلیف محسوس کرنے کے مترادف تھا۔

"مریان تُم مُجھے خوف زدہ کر رہے ہو؟"

"آپ نے بھی تو مجھے خوف زدہ ہی کیا ہے۔"

وہ الماری میں ہنگرز آگے پیچھے کرتے کپڑے دیکھتا مصروف لہجے میں کہہ رہا تھا۔

صبیحہ بیگم اُسے مصروف دیکھ کر سرد آہ بھرتے اُٹھ کر جا چُکی تھیں وہ اُنہیں بات کرنے کی حالت میں نہیں لگا تھا۔مریان نے مڑ کر حیرت زدہ سا کمرے کو دیکھ رہا تھا۔وہ حیران تھا اُسے اُن کے جانے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا ورنہ وہ اُنہیں اُن کے کمرے تک چھوڑ کر آتا تھا۔

وہ کپڑے بدل کر اوندھے منہ بیڈ پر لیٹ گیا تھا وہ ہر لحاظ سے مہذب تھا مگر اُس کے سونے کا انداز مہذب نہیں تھا ایسا اُس نے صبیحہ بیگم سے سنا تھا ورنہ وہ یہ بات نہیں مانتا تھا کہ سونے کا بھی کوئی انداز ہوتا ہے آرام کرتے وقت اصولوں کو بیچ میں نہیں لانا چاہیے ورنہ اِنسان باقی سارا وقت اصولوں پر چلتے ہی گزارتا ہے۔

....

"آذر کوئی شرم کرو تھوڑی دیر کے لئے تو اپنے گھر چلے جاؤ اور مُجھے تو لگتا ہے تم ہمارے گھر سے اسٹیج تک منتقل ہو گے وہ بھی دھکے دے کر تمہیں پُہنچانا پڑے گا۔" نبیہا ناک چڑاتے بولی تو آذر نے دانت پیسے۔

"موٹی تُم چُپ کرو۔" وہ دانتوں میں سیب گاڑتے ہوئے بولا۔

"خبردار جو تُم نے اب مُجھے موٹی کہا میری اچھی صحت کو تُم موٹاپے کا نام دے دیتے ہو۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"تُم بھی اضافی چربی کو اچھی صحت کا نام مت دو۔"

"مُجھ سے لوگ میری اچھی صحت کا راز پوچھتے ہیں اور تُم مُجھے طعنے دے رہے ہو۔" وہ ہمیشہ سے اُسے ایسی ہی باتیں سناتا تھا مگر نبیہا کو ہر بار نئے سرے سے دکھ ہوتا تھا۔

"لوگ اپنی بھینسوں کو صحت مند کرنے کے راز پوچھتے ہونگے۔"

"بابا آذر مُجھے موٹا کہہ رہا ہے۔"

نبیہا نے ابتسام آفندی کو پاس سے گزرتا دیکھ کر فوراً سے شکایت کی۔

"یہ تمھاری صحت سے جلتا ہے۔"

ابتسام آفندی نے معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

"سنا تُم نے سوکھے پتے بابا نے ابھی کیا کہا ہے؟"

اُسکی تو ابتسام آفندی کی بات سے ڈھارس بندھ گئی تھی۔

"ہاں سنا ہے اور مُجھے یقین ہو گیا ہے کہ چاچو نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔"

اور ابتسام آفندی نے اس بات پر آذر کو گھوری رسید کی جو اس پر بے اثر ثابت ہوئی۔

”روحا تُم کب تک تیار ہو گی؟“

وہ نبیہا پر نفرین بھیجتے روحا کی طرف متوجہ ہوا۔وہ میک اپ میں مگن اُن کی باتیں نظر انداز کر رہی تھی اُس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی نبیہا اور آذر کی ازل سے نہیں بنتی تھی اور ابد تک نہیں بننی تھی۔

”روحا ویسے لڑکیاں پارلر سے تیار ہوتی ہیں تُم خود سے کیوں ہو رہی ہو؟“

”کیونکہ میں لڑکی نہیں روحا ابتسام آفندی ہوں۔“

روحا نے ہاتھ جھلاتے کہا۔

”تاریخ کی کتابوں میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا کہ ایک لڑکی جِس کا نام روحا ابتسام آفندی تھا وہ خود کو لڑکی نہیں مانتی تھی۔“

نبیہا پھلوں کی ٹوکری سے سیب نکالتے بولی۔

”ویسے نبیہا یہ اچھی صحت بنانے کے لئے کتنے گھنٹے کھانا پڑتا ہے؟“ آذر اُس کو سیب اُٹھاتے دیکھ چکا تھا ورنہ وہ اُس سے احتیاط ہی برتتی تھی اُس کے سامنے کُچھ بھی کھانے سے گریز کرتی تھی۔

”ویسے تُم پارلر کیوں نہیں گئی؟ اچھی صحت والی لڑکیوں کو بھی پارلر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی؟“

”آذر آفندی اللہ کرے تُمھیں ایک سو اسی کلو کی لڑکی ملے۔“

”یہ تو تُم کسی بھینس کا وزن بتا رہی ہو اُن کے ساتھ شادی ہو جاتی ہے؟ ہو ہی جاتی ہو گی تمھارے ساتھ بھی تو کوئی کرے گا ہی۔۔۔“

نبیہا اُسے سُرخ آنکھوں سے گھورتی پیر پٹختی باہر نکلی۔

روحا اُن کی باتوں پر گردن جھٹکے ہنس رہی تھی۔

”آذر ویسے نبیہا موٹی تو نہیں ہے اور واقعی اُس کی بس اچھی صحت ہے اور وہ اُس میں زیادہ پیاری لگتی ہے۔“

”اب تُم اُس کی تعریفیں کر کے ابتسام چاچو نہ بنو۔“ روحا کا سچ اسے پسند نہیں آیا تھا۔

”ویسے تُمہیں نبیہا سے کوئی پیدائشی دشمنی ہے بچپن سے اب تک تُم نے نبیہا کو صرف تنگ ہی کیا ہے۔“

”اگر ہماری بنتی ہوتی تو تمھاری جگہ آج اُس سے منگنی ہوتی جو مُجھے منظور نہیں ویسے بھی وہ پیچھے نہیں رہتی ٹکا کر جواب دیتی ہے۔“

”آذر احتشام آفندی اتنے چالاک لگتے تو نہیں جتنے ہو۔“ روحا اُس کی منطق پر حیران رہ گئی تھی۔

”لگتی تو تُم بھی معصوم ہو۔“

”نہیں میں جیسی نظر آتی ہوں ویسی ہی ہوں اب یہ لوگوں پر منحصر ہے کے وہ مُجھے کیا سمجھتے ہیں اُن کے لیے اندر باہر سے میں ویسی ہی ہوں۔ مُجھ سے جیسی اُمیدیں لگائی جائیں گی میں ویسی ہی ثابت ہو نگی۔“

"آذر جاؤ تمہیں تایا جان بلا رہے ہیں۔" نبیہا دروازے سے چہرہ نکالے اُسے مطلع کر رہی تھی۔
"کیا کہہ رہے ہیں؟" آذر نے اُکتاہٹ سے رُخ اُس کی جانب پھیرتے پوچھا۔
"کہہ رہے ہیں اُس شہزادے سے کہو ہمارا ہاتھ بٹائیں اور کیٹرنگ والوں کو آ کر ارینجمنٹس کے متعلق سمجھا دو۔"
"یقیناً تم نے بات بڑھا چڑھا کر بتائی ہو گی۔"
"میں نے کیوں بڑھا چڑھا کر بتانی تمھاری تو ویسے ہی اتنی عزت افزائی ہوتی رہتی ہے۔"
نبیہا کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا اُس کے جواب پر آذر کا پارہ ہائی ہوا تھا۔
"پیچھے ہٹو اتنی جگہ گھیر کر کھڑی ہوتی ہو۔"
آذر اُسے دروازے سے پیچھے ہٹاتا باہر نکلا۔
"جاؤ اپنے گھر۔۔۔"
آذر کے باہر اُٹھتے قدم اُس کی بات پر رکے۔
"کیا مطلب ہے اپنے گھر جاؤں یہ میرا گھر ہے ہم لوگوں کے گھروں میں کبھی تیرا میرا نہیں ہوا ہم لوگ ایک خاندان کی طرح ہی رہتے ہیں کوئی بھی کبھی بھی کسی کے گھر بغیر اجازت کے آتا جاتا ہے۔اب ایسا کیا ہی ہو گیا ہے کہ اِس ایک گھر کو دو گھر سمجھا جائے؟
اور ویسے بھی شادی کے بعد تُم یہاں سے جاؤ گی ہم سب یہی رہیں گے اِس گھر میں صرف ایک تُم وہ فرد ہو جسے یہ گھر چھوڑ کے جانا ہے۔" آذر نے درشت لہجے میں کہا۔
"ایسے ہی جائے گی ہم گھر جمائی رکھ لیں گے اور اسے کہیں نہیں جانا پڑے گا۔"

روحا نبیہا کی آنکھوں میں اُمڈتی نمی دیکھ کر فوراً سے بولی۔

”نبیہا یار تُم اِدھر آؤ تمھارا میک اپ کروں یہ تو ویسے ہی تُمہیں چھیڑتا ہے۔“

آذر روحا کی نبیہا کو چھیڑنے والی بات پر کانوں کو ہاتھ لگاتا باہر نکلا۔

”بیٹھو تیار کروں۔“

”روحا تُم بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”تُم بھی ابھی بہت اچھی لگو گی۔ویسے آذر صرف مذاق کرتا ہے تم فضول میں جذباتی ہو رہی تھی اُس کی عادت کا تمہیں پتہ تو ہے۔“

”جانتی ہوں ہم عمر ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔“

”اِن دونوں کے دِل ایک دوسرے کے لئے صاف ہیں مگر دماغ خراب ہیں۔“ سوچتے ہی روحا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

”ویسے نبیہا تُم اچھی لگ رہی ہو۔“

آذر روحا کے ساتھ سٹیج پر اُس کے ساتھ کا سیاہ و سفید ملاپ کا جوڑا پہنے بیٹھا مزے سے بولا تھا۔نبیہا کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"واقعی؟" کے چہرے پر تمامنت کے رنگ بکھر گئے تھے۔نبیہا نے تصدیق چاہی۔اُسے آذر احتشام آفندی کی تعریف پر تصدیق کی مہر چاہیے تھی تا کہ وہ لڑائی کے موقع پر یاد دھیانی کروا سکے کہ فلاں تاریخ کو وہ اُس کی تعریف کرنے کی حماقت کر چُکا ہے۔

"خوبصورت سی گائے لگ رہی ہو۔"

آذر کی اگلی بات پر اُس کی ساری خوشی اور پلاننگ دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

روحا اور آذر نے اُس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہنس پڑے تھے۔

مگر سامنے آتے شخص کے قدم اُس کے ہنستے مسکراتے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہیں جم گئے تھے۔اُس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ لمحے میں غائب ہوگئی تھی آنکھوں سے چمک ختم ہوگئی تھی وہ چمک جو پہلی بار اُسے دیکھنے پر اُس کی آنکھوں میں موجود تھی۔

مریان کو لگا تھا اُس قمقوں کی روشنیوں سے جگمگاتا لان میں سیاہی پھیل گئی تھی جو اس کو کُچھ نظر نہیں آنے دے رہی تھی منظر دھندلا رہا تھا وجہ شاید آنکھوں میں پیدا ہوتا سفید ننھا موتی نُما قطرہ تھا جو آنکھوں کے اندر رہ کر سامنے موجود لوگوں کو دیکھنے نہیں دے رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں میں صرف حیرت نہیں تھی دِل میں افسوس بھی تھا۔وہ حیرت سے ساکت کھڑا تھا۔

وہ کسی بھی طرح سے روحا کو اپنے سامنے اس طرح دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھا اُسے خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کیوں نہیں سوچ سکا کہ ابتسام آفندی کی وہ بیٹی روحا بھی ہو سکتی تھی۔کتنا خوش فہم تھا وہ اور خوش فہم لوگوں کو حقیقت کا سامنا کرنے میں بہت مشکل ہوتی ہے۔

اُس سے تو وفاؤں کے وعدے نہیں کیے گئے پھر وہ اتنا پُر اُمید کیسے ہو گیا تھا اُسے تو روحا کی طرف سے کوئی اُمیدیں دلاسے نہیں دلائے گئے تھے۔

اُسے مایوسی تھی وہ وقت پر کچھ نہیں کر سکا تھا وہ تو جانتا ہی نہیں تھا وقت سرک رہا ہے اس کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے اس کی قیمتی چیز دور جا رہی تھی اسے اپنی لا علمی کا افسوس تھا۔وہ شاید مزید خود کو خوش فہمی میں مبتلا کر لیتا مگر اُسے سامنے بیٹھی لڑکی خوش نظر آ رہی تھی۔

اُسے میرے ساتھ تعلق بنانے میں دلچسپی نہیں تو کیا مجھے پیچھے ہٹ جانا چاہیے؟

"نبیہا اس کا ہاتھ چھوڑو۔۔"

آذر کی آواز پر مریان نے سوچ سے نکل کر نظر اُٹھا کر سامنے سٹیج کی طرف دیکھا۔

نبیہا روحا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے ہوئے تھی جو آذر چھڑوانے میں مشغول تھا۔

"نہیں پہلے میری کی گئی ہے عزتی کی معافی مانگو ورنہ انگوٹھی نہیں پہنانے دوں گی۔" ابھی تو اُسے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا موقع ملا تھا کیسے وہ ہاتھ سے جانے دیتی۔

"تُم ویلن بن کر نازل ہو گئی ہو۔"

آذر منہ بسورا۔"یہ لو معاف کر دو مُجھے۔۔"

آذر نبیہا کے سامنے ہاتھ باندھے۔

نبیہا نے چہرے پر مسکراہٹ لیے روحا کے ہاتھ چھوڑ دیئے تھے۔مریان کا دِل چاہا نبیہا کبھی بھی روحا کا ہاتھ نہ چھوڑتی۔

اِس ساری کارروائی میں مریان کو جِس چیز نے حیران کیا تھا وہ روحا کا پُر سکون ہونا تھا اُس نے ایک بار بھی اپنے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی ذرا بے تابی نہیں دیکھائی تھی۔

آذر نے انگوٹھی روحا کی اُنگلی میں پہنائی تھی اب روحا پہنا رہی تھی اور وہ بت بنے سامنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ تالیوں کی گونج پر اُس نے سر جھکایا۔ بے یقینی تھی سب غیر متوقع تھا وہ کیسے یہ سب خاموشی سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

"روحا یہ کون ہے؟"
نبیہا مریان کی طرف اشارہ کرتے پوچھ رہی تھی۔
روحا نے حیرت سے اُسے دیکھا تھا مریان کی موجودگی اس کے لیے غیر متوقع تھی۔
"مریان لکھانی۔۔" وہ روحا کو دیکھے بغیر بڑبڑائی تھی۔
"اوہ تو یہ مریان ہے ویسے ہنڈسم ہے۔" ساتھ بیٹھے ہونے کی وجہ سے نبیہا تک اُس کی بڑبڑاہٹ پہنچ چکی تھی۔
وہ اپنی شُہرت اور وجاہت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نظروں میں تھا بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو رہے تھے۔
مگر اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر کوئی بھی اُس کے پاس نہیں جا رہا تھا ابتسام آفندی بھی نہیں وہ اس کی حالت دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے تھے اُنہیں اپنے اندازے ٹھیک ثابت ہوتے لگ رہے تھے۔

اگر وہ یہ جان لیتا کہ لوگ اُس سے اِس وقت متاثر ہو رہے ہیں وہ حیران ہوتا کہ ایک ٹوٹے ہوئے اِنسان سے کیسے متاثر ہوا جا سکتا ہے بھلا اُس شخص سے کیسے متاثر ہوا جا سکتا ہے جو ہمت جما کر کے اُس جگہ سے دور نہیں جا پا رہا تھا۔جو واپسی کے لیے قدم بھی نہیں موڑ پا رہا۔

"یہ یہاں کیوں آیا ہے؟"

اب کی بار اُس پر نظر پڑتے آذر نے سوال کیا تھا۔

"بابا نے بلایا۔۔۔ہو۔۔گا"

وہ با مُشکل اپنی بات مُکمل کر پائی تھی۔

وجہ سامنے کھڑے شخص سے نظریں ٹکرانا تھی۔

اُس کے مریان کی طرف دیکھنے پر مریان کی آنکھ کے کونے سے موتی لڑھک کر گرا تھا جو کسی اور کو بھی گرتا محسوس ہوا تھا۔

آنسو اس کی انگوٹھی کے سیاہ پتھر پر گرا تھا۔

مریان نے نظریں جھکا کر آنسو کو پتھر پر گرتے دیکھا۔

سیاہ پتھر بھی تب کشش پیدا کرتا ہے جب ہماری قسمت اچھی ہو ورنہ اس پوری دنیا کے مرکز سیاہ پتھر کی کشش تو سب کے لئے ہوتی ہے مگر ہماری قسمت ہمیں وہاں تک پُہنچے نہیں دیتی بہت سے لوگ دعائیں کرتے رہ جاتے ہیں وہاں جانے کو تڑپتے ہیں مگر وہاں نہیں پہنچ پاتے قسمت بیچ میں آ جاتی ہے۔

اُسے قدم اٹھانا مُشکل لگ رہا تھا مگر یہاں کھڑے رہ کر مزید سب برداشت کرنا اُس سے بھی زیادہ مُشکل لگ رہا تھا۔وہ پلٹ کر لمبے ڈگ بھرتا اُن روشنیوں سے نکل رہا تھا وہ اندھیروں میں جانا چاہتا تھا۔

ہاتھ خالی ہیں ترے شہر سے جاتے جاتے
جان ہوتی تو میری جان لٹاتے جاتے
اب تو ہر ہاتھ کا پتھر ہمیں پہچانتا ہے
عمر گذری ہے ترے شہر میں آتے جاتے
رینگنے کی بھی اجازت نہیں ہم کو ورنہ
ہم جدھر جاتے نئے پھول کھلاتے جاتے
مجھ میں رونے کا سلیقہ بھی نہیں ہے شاید
لوگ ہنستے ہیں مجھے دیکھ کے آتے جاتے
اب کہ مایوس ہوا یاروں کو رخصت کر کے
جا رہے تھے تو کوئی زخم لگاتے جاتے
ہم سے پہلے بھی مسافر کئی گزرے ہونگے
کم سے کم راہ کا پتھر تو ہٹاتے جاتے

مسکراہٹوں روشنیوں سے سجی رات ختم ہونے کو تھی فنکشن ختم ہو چکا تھا سب جا چکے تھے مگر گھر کے افراد ابھی بھی باتوں میں مصروف تھے۔روحا لاؤنج سے باہر نکل کر لان میں آ گئی تھی اور اپنی مطلوبہ چیز ڈھونڈنے لگی تھی سب کچھ سمیٹا جا چُکا تھا مگر اُسے وہ اُسی جگہ پر گھاس میں چھپی سیاہ پتھر کی انگوٹھی نظر آ گئی تھی۔

"مریان لکھانی تمھاری خواہش ہی غلط تھی تُم لوگوں کے صرف دلوں میں رہنا چاہتے تھے جو تُم رہ لیتے ہو مگر تُم دِل فتح نہیں کر پاتے۔

جب تک کوئی چیز آپکی ملکیت نہ بن جائے تب تک وہاں سے آپ کو کوئی بھی نکال سکتا ہے اور با آسانی نکال سکتا ہے۔تم دلوں سے نکالے جا سکتے ہو۔" اُس نے انگوٹھی پر نظریں جمائے سوچا۔

"روحا باہر کیوں آ گئی؟"

آذر اُس کو باہر آتے دیکھ چکا تھا اور اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

روحا نے آذر کو دیکھ کر جلدی سے انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں پہن لی تھی۔

"آرام کر لو روحا تھک گئی ہو گی۔"

وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔اُس سے زیادہ روحا کی فکر کسی کو بھی نہیں ہو سکتی تھی وہ ہمیشہ سے اس کا خیال رکھتا آیا تھا۔

روحہاخاموشی سے صرف سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

"روحا۔۔" آذر کے پکارنے پر روحا کا دِل ڈوبا اُسے لگا آذر اُسے انگوٹھی اُٹھاتے اور پہنتے دیکھ چکا ہے۔

"ہاں۔۔؟" وہ پلٹتے ہوئے مدھم سی آواز میں بولی۔

"تُم آج بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔" اُس کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

"تُم بھی۔۔"

"میں تو ازل سے خوبصورت ہوں۔"

"اب تُم یہ سوچ رہے ہو کہ میں نبیہا کی طرح تمھاری بات کی تردید کروں گی تو ایسا ہر گز نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں تُم دِل نہیں توڑتی۔"

روحا نے تھوک نگلا اُسے لگا آذر اُس پر طنز کر رہا ہے۔

"اچھا چلو جاؤ تُم مُجھے تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" وہ چل پڑی تھی مگر اُسے لگ نہیں رہا تھا کہ وہ آرام کر سکے گی۔وہ آنکھوں سے گرتا موتی اُسے احساس جرم میں مبتلا کر رہا تھا۔بغیر جرم کے مجرموں کو چین بھی نہیں ملتا۔

اُسے چہروں سے لوگوں کی سوچ پڑھنے نے پہلی بار اُسے اِس حد تک بے چین کیا تھا۔

وہ اِس کی وجہ جانتی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ کسی کی بے چینی کی وجہ بنی ہے اُسے بھی اب یہ جھیلنی پڑنی تھی۔

مریان راستوں سے بے خبر گاڑی چلا رہا تھا وہ کہیں بھی نہیں جانا چاہتا تھا اُسے لگ رہا تھا وہ کہیں بھی سکون سے نہیں رہ سکے گا۔

کراچی کی جو چیز اُسے اپنی جانب کھینچتی تھی وہ اُس کا ساحل تھا اور اس نے اُسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔

لہروں کا پانی اُس کے پاؤں تک آ کر پیچھے جاتا تھا وہ اپنے پاؤں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔
آس پاس چند لوگ رات کے اِس پہر بھی موجود تھے۔وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا ہر چیز سے بے نیاز بیٹھا تھا۔
اُسے اِس وقت کسی چیز میں دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی سامنے بہتے پانی میں بھی نہیں۔

ڈھونڈ کر لاؤں کوئی تجھ سا کہاں سے آخر
ایک ہی شخص ہے بس تیرا بدل یعنی تو

وہ ہولے سے بولا تھا اور لہروں کے شور میں اُس کی مریل آواز جیسے مر ہی گئی تھی اُس کے الفاظ اُس کی اپنی سماعتوں تک بھی نہیں پہنچ پائے تھی۔وہ ساکت سا بیٹھا خالی نظروں سے ساحل کی ریت تکتا رہا۔

~~~~
~~~~

”ماما مُجھے زیام میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ فاطمہ اونچی آواز میں بولی تو شمسہ بیگم نے ناگواری سے اُس کی جانب دیکھا۔

”فاطمہ تُم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو یہ رشتہ کر کے ہم بہت فائدے میں رہیں گے۔“ شمسہ بیگم نے دروازے کی جانب نگاہیں کیے دھیمی آواز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”میں اپنی زندگی زیام کے ساتھ نہیں برباد کر سکتی۔مجھے تو اس کی شکل بھی اچھی نہیں لگتی۔“ اب کی بار وہ بھی آواز کے باہر جانے کے ڈر سے قدرے دھیمے لہجے میں بولی۔

”لیکن وہ ساری جائیداد سارے کاروبار کا اکیلا وارث ہے۔تمہاری اُس سے شادی ہونے بعد وہ سب کچھ تمہارا بھی ہو گا۔“

”مُجھے نہیں چاہیے یہ سب میں اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔“ اُسے معلوم تھا کہ اُس کی ماں مُکمل ارادہ بنا کر یہاں آئی ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی پھر بھی اُس نے احتجاج ریکارڈ کروانا ضروری سمجھا تھا۔

”تمھیں فلحال کرنا پڑے گا۔“

”بعد میں کیا ہو گا؟“

”بعد میں چاہے اُسے چھوڑ دینا۔“

”ماما آپ جانتی ہیں نہ آپ اپنی بہن کے بیٹے کی بات کر رہی ہیں؟“ اپنی ماں کے آنے پر جتنی محبت وہ بہنیں آپس میں لٹا رہی تھیں اُس کے لیے اپنی ماں کی بات قابلِ حیرت تھی۔

”جانتی ہوں میری بہن کے بیٹے کی بات ہو رہی ہے اور اسی لیے تمھیں اُس سے شادی کا کہہ رہی ہوں۔“

”ماما یہ خاندانی مرد شادی کے بعد آسانی سے چھوڑتے نہیں ہیں۔“

”تُم اُس کے مطابق کی نہیں ہو اور جب تُم اُس کے مطابق کی بننے کی کوشش بھی نہیں کرو گی تو اُس کے پاس واحد حل تُمہیں چھوڑنا ہی ہو گا۔“

”وہ اپنے والدین کی خاطر اگر مُجھ سے شادی کرنے کے لیے رضا مند ہو گیا ہے تو ساری زندگی برداشت کرنے کے لئے بھی تیار ہو سکتا ہے۔“ فاطمہ کو زیام سے اچھے کی اُمید تھی ہی نہیں۔

”فاطمہ ایسے فیصلے ماننا آسان ہوتا ہے مگر نبھانا بہت مشکل ہوتا ہے اور مرد کے لئے تو مزید مُشکل ہوتا ہے۔اُسے ناپسند عورت کے ساتھ گزارا کرنا زیادہ مُشکل لگتا ہے کیونکہ اس کے پاس چوائس ہوتی ہے وہ عورت کو چھوڑ سکتا ہے۔وہ با اختیار ہوتا ہے اور جب کسی کے پاس اختیار ہو تو وہ بہت مُشکل سے خود کو اُس اختیار کے استعمال سے روکتا ہے۔مرد کو اُس کے اِس اختیار کے استعمال سے صرف دو چیزیں روک سکتی ہیں ایک محبت اور دوسری مجبوری۔۔

محبت اُسے تُم سے ہے نہیں اور مجبور کسی کو بھی ایک حد سے زیادہ نہیں کیا جا سکتا۔“ فاطمہ نے سخت بیزاری سے اُنہیں دیکھا۔

”مگر میرا دِل نہیں مان رہا۔“ وہ شمسہ بیگم کے اتنا سمجھانے پر بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

”دِل کی بات ماننے والے نقصان اُٹھاتے ہیں۔“

"ماما وہ دولت یا شُہرت کے معاملے میں نقصان اُٹھاتے ہونگے مگر محبت کے معاملے میں بازی لے جاتے ہیں۔محبت میں دِل کے فیصلے ہی چلتے ہیں۔"

"کس کی محبت کی بات کر رہی ہو؟ شمسہ بیگم اس کے انداز پر ٹھٹھکی۔

"بس ایسے ہی کہا۔" وہ بات گول کر گئی تھی۔

"جمعہ کو زیام کے ساتھ تمھاری منگنی ہے۔"

"واٹ۔۔صرف دو دن بعد ماما آپ لوگوں کو ہو کیا گیا ہے کس بات کی جلدی ہے؟" یہاں آنے سے پہلے اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سب اتنی جلدی کیا جائے گا۔

"جلدی ہو یا دیر سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا نہیں۔تمہاری شادی زیام سے ہی ہو گی۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولیں۔

"مُجھے لگتا ہے زیام انکار کر دے گا اُسے مجھ میں دلچسپی نہیں۔مُجھے لگتا ہے وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔"

"اگر سعدیہ میری بہن ہے تو معین بھائی میرے کزن ہیں میں جانتی ہوں وہ دونوں کبھی اُسے کسی اور سے شادی نہیں کرنے دیں گے ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ روایات پر یہی لوگ چلتے ہیں یہ زیام کی بات نہیں مانیں گے بلکہ اُسے ہی قائل کریں گے۔"

"بی بی آپ کو سعدیہ بیگم بلا رہی ہیں۔"

دروازے پر کھڑی ملازمہ فاطمہ کو اطلاع دے رہی تھی۔

"ماما میں بعد میں بات کرتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے اور جو میں نے کہا ہے وہ ہی کرنا۔" شمسہ بیگم کی تلقین پر فاطمہ نے بیزاری سے آنکھوں کا رُخ پھیرتے ہوئے سامنے کھلا لیپ ٹاپ بند کیا اور ملازمہ کے پیچھے چل پڑی۔

"جی خالہ۔۔؟" وہ دروازے کھٹکھٹاتے اجازت ملنے پر کمرے میں داخل ہوئی۔
"بیٹھو تمھارے خالو نے تُم سے بات کرنی ہے۔"
فاطمہ نے کونے پر کھڑے زیام پر نظر ڈالی جو ہاتھ سینے پر باندھے سنجیدہ چہرہ لیے کھڑا تھا۔
"دیکھو بچوں ہمارے ہاں خاندان میں ہی رشتہ کیا جاتا ہے اور اگر خاندان میں نہ ہو تو کسی اور سید خاندان میں کر دیا جاتا ہے اور تُم لوگ اسے خوش قسمتی سمجھو یا بد قسمتی خاندان میں ہم عمر صرف تُم دونوں ہو چوائس تُم لوگوں کے پاس نہیں ہے۔" سید معین نے دونوں کو موجود پا کر بات کا آغاز کیا۔
"بابا تایا جان کی بیٹی کو مت بھولا کریں میرے پاس چوائس ہے۔" زیام کی بات پر سید معین نے اُسے آنکھوں میں تنبیہہ کی۔
"تُم لوگوں کو اِس رشتے سے کوئی اعتراض تو نہیں؟"
"نہیں مُجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فاطمہ نے فوراً سے تابعداری دیکھائی تھی۔وہ ان کے سامنے انکار کرنے کے بعد اپنی ماں کی ناراضگی مول نہیں لے سکتی تھی۔زیام نے حیرت سے اُسے دیکھا تھا اُسے اِس جواب کی اُمید نہیں تھی۔

اُسے یقین تھا کہ وہ بچپن کی طرح اب بھی اُسے پسند نہیں کرتی پھر اس نے ساری زندگی ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیسے لے لیا تھا۔وہ اس کے فیصلے پر حیران ہی ہو سکتا تھا۔وہ جس ماحول سے آئی تھی اُسے فاطمہ سے ایسے آنکھیں بند کر کے حامی بھر لینے کی توقع قطعاً نہیں تھی۔

اُس نے زیام کی آخری اُمید پر بھی پانی پھیر دیا تھا اُسے سب اپنے خلاف ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"لیکن مجھے اِس فیصلے سے اعتراض ہے۔"

اب حیران ہونے کی باری فاطمہ کی تھی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کی توقعات کے برعکس بولے تھے۔اُسے لگتا تھا زیام ہر معاملے کی طرح اِس میں بھی سعادت دیکھائے گا۔

دونوں ایک دوسرے کو نہیں جان پائے تھے نہ جاننے میں دلچسپی رکھتے تھے۔کسی کے بارے میں تب ہی جانا جا سکتا ہے جب آپ اُس کو جاننے کے لیے تیار ہو۔

"زیام تُم انکار کا نتیجہ جانتے ہو اُمید کرتا ہوں دوبارہ میری بات سے اختلاف نہیں کرو گے۔" سید معین شاہ نے اُسے خاموش کروا دیا تھا۔

"دوبارہ نہیں کروں گا مگر اس بات پر مُجھے اختلاف ہے۔بابا آپ کو آپ کے والدین کے فیصلوں پر کبھی اختلاف نہیں ہوا تھا؟" زیام کے اچانک سوال پر سید معین نے اچٹتی نگاہ اُس پر ڈالی۔

"ہوتا بھی تھا تو تمھاری طرح سامنے کھڑا ہو کر کہتا نہیں تھا۔"

"بالکل یہی غلطی تھی آپ کی آپ نے اختلاف کرنے کی ہمت نہیں کی اور آپ چاہتے ہیں آپ کی اولاد بھی بزدلی دیکھائے۔"

سید معین زیام کی بات پر خاموش ہو گئے۔

وہ ایسے ہی اُن سے بات اُگلوا کر پھر دلائل دیتا تھا۔

”آپ نے جب اپنے والدین کے سامنے اختلاف نہیں کیا اب آپ چاہتے ہیں آپکی اولاد کے دِل میں حق بات نہ کر کے کسک رہ جائے اور یہ نسلوں چلتی رہے۔

اگر ہم اِس اُمید پر کُچھ نہیں کرتے کہ اگلی نسل کر لے گی وہ سب بدل دے گی تو اگلی نسل بھی کُچھ نہیں کر پائے گی کیونکہ اُن کے پیچھے بزدلوں کی مثالیں ہیں وہ مثالوں کو دیکھ کر ہی سوالوں کے حل نکالنے کی کوشش کریں گے۔“

”زیام مُجھے مزید تمھارے دلائل نہیں سننے۔یہ حقیقت ہے تمہیں اسے اب تسلیم کر لینا چاہیے۔

میں مزید بحث نہیں چاہتا جمعہ کو تُم لوگوں کی منگنی ہے شادی بھی تمھارے فائنلز کے فوراً بعد ہو جائے گی۔“ سید معین نے ہاتھ اٹھا کر اُسے مزید بولنے سے روکا۔

”تُم کیوں خاموش کھڑی ہو اب تمھارا جدید معاشرہ کہاں گیا؟“ زیام فاطمہ کو مطمئن کھڑا دیکھ کر پھبرا تھا۔

”زیام اب تُم بدتمیزی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔وہ سعادت مندی دیکھا رہی ہے تمھیں اُس پہ بھی مسئلہ ہے۔“ سیدہ سعدیہ نے مداخلت کی۔

”گڑا گڑی کی شادی میں بھی ایسے نہیں کیا جاتا اُس میں بھی اُن کی جوڑی بنائی جاتی جو ساتھ اچھے لگ رہے ہو۔“ وہ کہتے ہی باہر نکل گیا۔

پیچھے کھڑے لوگ اس کی ذہنی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔وہ اتنا جذباتی تو کبھی نہیں ہوتا تھا۔

....

"دادو کہا نہ کوئی سوال نہیں۔" زیام نے ہینگر سے شرٹ اتار کر تہہ لگائی۔
"مگر ہم اتنی جلدی میں کیوں جا رہے ہیں ایسی کون سی آفت آ گئی۔" وہ صبح اٹھتے ہی پاکستان سے جانے کی رٹ لگائے ہوئے تھا اور اب پیکنگ بھی شروع کر چکا تھا۔صبیحہ بیگم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ راتوں رات ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اپنا ملک چھوڑنے پر تیار ہو گیا تھا۔
"بس مجھے یہاں مزید نہیں رہنا۔"
مریان نے کپڑوں کو ترتیب دیتے بیگ کی زپ بند کی۔
"اچھا یہ تو بتا دو ہم جا کہاں رہے ہیں۔"
"دبئ۔۔" اُس نے صبیحہ بیگم کی جانب دیکھے بغیر یک لفظی جواب دیا۔
"اور یہاں کا بزنس اور تمھاری سیاست ان سب کا کا کیا ہو گا؟ تُم وہاں رہ کر کُچھ بھی نہیں کر سکو گے اس عوام کے لئے تو بلکل نہیں۔"
"دادو میں فلحال یہاں نہیں رہ سکتا نہیں رہ سکوں گا۔پاکستان آتا جاتا رہوں گا شاید کُچھ سالوں تک واپس بھی آ جاؤں۔ہم ابھی اسلام آباد جائیں گے۔کل شام کو ہماری دبئ کی فلائٹ ہے۔" وہ سنجیدہ تاثرات کے ساتھ تفصیلات بتا رہا تھا سر ہنوز جھکا رکھا تھا۔

"میں وہاں کیا کروں گی؟"

"جو یہاں کرتی ہیں ٹی وی دیکھیں گی۔"

"میں کبھی تمھارے ساتھ پاکستان چھوڑ کر نہ جاتی مگر مجھے لگ رہا ہے اس وقت تمھارا اکیلے جانا بھی ٹھیک نہیں۔اور میری طرف دیکھو۔"

صبیحہ بیگم نے اُس کی تھوڑی پر اُنگلی رکھے اُس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔سُرخ سوجن زدہ آنکھیں دیکھ کر ان کا دِل کٹا تھا۔وہ اُس کے سر نہ اٹھائے کی وجہ سمجھ گئی تھیں وہ کبھی بھی اُنہیں پریشان نہیں کرتا تھا ہمیشہ باتیں چھپاتا تھا۔

مریان نے نظر ملانے سے اجتناب کیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا پھر کسی کی نظروں کا سامنا کرتے ہوئے وہ اپنی کمزوری اُسے دیکھا دے۔

"کیا رات میں وہاں کُچھ ہوا ہے؟"

"ہاں روحا کی منگنی ہو گئی ہے اور وہ بہت خوش تھی۔" چند ثانیے صبیحہ بیگم کُچھ نہیں بول پائیں۔جس بات کا خوف تھا وہ ہو گزری تھی۔

"تو تُم نے پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"دادو مُجھے یہی کرنا چاہیے نہ؟؟" اُس کی آواز بھر آئی تھی۔ہمیشہ کی طرح سوال پر جواب کی بجائے سوال ہوا تھا۔

"ہاں اس کو اور خود کو اذیت سے بچانے کے لیے تُمہیں یہی کرنا چاہیے۔مگر ایسا کر لو گے؟"

"کرنے ہی جا رہا ہوں۔" وہ جھکا سر لیے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ صبیحہ بیگم نے محسوس کیا تھا اُس کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"جو تُمہیں ٹھیک لگے میں تمھارے ساتھ ہوں۔"

"بس ایک آپ ہی تو میرے ساتھ ہیں۔" مریان نے اُن کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبائے اُن پر سر ٹکا لیا تھا۔ صحیح تو کہہ رہا تھا وہ اور کون تھا اس کے ساتھ کوئی بھی تو نہیں۔ صبیحہ بیگم صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئیں وہ مریان کی کفیت سمجھ رہی تھیں وہ اس وقت اُن کی بات نہیں سمجھ سکتا تھا۔

....

"زیام کے بچے اُٹھ جا۔" آذر نے جھٹکے سے زیام کے اوپر سے کمبل اُتار کر دوسری جانب پھینکا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے احتشام آفندی کے بچے۔۔" زیام تنے چہرے کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھا۔

"اُٹھو یونیورسٹی نہیں جانا؟"

"نہیں۔۔" سپاٹ لہجے میں کہتا وہ کمبل اوڑھتے دوبارہ لیٹ گیا تھا۔

"آج پریزنٹیشن ہے جانا ضروری ہے ورنہ تُمہیں سویا مرا رہنے دیتا۔"

"ایک تو ساری رات جگاتے ہو اوپر سے صبح اتنی جلدی آ دھمکتے ہو اور آتے ہی پریزنٹیشن کا بتا کر ڈراتے ہو۔" وہ چہرے پر مسکینیت طاری کرتے بولا تھا۔

"سید زیام شاہ تُم نے ہماری منگنی پر کون سی دھمالیں ڈالی ہیں جو تُم اتنا تھک گئے ہو اور اب طعنے دے رہے ہو۔" زیام روحا کی آواز پر فوراً سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہم بھی تو جا رہے ہیں نہ یونیورسٹی۔۔"

"تُم لوگوں کو تو منگنی ہونے کے بعد شوق چڑھا ہوا ہے۔"

"عجیب اِنسان ہے یہ۔۔" روحا دانت پیس کر رہ گئی۔

"روحا بی بی میں پہلے بہت پریشان ہوں نہ تنگ کرو۔"

"کیا بات ہے کیوں پریشان ہو اور مُجھے بی بی نہ کہا کرو۔" اس کے بی بی کہنے پر اُسے مریان کا خیال آیا تھا۔

"مُجھے فاطمہ سے منگنی نہیں کرنی۔" اُس نے منہ بناتے کہا تو آذر اور روحا نے نا سمجھی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"پھر کس سے کرنی ہے؟"

"علیحہ سے کرنی ہے۔" اُن کے سامنے اُس نے آرام سے اقرار کر لیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے کہاں ہیں انکل میں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں تُم مظلوموں والا منہ نہ بناؤ۔" روحا نے اپنی تیئں سے حل نکال لیا تھا۔

"ہاں روحا بہت اچھے دلائل دیتی ہے۔" آذر نے بھی اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"دلائل میں بھی بہت اچھے دے لیتا ہوں مگر دلائل وہاں کام آتے ہیں جہاں کوئی سمجھنا چاہ رہا ہو ورنہ صرف وقت کا ضیاع ہے۔"

"تو فاطمہ میں کیا برائی ہے؟" روحا کی اِس بات پر اُس نے یوں آنکھیں گھوما کر دیکھا جیسے اُسے یہ سوال نہایت نا پسند آیا ہو۔

”اگر میں تُم سے کہوں کے تُم آذر کے بجائے کسی اور سے شادی کر لوں تو کر لو گی؟“ وہ اونچی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

روحا نے حیرت سے اُسے دیکھا تھا اتنی اونچی آواز میں وہ کسی کی بات نہیں سنتی تھی اپنے باپ کی بھی نہیں۔

”زیام آواز دھیمی رکھو یہ بات کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔“ آذر کو بھی اس کا رویہ پسند نہیں آیا تھا۔

”کہہ تو رہا ہوں کہ میں پریشان ہوں۔“ وہ اب شرمندہ لگ رہا تھا۔

”تو یہ اُسکا حل نہیں ہے کہ تُم اپنے حواس کھو دو۔“

”مگر میں اُسے بھی نہیں کھونا چاہتا۔“ زیام نے گہرا سانس بھرا۔

”تمھاری قسمت میں ہوئی تو تمھیں مل جائے گی۔

آذر میں باہر انتظار کر رہی ہوں یہ آتا ہے تو اسے لے آؤ ورنہ جلدی کرو علیحہ بھی جانے میں وقت لگائے گی۔“ روحا دو ٹوک انداز میں کہتی کمرے سے باہر نکلی۔

”ہم علیحہ کے گھر جا رہے ہیں؟“

”ہاں میرے باپ چل اب اِس سے پہلے کے اِس کا دماغ بھی تمھاری طرح خراب ہو جائے۔“

”چل رہا ہوں۔“ وہ برق رفتاری سے بیڈ سے اُٹھا۔

”ایسے؟“ آذر نے اس کے اُجڑے حلیے کو دیکھتے کہا۔”دیکھ لو روحا مجھے تیار ہونے کا وقت دے گی؟“

”لڑکیاں خود جتنا مرضی تیار ہونے میں وقت لگا لیں مگر مردوں کو دس منٹ سے زیادہ نہیں دیتیں تمھارے پاس دس منٹ ہیں تیار ہو کر آ جاو میں روحا کو دیکھتا ہوں۔“

”تمھیں روحا کو دیکھنے کے علاوہ کام ہی کیا ہے۔“

”سید زیام شاہ جلو مت تُمہیں بھی کوئی مل جائے گی۔“ آذر مزید اُس کی کوئی بات سنے کمرے سے نکل گیا اور زیام بڑبڑاتے ہوئے واش روم میں گھس گیا۔

عین دس منٹ بعد زیام گاڑی میں موجود تھا۔

”ویسے اِس بناو سنگھار کی ضرورت نہیں تھی میں تُمہیں اُس کے گھر نہیں لے جا رہی۔“ روحا نے ایک ترچھی نگاہ زیام پر ڈالی۔

”پھر کہاں لے جا رہی ہو؟“

”ہم اسے علیحہ کے گھر چھوڑ کر یونیورسٹی جائیں گے اِن کی کلاس لیٹ ہے ہماری نہیں۔“

آذر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے بولا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔“ زیام کے منہ کے زاویے بگڑے۔

”بغیر دعوت کے کسی کے گھر نہیں جانا چاہیے۔“

”تُم بھی تو میرے گھر بغیر دعوت کے آئی تھی۔“

زیام نے جتاتے ہوئے کہا تو روحا نے بھویں سکوڑ کر اُسے دیکھا۔

لانبی پلکیں سکڑیں زیام نے چہرے کا رُخ پھیر لیا روحا اس کی اس حرکت پر حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"اب تُم شرما رہے ہو؟" وہ دھیمے سے ہنسی تھی۔

"نہیں تمھارے اندر کی کشش کی وجہ پر غور کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" آذر اور روحا ہم آواز بولے۔

زیام نے جواباً شانے اچکا دیئے۔جواب اس کے پاس بھی کہاں تھا۔

"چلو اب نکلو۔۔"

روحا علیحہ کے گھر کے باہر اترتی بولی۔

"جا رہے ہیں تمہیں ہمارے یہاں کھڑے رہنے سے کیا مسئلہ ہے؟"

روحا مزید بحث سے بچنے کے لیے خاموشی سے اُس کے گھر کی جانب چل پڑی۔

"زیام کیا یہ غُصہ رات کو علیحہ کے منگنی پر نہ آنے کی وجہ سے ہے؟" آذر دوبارہ اُس کی آواز اونچی ہونے پر پوچھنے کی جسارت کر ہی بیٹھا تھا۔

"میں وجہ بتا چُکا ہوں تُم بس میرا مذاق اُڑانے کے موقع ڈھونڈھ رہے ہو۔"

"میں کُچھ نہیں ڈھونڈھ رہا تُم اپنے گھر والوں کی بھڑاس ہم پر نکال رہے ہو۔"

"دوست کس لیے ہوتے ہیں؟"

"کم از کم ذلیل ہونے کے لئے نہیں ہوتے۔" آذر نے تاسف سے سر ہلاتے کہا تو زیام نے سرد آہ بھری۔

"چلو یار تُم گاڑی چلاو۔"

آذر نے اُسے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا۔

وہ اُسے پریشان لگا تھا وہ اس لہجے میں بات نہیں کرتا تھا اور نہ اتنا چڑچڑا پن دیکھاتا تھا۔

"انکل کی اب کیسی طبیت ہے؟" روحا نے سر اٹھا کر علیحہ کی جانب دیکھا جو ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے کھڑی تھی۔

"گھر سے بھاگنے کے بعد پھر پہلے کی طرح کرنے لگ پڑے ہیں مُجھے لگتا ہے نشہ کر کے آئے ہیں مگر مان نہیں رہے۔"

"تُم لوگوں کو اُن پر نظر رکھنے کا کہا تھا۔"

روحا نے گلاس اُس کے ہاتھ سے تھامتے لبوں کو لگایا۔

"میں یونیورسٹی گئی تھی اور امی بازار گئیں تو تالا لگانا بھول گئیں اور اُنہیں نکلنے کا موقع مل گیا۔" علیحہ اُس کے سامنے بیٹھتے تفصیل بتا رہی تھی۔

"چلو تُم پریشان مت ہو ٹھیک ہو جائیں گے۔ویسے اب انکل کہاں ہیں؟" روحا نے نظریں امین بخش کے کمرے کی جانب گھمائیں۔

"سو رہے ہیں میں نے نیند کی گولیاں دی ہیں ورنہ ہنگامہ کھڑا کر لیتے ہیں۔"

"ہم کل پھر ڈاکٹر کے پاس جائیں گے میڈیسن لیں گے تو بہتری آئے گی۔ تُم یونیورسٹی جاؤ گی؟"

"نہیں بابا کی ہنگامہ آرائی امی اکیلے نہیں سنبھال سکتیں۔" علیحہ کے دھیمے لہجے میں کہنے پر روحا سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ اُن کی اب تک کی امین بخش کے لئے کی گئی کوشش اکارت ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے یہ تمھارے نوٹس میں نے بنا دیئے تھے۔" روحا نے بیگ سے نوٹس نکال کر علیحہ کی جانب بڑھائے۔

"میں سوچتی ہوں تُم جیسی دوست مُجھے نہ ملتی تو میرا کیا ہوتا؟" علیحہ کا لہجہ ممنون تھا۔

"اب تو میں ہوں جب نہیں ہونگی تب کا سوچو۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"اچھا میری کلاس ہے میں جا رہی ہوں۔"

وہ ہوا میں ہاتھ ہلاتی باہر کی جانب چل پڑی۔

علیحہ اُس کی پُشت کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔ وہ الفاظ میں روحا کو بتا ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس کتنی مشکور ہو چکی ہے۔

"ایک تو یہاں سے کوئی ٹیکسی نہیں ملتی۔" وہ ہاتھ پکڑی نوٹس کی فائل کو ماتھے پر رکھے سورج کی پُر تپش کرنوں سے بچنے کی سعی کر رہی تھی۔اس نے روڈ پر پہنچ کر آس پاس متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ایک ٹیکسی پاس سے گزری تو وہ روکتے ہوئے فوراً بیٹھ گئی۔

اُس نے ماسک لگائے ڈرائیور کو دیکھا اُسے وہ عجیب لگا۔

اُسے بیٹھتے ہی احساس ہو رہا تھا کہ گاڑی میں دھواں ہے کسی دوائی کا استعمال کیا گیا ہے۔

روحا نے حالات بھانپتے ہوئے فوراً گاڑی کے دروازے کا ہینڈل پکڑتے ہوئے کھولنے کی کوشش کی مگر گاڑی لاک تھی۔

"دروازہ کھولو۔" وہ ایک دم سے چلائی تھی۔

مگر آگے بیٹھے شخص نے جواب نہیں دیا۔

آہستہ آہستہ اُس کی ہینڈل پر پکڑ ڈھیلی ہو گئی تھی وہ غنودگی میں جا رہی تھی۔

آنکھ کھلنے پر سامنے کا منظر سمجھنے میں اُسے وقت لگا۔

چار شخص وہاں موجود تھے دو اُس کے پاس کھڑے تھے ایک کُرسی پر بیٹھا تھا اور ایک اُس کی کُرسی کی دائیں جانب کھڑا تھا۔

اُس نے محسوس کیا تھا اُسے باندھا نہیں گیا تھا۔

آنکھیں مکمل کھلنے پر وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"تو روحا ابتسام آفندی۔۔یہی نام ہے نہ تمھارا؟؟

مگر مجھے اس نام پر بڑے شک و شبہات ہیں۔"
کُرسی پر بیٹھے شخص ہتھیلیاں آپس میں ملاتے آگے کو جھک کر معنی خیز لہجے میں بولا۔
"ڈھکے چھپے الفاظ میں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس لیے لائے ہو صاف بتاؤ۔"
روحہ نے سلیم رضا کی آنکھوں میں دیکھتے درشتگی سے کہا۔
"تُمہیں لائے اِس لیے ہیں کیونکہ تُم پر کُچھ انکشافات کرنے ہیں۔" سیلم رضا دھیرے سے مسکرائے۔
اُنہیں روحا کا بے باک لہجہ دلچسپ لگا تھا۔
"مجھے کوئی انکشافات سننے میں دلچسپی نہیں ہے۔" روحا نے چہرے کا رخ پھیر کر ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔
"جس ضدی باپ کی تُم اولاد ہو تُم سے اسی جواب کی توقع تھی۔"
"تُم ہوتے کون ہو میرے باپ کے بارے میں ایسے بات کرنے والے خود کیا ہو تُم دوسروں کی بیٹیوں کو اٹھواتے پھرتے ہو ذلیل اِنسان۔۔"
روحا کی اس بات پر پاس کھڑے شخص نے اُسے زناٹے دار تھپڑ رسید کیا تھا۔
کوئی اور لڑکی ہوتی تو چند لمحے اُس تھپڑ پر افسوس کرتی گال سہلاتی مگر اُس نے فوراً جوابی وار کیا تھا اُتنی ہی قوت سے سامنے کھڑے شخص کو تھپڑ پڑا تھا۔
وہاں موجود کوئی بھی شخص اِس طرح کے ردِ عمل کے لئے تیار نہیں تھا۔

سب حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ حتیٰ کہ سلیم رضا پر دنگ رہ گئے تھے۔ روحا کی اِس حرکت نے اُن کے دلوں میں وسوسے پیدا کیے تھے اُنہیں وہ آسانی سے اُن کی باتوں میں آنے والی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔

"دیکھو ہماری تمھارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ تُم تو ہماری ساتھی ہو تُم ہی وہ ہو جو ابتسام آفندی کے کالے کرتوت سب کو دیکھاو گی اور سب تمھاری بات پر یقین بھی کریں گے۔" سلیم رضا نے اُس کے بگڑے تیور دیکھ کر مفاہمت پسندی سے کام لینے کا سوچا تھا۔

"میں روحا ابتسام آفندی ہوں میں کسی کا فیصلہ تب تک نہیں مانتی جب تک سامنے والا حق پر نہ ہو۔ مُجھے جھوٹے قصے کہانیاں سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مُجھے میرے باپ کے خلاف کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔"

"جانتی ہو وہ شخص ہے کون؟"

اُس کی اگلی بات پر روحا کی زبان سے نکلتے الفاظ بیچ میں ہی رہ گئے تھے۔

"غیر قانونی جائیدادوں پر ہاؤسنگ سوسائٹیز بناتا ہے اور اُس کے پاس موجود جائیداد میں سے آدھی تو تمھاری ہے جو تمھاری ماں نے اُسے دے رکھی ہے اور تُمہیں اپنے پاس رکھنے کی یہی تو وجہ ہے کہ تُم ابھی بھی بہت سی جائیداد کی وارث ہو جو تمھارے باپ کی طرف سے تُمہیں ملے گی۔ وہ تمھارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے اور تمھارے باپ کی دارالامان ایمان بنانے والی جگہ پر بھی یہ کالونیاں بنا چکا ہے۔ بہت خبیث اِنسان ہے۔" سلیم رضا نے آخری الفاظ زہر خند لہجے میں کہے۔

"کیا بکواس ہے یہ کون سے باپ کی بات کر رہے ہو؟"

"سید سادام شاہ کی تمھارے حقیقی باپ کی، تمھاری ماں کے پہلے شوہر کی بات کر رہا ہوں۔"

روحا نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیری اُس کا دماغ چکرانے لگا تھا سب نا قابلِ یقین تھا۔

"میں کیسے مان لوں یہ سب سچ ہے؟"

"یہ لو تمھاری ولدیت کی تبدیلی کے کاغذات۔۔"

اُس نے کاغذات کی فائل روحا کی جانب بڑھائی جو اُس نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑی تھی۔

روحا سے یہ انکشاف ہضم نہیں ہو رہا تھا مگر کاغذات جعلی نہیں لگ رہے تھے۔لیکن حقیقت تسلیم کرنا بھی مُشکل تھا۔

"اور تمھارا باپ مریان لکھانی کے ساتھ تمھارا سودا بھی کر رہا ہے تمھاری اُس سے شادی کروا کر پیسے کمانا چاہتا ہے۔یہ دیکھو ریکارڈنگ۔۔"

اور سامنے چلتی ریکارڈنگ میں ہونے والی گفتگو اُسے غیر یقینی لگ رہی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جن دو لوگوں پر اُسے یقین تھا وہ ایسے اُس کی سودے بازی کر رہے ہونگے۔اُس کی آنکھیں نم اور دل گداز ہو گیا۔

"یہ نہ سوچنا کہ یہ تمھارے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں بات کر رہے ہیں اِن کے بیچ صرف تُم وہ چیز ہو جسے بیچا یا خریدا جا سکتا ہے۔"

سلیم رضا نے اُسے گومگو کی حالت میں بیٹھا دیکھ کر کہا۔روحا نے سُرخ آنکھوں کے ساتھ سلیم رضا کو دیکھا۔

"تُم فلحال آج یہیں رہو سوچو کل تک تمہیں اپنا لائحہ عمل بتا دیں گے۔" وہ لب بستہ بے یقینی سے اسے تکتکی رہی۔

وہ روحا کو بت بنا چھوڑ کر دروازہ بند کر کے باہر نکل گئے۔

اُس کا دماغ سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا جا رہا تھا اُسے لگ رہا تھا ذہن میں آتی ہزاروں باتوں کے بارے میں سوچتے سوچتے اُس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

سلیم رضا دروازہ کھولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔روحا نے گھٹنوں میں دیا سر اُٹھایا۔

آنکھیں سُرخ تھیں وہ نہ تو سو سکی تھی اور نہ ہی سوچوں کی وجہ سے رو سکی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا اب تک رو رو کر بُرا حال کر لیا ہو گا مگر تُم تو اپنے باپ کی طرح بہادر نکلی۔میں نے تمھارے باپ کے ساتھ کام کیا ہے بہت اچھا اِنسان تھا انسانیت کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا میں نے اُسے کبھی پیسے کے پیچھے بھاگتا نہیں دیکھا بہت سخی تھا اور تُم میں سادام کا عکس نظر آتا ہے۔تُم ساری زندگی ابتسام آفندی کی تربیت میں رہی مگر اُس جیسی ایک عادت تُم میں نہیں آئی۔" روحا ساکت پتلوں کو جھکائے سیاہ فرش کو تک رہی تھی۔

"روحا۔۔؟" سلیم رضا نے اُسے خاموش پا کر مخاطب کیا۔

"سُن رہی ہوں۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"بیٹا میری تمھارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں میری بھی بیٹیاں ہیں تُم بھی میری بیٹیوں کی طرح ہو۔"

"نہیں۔۔آپ بیٹی سمجھتے تو مجھے اپنے مقصد کے لیے استعمال نہ کرتے آپ مریان اور بابا کو بُرا کہہ رہے ہیں آپ بھی ویسے ہی ہیں آپ نے بھی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مُجھے استعمال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا باپ مر چکا ہے میں یتیم ہوں۔" روحا کی آواز بھر آئی تھی۔

"دیکھو روحا بیٹے۔۔"

"اپنا لائحہ عمل بتائیں۔"

روحا نے ہاتھ اٹھاتے اُن کی بات کاٹی۔

"میں چاہتا ہوں تُم ابتسام آفندی کے خلاف سارے ثبوت پیش کرو سب کو بتاؤ کیسے اب تک وہ تمھارا استعمال کرتا آیا ہے تمھاری جائیداد پر قبضہ کر کے بیٹھا ہے اُس کی صرف تُم حقدار ہو۔ اور غیر قانونی جائیدادوں کے کاغذات میں تُمہیں دوں گا وہ بھی تُم میڈیا پر دیکھاو گی۔"

"اِس سب سے آپکا کیا فائدہ ہو گا؟" وہ سپاٹ چہرہ لیے پوچھ رہی تھی۔اُس کے تاثرات سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اُن کے لیے یہ سب کرے گی یا نہیں۔

"ابتسام کی ساخت مارکیٹ میں خراب ہو جائے گی اور ایک بزنس مین کا پیچھے جانا مطلب دوسرے کا آگے آنا۔"

"مریان سے کیا دشمنی ہے؟"

روحا کی اگلی بات پر سلیم رضا کے رنگ اُڑے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے پتہ چل جائے گا کہ وہ مریان کے بھی خلاف ہے۔

"کوئی دشمنی نہیں ہے۔" سلیم رضا سنبھل کر بولے۔

"اِن آنکھوں کو بھی دھوکہ دینا سکھائیں یہ سچ اُگل دیتی ہیں۔" روحا نے سلیم رضا کی آنکھوں کی جانب اشارہ کرتے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب مُجھے بیوقوف سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" روحا کا اکھڑا لہجہ اُنہیں پریشان کر رہا تھا۔

"تُم ہمارا ساتھ دو گی؟"

"ہاں دوں گی۔" وہ بغیر کسی توقف کے رضا مند ہو گئی تھی۔ساری رات اُس نے سوچتے ہی گزاری تھی۔ سلیم رضا کے پوچھے سے پہلے ہی وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

"بہت اچھے۔۔" سلیم رضا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری۔

"مریان سے کیا دشمنی ہے؟" روحا کے دوبارہ پوچھنے پر وہ انہوں نے گہرا سانس کھینچا۔وہ لڑکی اپنے سوالوں کے جواب لینا جانتی تھی۔

اُس سے یہ دشمنی ہے کہ وہ بزنس میں ٹاپ پر جا رہا ہے چند سالوں میں اس نے اپنے قدم جما لیے ہیں اور ہم جیسے پرانے بزنس مینز کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" وہ بالآخر پر بول پڑے۔

"تُو سمجھ لیں اُس کا ایک اور دشمن بھی پیدا ہو گیا ہے۔مُجھے اُس کے خلاف بھی معلومات چاہئیں۔"

"وہ اس قابل نہیں کہ اس سے نفرت کی جا سکے۔وہ اب تک ہر کام میں مخلص ہے اُس نے بزنس اور سیاست میں ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ اس کے خلاف کُچھ مل سکے یا منظرِ عام پر لایا جا سکے۔"

"مگر وہ محبت کے معاملے میں مخلص نہیں ہے دولت کی ملاوٹ کرنا چاہتا ہے۔" سلیم رضا لفظ محبت پر ٹھٹھکے۔اگر وہ اُس کے جذبات سے آگاہ تھی اور جواباً اُس کے پاس بھی مریان کے لیے ویسے ہی جذبات تھے تو ان کی ساری پلیننگ دھری رہ جانی تھی۔

"تُم اُس سے محبت کرتی ہو؟" انہوں نے دھڑکتے دِل کے ساتھ پوچھا تھا۔

"کل تک اُس کے جذبات کی بہت عزت کرتی تھی۔"

"اور آج؟"

"آج بھی کرتی ہوں مگر صرف اس کے جذبات کی مگر اُس کی نہیں وہ جذبات کے بدلے جذبات چاہتا ہے اور یہ خالص محبت نہیں ہے۔"

"تُم گھر جانا چاہو گی۔سید سادام شاہ کے گھر تمھارے بابا کے گھر میں تُمہیں اُن کے گھر کا پتہ دے سکتا ہوں۔"

"اسکی ضرورت نہیں میں جانتی ہوں۔" روحا نے فوراً سے پیشکش رَد کی۔

"تمھیں کیسے پتہ؟"

"سید سادام شاہ کی اچھائیوں کی وجہ سے اُن کے بارے میں بہت سے لوگ جانتے ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔"

"تُم نام کیوں لے رہی ہو بابا کہو نہ۔۔"

"کبھی کہا نہیں اب بھی نہیں کہہ پا رہی اتنا آسان نہیں ہوتا رشتوں کی ادلہ بدلی سہنا۔"

"اچھا چلو تمہیں تمھارے گھر چھوڑ دوں۔"

روحا خاموشی سے اپنی نشت سے اٹھتی اُن کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"تمھیں اُنہوں نے بہت ڈھونڈھا ہے جا کر کیا جواب دو گی؟"

"میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔" اُس کے لہجے میں سرزنش کی تپش تھی۔

"مُجھے معاف کر دینا میں نے بھی تمھارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"معاف کیا۔" اُس نے اِس قدر سنجیدگی سے کہا کہ سلیم رضا مزید کُچھ نہیں بول پائے۔

پورچ میں ابتسام آفندی کی گاڑی اُسے نظر آ گئی تھی۔اُسے یقین تھا وہ اس کی گمشدگی کی وجہ سے آفس نہیں گئے ہونگے۔

وہ ابتسام ولا میں داخل ہوتے سیدھا سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"روحا کہاں تھی تُم؟"

آذر اُسے دیکھتے ہی اُس کی طرف لپکا۔

"تو اِس سے بھی میرا کوئی رشتہ نہیں میں اِن سب کے بیچ میں انجان ہوں۔"

آذر کو دیکھتے اُس کے ذہن میں خیال آیا تھا۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں فلحال کوئی سوال و جواب نہیں چاہتی۔" اُس نے نظریں آذر کے چہرے سے ہٹاتے سیڑھیوں پر جما لیں۔

”کیا چاہتی ہو پھر ساری رات ہم تمہیں ڈھونڈتے رہے ہیں ہماری پریشانی کا تمہیں اندازہ بھی ہے؟“
ابتسام آفندی طیش سے بولے تو اُس نے نظریں اُٹھا کر ابتسام آفندی کی جانب دیکھا۔
ہر چیز کا اندازہ ہو گیا ہے مُجھے اور آپ مجھ سے سوال و جواب نہ کریں آپکے پاس اِسکا حق نہیں ہے۔“

”روحا یہ کیسے بات کر رہی ہو بابا سے کوئی اِس لہجے میں بات کرتا ہے؟“ ثمینہ بیگم نے مداخلت کی۔
”نہیں ہیں یہ میرے بابا۔۔“
اُس کے اونچی آواز میں کہنے سے سب پر سکتہ چھا گیا تھا۔ابتسام ولا کے در و دیوار بھی اِس انکشاف پر لرزے تھے۔اُن سب نے بیس سال اُس سے یہ راز چھپا کر رکھا تھا۔کسی نے کبھی اُسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اُن کے خاندان کا حصہ نہیں ہے۔
”روحا یہ کیا کہہ رہی ہو؟“
ثمینہ بیگم دھیمے لہجے میں بولیں۔
”ماما آپ بہت اچھے طریقے سے جانتی ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں اور کیوں کہہ رہی ہوں۔
میں سوچتی تھی آپکا نبیہا کی طرف زیادہ جھکاؤ دیکھ کر مُجھے جلن کیوں نہیں محسوس ہوتی تھی۔مگر جلن وہاں محسوس ہوتی ہے جہاں بچھڑنے کا خوف ہو اور مُجھے ایسا کوئی خوف نہیں تھا کیونکہ آپ میرے تھے ہی نہیں۔
آپ میرے باپ تھے ہی نہیں۔

نبیہا ہی نبیہا ابتسام آفندی تھی میں تو ساری زندگی بوجھ کی طرح آپکا نام اپنے نام کے ساتھ لگاتی رہی ہوں۔ آپ نے مُجھ سے سب چھین لیا تھا کم از کم میرے باپ کا نام تو نہ چھینتے۔
مُجھے سیدہ روحا سادام شاہ سے روحا ابتسام آفندی تو نہ بناتے مُجھے ساری زندگی غلط شناخت کے ساتھ تو نہ رہنا پڑتا۔ آپ لوگوں نے مجھے اتنی غلط فہمیوں میں رکھا ہے کہ میں اپنی اصل شناخت بھول گئی ہوں۔ آپ لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر میرے ساتھ زیاتی کی ہے۔
آپ دونوں نے میرا استعمال کیا ماما آپ نے اپنے شوہر کی خاطر میرا حق مُجھ سے چھین لیا اور یہ اپنے پیسے کی ہوس میں میرا ہی سودے کرنے لگ پڑے۔
میں کیا لگتی ہوں آپکو؟
اِنسان نہیں لگتی؟
نہیں لگتی نہ تبھی تو زمین کے ٹکڑوں کی خاطر مُجھ سے کھیل رہے تھے۔" اُس کا لہجہ درد سے چور تھا۔
"میں آپکی غلط بات سے اختلاف کرتی تھی مگر مجھے آپ پر بہت مان تھا جو آپ نے قائم نہیں رہنے دیا میں نے ساری زندگی آپ کو باپ سمجھا مگر آپ مجھے کبھی بیٹی نہیں سمجھ پائے آپ مجھے نبیہا کی جگہ نہیں رکھ پائے۔"
"کیا بولے جا رہی ہو کہاں سے ہمارے خلاف اتنا سب سن کر آئی ہو؟" اُس کے الفاظ سے ثمینہ بیگم کو اپنے دِل میں چھبن محسوس ہوئی تھی۔
روحا نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ٹیبل پر پھینکے۔
"آپکی غیر قانونی جائیدادوں اور میری ولدیت تبدیل کروانے کے ثبوت ہیں دیکھ لیں۔

اور یہ جعلی نہیں ہیں تصدیق کر چکی ہوں آپ بھی کر سکتے ہیں۔"
وہ سب کو سکتے میں چھوڑ کر سیڑھیاں پھلانگتی اپنے کمرے میں گئی۔

"بابا یہ روحا کیا کہہ رہی تھی؟"
نبیہا حیرت سے پوچھ رہی تھی۔
"میں سمجھتی تھی آپ کو مُجھ سے زیادہ محبت ہے کیونکہ میں آپ کی بات سے اختلاف نہیں کرتی مگر ایسا نہیں تھا آپ تو مجھے اس لیے روحا پر فوقیت دیتے تھے کیونکہ آپ مُجھے بیٹی سمجھتے تھے اُسے نہیں۔
آپ نے زیاتی کی ہے اُس کے ساتھ مُجھے آج آپکی سوچ سے اختلاف ہے اگر وہ سوتیلی تھی مگر بیٹی تو تھی نہ نام تو آپکا ہی اُسکے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔
پھر آپ نے ہم دونوں کو برابر کیوں نہیں رکھا۔
بابا مُجھے آپ سے یہ اُمید نہیں تھی۔
میں نے اُسے کبھی سوتیلا نہیں سمجھا نہ اُس کے سامنے کہا میں سوچتی تھی آپ بھی اُسے سوتیلا نہیں سمجھتے ہونگے مگر آپ کی سوچ اب نظر آ رہی ہے بیٹی کے معاملے میں بھی آپ پیسہ لے آئے۔"
نبیہا تاسف سے سر جھٹکنے لگی۔
"اور آپ ایسے غیر قانونی کام کرتے پھر رہے ہیں۔
آپ نے روحا کا ہی نہیں میرا بھی مان توڑا ہے۔
مُجھے لگتا ہے مُجھ سے اپنے باپ کو ہی سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔اُس نے برہمی سے شکوہ کیا۔

ابتسام آفندی نے بے بسی سے نظر اٹھا کر اُسے دیکھا۔وہ جو اُنہیں بہت عزیز تھی، وہ جو ہمیشہ اُن کے حق میں بولتی تھی آج اُن کے لیے ایسے سخت الفاظ میں بات کر رہی تھی۔اُن کا دِل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔

ابتسام آفندی کُچھ نہیں بول پا رہے تھے کوئی صفائی نہیں دے پا رہے تھے یہ بھی نہیں کہہ پا رہے تھے کہ وہ روحا کو بیٹی ہی سمجھتے ہیں اور ہمیشہ بیٹی ہی سمجھتے رہے تھے۔

"روحا دروازہ کھولو یار۔"

آذر اُس کے دروازے پر کھڑا مُسلسل دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

روحا ساکت پلکوں سے کھڑکی سے آتی روشنی دیکھ رہی تھی۔

"روحا تُم کُچھ بول کیوں نہیں رہی۔

دروازہ کھولو مُجھے تمھاری فکر ہو رہی ہے۔"

"کیوں ہو رہی ہے میری فکر؟"

جھٹکے سے دروازہ کھول کر وہ اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"تمھاری سُرخ آنکھوں سے ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"مت ڈرو میں کُچھ نہیں کر سکتی۔" اُس کے چہرے سے رنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"مُجھ سے کیوں ناراض ہو میں نے کیا کہا ہے۔"
"تُم سب شامل ہو تُم سب لوگ حقیقت جانتے تھے مگر مجھے اندھیرے میں رکھا اور تُم لوگوں نے مجھے کبھی بتانا بھی نہیں تھا۔"
"ہاں نہیں بتانا تھا پھر کبھی بھی تمھارا یہی ردِ عمل ہونا تھا۔روحا تُم ایک سال کی تھی جب اس گھر میں آئی تھی ہم سب نے تبھی تُمہیں دِل سے قبول کیا تھا۔
ہم سب تُم سے نبیہا جتنی محبت ہی کرتے ہیں۔
ابتسام چاچو تُمہیں لائے تھے تو بلکل بیٹیوں کی طرح رکھتے تھے اور کبھی نبیہا کو فوقیت دیتے تھے تو ہم یہ سوچ کر نظر انداز کر دیتے تھے کہ اُسکی ماما نہیں ہیں تُمہیں تُمھارے بابا کا بتا کر ہم محرومیوں میں نہیں پالنا چاہتے تھے۔ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ساری زندگی تُمہیں ماں باپ دونوں کی محبت ملی۔دیکھو نبیہا کی ماما بھی نہیں ہیں وہ یہ بات جانتی ہے مگر خوش رہتی ہے نارمل رہتی ہے پھر تُمہیں کیوں مسئلہ ہو رہا ہے۔" آذر نے اُسے بیڈ پر بٹھاتے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میری ماما نے کبھی اُس کے ساتھ نا انصافی نہیں کی ہمیشہ مُجھ سے زیادہ نبیہا سے محبت کی ہے اُنہوں نے کبھی سوتیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا اور حقیقت بتا دی جائے تو انسان خود کو سمجھا لیتا ہے میں بھی سمجھا لیتی۔"
"تو اب تمھیں حقیقت پتہ چل گئی ہے اب خود کو سمجھا لو بلکہ تمھیں سمجھا لینا چاہیے۔
تُم ساری دنیا کے سامنے چاچو کی ہی بیٹی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔اب تم اپنی شناخت نہیں بدل سکتی۔"

"آذر مجھے کسی سے بات نہیں کرنی تم یہاں سے جاؤ۔جب ٹھیک ہو جاؤں گی سب سے خود بات کر لوں گی۔" آذر نے جیسے اس کے اندر اٹھتے اُبالوں پر شرمندگی کا منوں بھر پانی ڈال دیا تھا۔ایک طرفہ بات سن کر ایسے ہی اُبال اٹھتے ہیں اور دوسری طرف کی بات سننے پر اپنے ردِ عمل پر شرمندگی ہی ہوتی ہے۔

"نہیں جاؤں گا۔اب تم مجھے اپنے کمرے سے نکالو گی؟" وہ ڈھیٹائی دیکھایا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"نہیں تم یہیں بیٹھو میں جا رہی ہوں اور کوئی میرے پیچھے نہ آئے۔"

"کہاں جا رہی ہو روحا؟" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو آذر اُس کے پیچھے لپکا۔

"تم لوگوں سے دور۔۔"

"اگر تم یہ کہہ کر جاؤ گی کہ واپس آ جاؤ گی تو ہاں میں تمہیں جانے دوں گا پیچھے بھی نہیں آؤں گا۔"

وہ اب اُس کے مقابل راستہ روکے کھڑا تھا۔

"وہ خاموشی سے کمرے سے نکل آئی تھی۔"

آذر ہلکا سا مسکرایا۔

غصے میں وہ حامی نہیں بھرتی تھی مگر منہ پر انکار نہیں کرتی تھی تو اِس کا مطلب ہاں ہی ہوتا تھا۔وہ اس کی سائیکی سمجھتا تھا سب سے زیادہ بہتر طریقے سے وہی اُسے سمجھتا تھا۔

"روحا اب کہاں جا رہی ہو؟"

ثمینہ بیگم اُسے باہر جاتا دیکھتے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"فکر نہ کریں ہمیشہ کے لئے نہیں جا رہی۔"

وہ جواباً سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔

وہ اپنی گاڑی نکالتے باہر نکلی۔

آذر اُسے کھڑکی سے جاتا دیکھتا رہا۔

اُسے روکنا کبھی کارگر ثابت نہیں ہوتا تھا اِس لیے وہ اُسے کسی معاملے میں نہیں روکتا تھا۔

کیونکہ وہ روکنے کو ٹوکنا سمجھتی تھی اور فیصلہ اپنی مرضی سے کرتی تھی مگر غلط فیصلے نہیں کرتی تھی۔

وہ بلا وجہ راستے ناپ رہی تھی کراچی کی سڑکیں چھان رہی تھی اُسے سب بے مقصد لگ رہا تھا وہ دماغ کسی ایک چیز پر مرکوز نہیں کر پا رہی تھی۔

بچپن سے آج تک کی ہر شخص کی کہی گئی باتیں اُس کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔

آذر کی باتوں سے وہ اختلاف نہیں کر سکتی تھی اُن سب نے اُسے بہت محبت دی تھی۔سگے رشتے بھی شاید اتنی محبت نہیں لٹاتے جتنی اُس پر لٹائی گئی تھی۔مگر ایک بات اُس کے دماغ میں اٹک گئی تھی کہ وہ اُن کی اپنی نہیں تھی۔

آگے گاڑیوں کی بھیڑ دیکھ کر اُس نے گاڑی روک دی تھی۔

"کراچی کا ٹریفک جام کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہو گا۔نا اہل حکومت ہے کسی قسم کی زمہ داری نہیں نبھاتی بس حکومت میں آنے کا شوق ہوتا ہے۔نا خود نظم و ضبط کا پتہ ہے نہ عوام کو بتاتی ہے۔ہر معاملے میں بیکار ہے۔"

"بلکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔"

ساتھ والی گاڑی والے کی آواز پر وہ چونکی۔

وہ اپنی دھن میں بولی جا رہی تھی اُسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کیا کیا بول گئی تھی اور اتنی اونچی آواز میں کے آس پاس والی گاڑیوں والے اُسکی باتیں سن رہے تھے۔

روحا خجالت مٹاتے سامنے دیکھنے لگی۔

"زیام۔۔زیام بیٹا"

"کیا بات ہے بابا؟" سید معین نے زیام کو کندھے سے جھنجھوڑا تو اُس نے بوکھلا کر اُن کی جانب دیکھا۔

"آپکے ساتھ بیٹھا ہوں بابا اتنی اونچی آواز میں بلا رہے ہیں جیسے کھو گیا ہوں۔"

"بات تو سنو۔۔"

"بابا میں آپکی ہی بات سن رہا ہوں کس بات کی اتنی ایکسائیٹمنٹ ہے؟"

"تُم مُجھ سے سادام کی بیٹی کے بارے میں پوچھتے تھے نہ۔۔"

"جی صبح ہی پوچھ رہا تھا۔"

"وہ دیکھو ساتھ والی گاڑی میں بیٹھی ہے جو سامنے دیکھ رہی ہے۔" زیام نے اشتیاق سے گردن اُس جانب موڑی اور سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"روحا ابتسام آفندی۔۔؟؟"

"ہاں مگر تُمہیں کیسے پتہ اِس کے بارے میں۔۔؟"

سید معین متعجب ہوئے۔

"میرے ساتھ یونیورسٹی پڑھتی ہے اور آذر کی کزن ہے۔مگر یہ تو ابتسام انکل کی بیٹی ہے اور آپ تو تایا جان کی بیٹی کی بات کر رہے ہیں۔"

"ابتسام نے اور ثمینہ بھابھی نے اِس کی ولدیت بدلوا دی تھی اور اسے کبھی نہیں بتایا کہ اِسکا حقیقی باپ کون ہے۔ابتسام آفندی نے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد ثمینہ بھابھی سے شادی کر لی تھی دونوں کی پہلے سے بیٹیاں تھیں تو دونوں کو ایک دوسرے کا سہارا مل گیا۔"

زیام اب لب بھینچیں روحا کو دیکھ رہا تھا۔اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُس کے تایا کی گمنام بیٹی کا نام روحا ابتسام ہو گا۔اُس کے سر پر تو جیسے دستی بم پھوڑا گیا تھا۔

"ماما تو کہہ رہی تھیں کہ آپ نے تایا کی بیٹی کو نہیں دیکھا ہوا۔"

"ہاں اتنے سال نہیں دیکھا تھا لیکن دو ہفتے پہلے بھابھی سے ملنے اور روحا کی خریت معلوم کرنے گیا تھا تو یہ یونیورسٹی سے آئی تھی مُجھ سے بھی اسے ملوایا تھا مگر اِس سے میرا ٹھیک تعارف نہیں کروایا تھا۔ مُجھے تو بہت پیاری اور اچھی بچی لگی ثمینہ نے اِس کی اچھی تربیت کی ہے۔"

وہ محبت سے معمور نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔اُس کے چہرے پر اپنے بھائی کی جھلک تلاش کر رہے تھے۔

روحا ٹریفک کے کھلنے کے انتظار کرتے کرتے بیزار ہو چکی تھی مصیبتوں سے جان چھڑانے آئی تھی اور نئی میں پھنس گئی تھی۔وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہی تھی تو ساتھ کی گاڑی میں بیٹھے زیام پر نظر پڑی اس نے گڑبڑا کر رُخ پھیرا۔

زیام اُس کی اِس حرکت پر حیران ہوا۔وہ تو اُس سے کبھی نہیں کتراتی تھی۔شاید اس دِن کے غصے کی وجہ سے ناراض ہے۔وہ سوچ کر رہ گیا۔

"پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے جس چیز سے بھاگنے لگو وہی چیز آپ کے سامنے آنے لگتی ہے۔

آپ جتنا دور جائیں گے وہ آپ سے آگے آپکو ملے گی۔اِس لیے اُس چیز سے بھاگنا نہیں چاہیے اُسے اپنے پیچھے لگا لینا چاہیے۔"

وہ بڑبڑائی تھی اور آنکھیں کھول لی تھیں۔

"کیسے ہیں آپ انکل؟"

روحا نے ہمت جمع کر کے سید معین کو مخاطب کیا تھا۔اُن پچھلی ملاقات کی وجہ سے اُسے سید معین کی شکل تو یاد ہی تھی اور اب تو رشتہ بھی معلوم ہو چکا تھا۔

اس طرح روحا کے مخاطب کرنے پر سید معین کے دِل میں بھتیجی کا سارا پیار اُمڈ آیا تھا۔

"میں بلکل ٹھیک ہوں تم بتاؤ بیٹا کیسی ہو۔"
وہ پُر جوش لہجے میں پوچھنے لگے۔
زیام ابھی بھی حیرت زدہ تھا۔
اُس نے خواب میں بھی نہیں سوچا جس گُمنام تایا زاد بہن کی وہ رٹ لگائے رکھتا تھا وہ یہی لانبی پلکوں والی لڑکی تھی۔اُسے روحا میں موجود کشش کی وجہ سمجھ آ رہی تھی وہ خونی رشتے کی کشش تھی جو اُن دونوں کے بیچ تھا۔

زیام اُن دونوں کو بے تکلف ہو کر باتیں کرتا دیکھ رہا تھا اُسے کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اچھے اخلاق کی مالک ہے مگر آج اُسے روحا کا انداز بناوٹی لگ رہا تھا۔
ٹریفک کا بہاؤ پھر سے چل پڑا تھا۔
روحا نے بھی گاڑی آگے بڑھا دی تھی مگر سید معین خوشی سے سر شار اپنے بیٹے کی طرف مڑے۔
"ویسے زیام تُم ٹھیک کہتے تھے سادام کی بیٹی کو نہیں بھولنا چاہیے اتنی اچھی بچی ہے میں نے اسے نظر میں کیوں نہیں رکھا میرے بھائی کی اک لوتی اولاد ہے۔اِس کی بلکل سادام بھائی جیسی مسکراہٹ ہے ویسے ہی خوش اخلاق ہے۔
ویسے اگر تمہیں پسند ہے تو میں تمھاری ماں سے اِس سلسلے میں بات کروں؟"
سید معین بھتیجی کی محبت میں بیوی کی بھانجی کو بھول گئے تھے۔

"نہیں مُجھے روحا میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

اگر روحا کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ اس بارے میں ضرور سوچتا مگر وہ اپنے واحد دوست کی محبت کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔

"تُم نے تو باپ کی نہ ماننے کی ٹھان لی ہے۔" وہ اُس کا صاف انکار سن کر خاصے بد مزہ ہے۔

"بابا اُس کی منگنی آذر سے ہو چکی ہے اور ان کی باہمی رضا مندی سے ہوئی ہے وہ دونوں بہت خوش ہیں میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

سید معین نے اس کی بات پر منہ بنایا انہیں یہ انکشاف بلکل پسند نہیں آیا تھا۔

"منگنیاں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔"

"نہیں بابا میں اُسے سچے دل سے بہن مانتا ہوں اور وہ مجھے بھائی مانتی ہے۔بلاشبہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر یہ منگنی کبھی نہیں ٹوٹے گی۔"

"فاطمہ سے پھر چُپ کر کے شادی کرو۔"

"اگر آپ مُجھے فاطمہ اور روحا میں سے کسی ایک سے شادی کرنے کی چوائس دے رہے ہیں تو میں فاطمہ کا ہی انتخاب کروں گا۔میرے اور روحا میں جو رشتہ ہے بہت خوبصورت ہے میں کوشش کروں گا اُسے اچھے سے نبھاؤں۔"

"احمق اِنسان۔۔" وہ غصے سے بڑبڑائے۔

"بابا پیچھے سے ہارن بج رہے ہیں بعد میں مُجھ پر غُصہ نکال لیجئے گا۔"

سید معین بھاؤ کھا کر رہ گئے۔

وہ ہاتھ میں پکڑے پن پر نظریں جمائے اُسے گھوما رہا تھا۔چائے کا کپ کب سے ٹھنڈا ہو چُکا تھا۔
وہ سوچوں میں محو بیٹھا تھا۔اُس کے خیالات ایک ہی جگہ آ کر رکتے تھے۔سوچوں کو جتنا جھٹکتا تھا وہ روحا سادام پر ہی آ کر رکتی تھیں۔
اُس کی شکل کے خاکے اُس کے ذہن میں بنتے تھے اور دھوئے کی مرغولوں کی مانند پھیلتے اور سب دھندلا دیتے تھے اور پھر مدھم ہوتے غائب ہو جاتے۔
"وہ میری زندگی میں نہیں ہے میں اُسے دِل میں بھی مزید نہیں رکھنا چاہتا تھا مگر وہ میرے ذہن سے نہیں نکل رہی۔

میں پیچھے ہٹ گیا ہوں بلکہ میں تو آگے بڑھا ہی نہیں میں نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ میں نہیں چاہتا میری غلطیوں کا ازالہ کوئی اور کرے اور پھر میں ساری زندگی دِل پر بوجھ کے ساتھ گزاروں۔
میں نے پاکستان سے آنے کے بعد جس چیز سے سب سے زیادہ پیچھا چھڑوانے کی کوشش ہے وہ یہ لڑکی ہے مُجھے اِس سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا میں اپنی بات نبھاؤں گا میں کبھی اُس کی طرف دوبارہ نہیں بڑھوں گا۔
پہلے بھی بڑھا تھا تو بے بس تھا مگر دوبارہ خود کو بے بس نہیں بننے دوں گا۔

تُم میرے زندگی کا وہ باب ہو جسے میں بند کرنا چاہتا ہوں دوبارہ کبھی نہیں کھولنا چاہتا کیونکہ اس باب کے پیچھے میں اپنی بے بسی، کمزوری بھی بند کر دوں گا۔"

مریان سامنے پڑی کتاب کو بند کرتے بولا۔

کتاب پر بنتا خاکہ غائب ہو گیا تھا۔

وہ دِل میں کیے عہد زبان پر لے آیا تھا وہ ہر چیز سے بیگانہ اپنی دھن میں بولتا چلا گیا تھا۔

اس بات سے بے خبر کے وہ الفاظ کسی اور تک بھی پُہنچ گئے ہیں۔

"مریان میرا یہاں دِل نہیں لگ رہا؟"

صبیحہ بیگم اُس کے سامنے پڑی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔وہ اُنہیں اچانک سامنے دیکھ کر گڑبڑا گیا۔

اُنہوں نے سب سننے کے بعد بھی مریان کو کچھ بھی ظاہر نہیں کروایا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے راز کسی اور کی سماعتوں تک پہنچ چکے ہیں۔مریان اُن کی آمد پر فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"دادو وہاں ایسا کیا تھا جس سے آپ کا دل لگ جاتا تھا؟ یہاں تو میں زیادہ تر گھر پہ ہوتا ہوں وہاں آپکے پاس بیٹھنے کی فرصت بھی نہیں ہوتی تھی آپ سارا دِن گھر میں اکیلے ہی گزارتی تھیں۔"

"وطن کی مٹی کی خوشبو بھی اِنسان کو تازہ دم کر دیتی ہے۔" صبیحہ بیگم نے گہرا سانس کھینچا۔

"دادو میں لان میں آپکو پاکستان کی مٹی لا دوں گا۔" وہ بات مزاح میں لے گیا تھا۔

"مریان میں مذاق نہیں کر رہی۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا میں واقعی ایسا کر سکتا ہوں۔"

"تم سیدھی طرح بتاؤ ہم پاکستان کب جائیں گے؟"

صبیحہ بیگم چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے بولیں۔

"دادو فلحال یہاں کے بزنس کا بہت کام ہے اتنے عرصے سے میں یہاں کے بزنس کو وقت نہیں دے سکا۔ آپ میرے ساتھ آئی ہیں تو اب مُجھے بھگتیں۔"

"مریان پاکستان میں بھی تمھارے کرنے والے بہت کام ہے۔ یہاں کا کام تو تم چند دنوں میں ختم کر سکتے ہو۔"

مریان نے بولنے کے لئے لب کھولے تو دفعتاً اُس کا فون بجا۔ اُس نے کال کرنے والے کا نام دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کال اُٹھا لی۔

"یار تُمھیں پتہ ہے تمھارے جانے کے بعد تمھارے خلاف کتنے پروپیگنڈے ہو رہے ہیں؟" نقیب کا انداز سنسنی خیز تھا۔

"ایک سیاستدان کے خلاف کب پروپیگنڈے نہیں ہوتے؟" ہمیشہ کی طرح جواب دینے کی بجائے سامنے والے تک اُلٹا سوال پُہنچایا گیا۔

"تمھیں نہ اہل ٹھہرایا جا رہا ہے کیونکہ تُم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوسرے ملک رہائش پذیر ہو گئے ہو۔"

"اُنہیں کیسے پتہ چلا میں تو کسی کو بھی اطلاع دے کر نہیں آیا؟"

”صحافیوں کے لئے یہ کھوج لگانا کون سا مُشکل کام ہے اور تُم وزِٹنگ ویزا لے کر نہیں گئے اتنی معلومات میڈیا والے با آسانی حاصل کر لیتے ہیں۔

دوسروں کی زندگیوں میں مداخلت اُن کا پسندیدہ کام ہے۔جو بھی کہہ لو تمھارا دبئی آنے کا فیصلہ دُرست نہیں ہے۔اپنی زمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کر رہے ہو۔زمہ داریوں سے بھاگنے والے کُچھ حاصل نہیں کر پاتے۔کسی کے دِل میں ایسے لوگوں کے لئے عزت نہیں ہوتی۔“ نقیب اُس کے فیصلے سے نالاں لگ رہا تھا۔

”نقیب میں بھاگا نہیں ہوں بس زِندگی کی دوڑ سے تھوڑے وقت کے لئے نکل گیا ہوں۔بہت تھک گیا تھا ہر کسی کی نظروں میں رہتے ہوئے۔بس ہر جگہ سے اوجھل ہونا چاہتا تھا۔“ اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

”دوڑ سے نکلنے والے پیچھے رہ جاتے ہیں جب وہ دوبارہ آتے ہیں تو اکثر اُن کا آنا بے مقصد ثابت ہوتا ہے کیونکہ اُن سے آگے نکل جانے والے منزل کے بہت قریب پُہنچ چکے ہوتے ہیں۔“ نقیب نے اُسے مستقبل سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔

”جو بعد میں آتا ہے وہ زیادہ تیزی سے آگے بڑھنے کی جستجو رکھتا ہے اور ویسے بھی منزل معنی رکھتی ہے اُس پر پُہنچنے تک کا وقت کون نظر میں رکھتا ہے بس سب یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کُچھ سہہ کر وہاں تک کھڑا ہونے کے قابل ہوئے ہیں۔

لوگ اختتام پر غور کرتے ہیں اختتام تک پُہنچے کے لئے اِنسان پر گزرے نشیب و فراز کے بارے میں بس وہ خود ہی جانتا ہے۔" مریان تیزی سے کہتا قدرے توقف کو سانس لینے کو رکا۔

"مگر کچھ لوگ منزل پر پُہنچے سے پہلے ہی نشب و فراز کی وجہ سے ڈگمگا کر گر جاتے ہیں۔" نقیب اُسے لا جواب کرنے کی سر توڑ کوشش میں تھا۔

"گرنا مسئلہ نہیں ہے جنہیں منزل پر پہنچنا ہوتا ہے پُہنچ کر رہتے ہیں اور جو نہیں پہنچ پاتے وہ بس مقابلہ کرنے میدان میں آتے ہیں اُنہیں منزل سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔"

"تو تُم واپس آنے کا ارادہ نہیں رکھتے؟" نقیب نے تنگ آ کر پوچھا۔اتنا تو وہ جانتا تھا کہ اسے باتوں میں نہیں ہرایا جا سکتا۔

"آؤں گا۔"

"کب آؤ گے؟" نقیب کی اس کے جواب سے اُمید بندھی۔

"جب مُجھے لگے گا کہ میری وہاں ضرورت ہے۔"

"تمھاری عوام کو اِنتظار ہے ایسے سیاستدان کا جو اُن کے حالات بدلنے کی کوشش کرے۔اُن کی زندگی میں کسی حد تک بہتری لائے۔"

"اگلے ماہ آ رہا ہوں۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

نقیب اسے جوش دلانے میں کامیاب رہا تھا۔اُس کا مستغیث لہجہ کام آ گیا تھا۔

"یہ ہوئی نہ بات۔۔۔" نقیب پُر جوش انداز ہوا۔

”دعا کرتا ہوں تمھارے استقبال کے طور پر کوئی مصیبت نہ کھڑی ہو۔“ نقیب نے دعائیہ کلمات کے ساتھ رابطہ منقطع کیا۔

”کس کی کال تھی۔“ صبیحہ بیگم نے اسے موبائل کان سے اتار کر نیچے رکھتے دیکھ کر متجسس انداز میں پوچھا۔

”دوست تھا۔“ مریان نے مختصر بتایا۔

”دوست وہی ہوتا ہے جو ڈوبنے سے پہلے ہاتھ بڑھا کر آپکو ہر خطرے سے بچا لے۔“

”جن کی قسمت میں ڈوب جانا ہو اُنہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔“

”اُس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اُسے تیرنا نہیں آتا۔“

”تیرنا تو مجھے بھی نہیں آتا۔“ اب کی بار وہ اپنی بات پر ہنسا تھا۔

”تمھیں سیکھ لینا چاہیے۔“

”مُجھے ڈوب جانے کا خوف نہیں ہے۔سورج جتنی مرضی آب و تاب سے چمکے اُسے ڈوب ہی جانا ہوتا ہے اور اُس کے بعد نئی صبح ہونی ہوتی ہے جس نے بہت سے لوگوں کو بیدار کرنا ہوتا ہے اُن میں زندگی کے رنگ بکھیرنے ہوتے ہیں۔“

مریان نے سنجیدگی سے کہتے سامنے پڑی کتاب دوبارہ کھولتے ہوئے اُسے چہرے کے سامنے کر لیا۔

صبیحہ بیگم نے کتاب کے کور پر بنی تصویر کو باغور دیکھا۔

لڑکے کا صرف ہاتھ پانی کے باہر نظر آ رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ڈوب رہا تھا اُس نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی ہوئی تھی

اور اُنگلی کے عین اوپر سورج چمک رہا تھا اور اس کی کرنیں لڑکے کی شہادت کی انگلی پر پڑ رہی تھیں جبکہ آس پاس اندھیرا تھا۔

صبیحہ بیگم کتاب کا نام باریک حروف میں لکھے ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکی تھیں۔

وہ کھڑی ہوئیں تو نظر کتاب پر ڈالی جہاں انگریزی حروف کی آٹھ سطروں میں اُنہیں کوئی شعر نُما چیز لگی مگر عینک کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ پڑھ نہ پائیں۔

"مریان یہ کیا لکھا ہے؟"

صبیحہ بیگم نے اُن سطروں پر اُنگلی رکھتے اُس سے پوچھا۔

شمع بُجھتی کب تھی
دیا بُجھایا گیا ہے

وہ ڈوبتا نہیں تھا
مگر اُسے گرایا گیا ہے

گرا نہیں تھا جب تو
اُسے مٹایا گیا ہے

مٹا نہیں تھا تبھی تو
اُس کی موت کا پروانہ اُڑایا گیا

"مریان تُم ایسی کتابیں کیوں پڑھتے ہو؟"
"کیسی؟" اُس نے لاپرواہی سے پوچھا۔
"ایسی عجیب سی؟" صبیحہ بیگم نے اُن سطروں کی جانب اشارہ کیا جو اُنہیں خاصی نامعقول لگی تھیں۔
"مُجھے اس کا کور اچھا لگا تو لے لی۔"
"اِس کور کا کیا مطلب ہے؟"
صبیحہ بیگم بھی اُس دلچسپ تصویر کے پیچھے کی کہانی جاننا چاہ رہی تھیں۔
"اِس کا مطلب ہے کہ ڈوبتا اِنسان ڈوبتے سورج جیسا ہوتا ہے نئی صبح کی اُمید لیے ڈوبتا ہے اور لازم ہے اُس کے بعد روشنی ہو گی جو آس پاس کا اندھیرا ختم کرے گی سوچیں بیدار کرے گی اور تاریخ کا رُخ بدل دے گی۔"

"عجیب بات ہے ڈوبتا اِنسان یہ سب کیسے کر سکتا ہے۔میرے تو دماغ کے اوپر سے گزری ہیں تمھاری باتیں۔۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھیں۔

"لگ بھی رہا ہے۔"

"ویسے اس کتاب میں اور کیا لکھا ہے؟" صبیحہ بیگم جاتے ہوئے پلٹی تھیں۔

"یہی کہ یہ آپ کی سمجھ سے باہر ہے۔"

مریان لبوں پر ہلکی سی مسکان لیے بولا۔

صبیحہ بیگم خفگی بھری نظر مریان پر ڈالتے ہوئے لائبریری سے باہر نکلیں۔

مریان نے کتاب چہرے کے سامنے کی اور دوبارہ وہی سطریں پڑھنے لگا۔

....

"روحا کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" زیام کندھے پر بیگ درست کرتے مسکراہٹ کے ساتھ اجازت مانگ رہا تھا۔

"بلکل کر سکتے ہیں بیٹھو کزن۔۔" روحا نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اُسے زیام کی ہر معاملے میں اجازت لینے والی عادت پسند تھی۔

زیام نے کزن لفظ پر چونک کر روحا کو دیکھا۔

"تُم سب جانتی ہو؟"

"ہاں چند دن پہلے ہی مُجھ پر یہ انکشاف ہوا۔" اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"مجھے بھی تب پتہ چلا جب ہم ٹریفک جام میں ملے تھے تب بابا نے بتایا کہ تُم سادام تایا کی بیٹی ہو اور ابتسام انکل تمھارے سوتیلے بابا ہیں۔"

"تُم کیا بات کرنے آئے تھے؟"

روحا نے بات بدلی اسے موضوع پسند نہیں آیا تھا۔

"بہت پریشان ہوں کوئی حل بتاؤ کہ اس ذہنی اذیت سے نکل سکوں۔" وہ اب بیگ گھاس پر رکھ کر خود بھی ٹانگیں لپیٹے بیٹھ چکا تھا۔

"تُم جب تک پانی میں رہو گے ڈوبنے کا خطرہ ہو گا ایک کنارہ تو چننا پڑے گا۔"

"یہی نہیں سمجھ پا رہا کے کون سا چنوں۔"

"وہ والا جس کی طرف جانے سے کم لوگوں کو تکلیف ہو۔"

"تُم مُجھے فاطمہ کا مشورہ دے رہی ہو؟ تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو۔" زیام ایک دم سے بگڑا۔

"نہیں حل بتایا ہے اگر تمہیں وہ حل نظر آ رہا ہے تو پھر اُس طرف بڑھ جاؤ۔"

"میں یہ سب کرنے کے بعد علیحہ کا سامنا کیسے کروں گا؟" وہ زخمی لہجے میں بولا۔

"اُس سے بات کر لو اسے ذہنی طور پر تیار کر لو تا کہ اسے کم تکلیف ہو۔"

"میں نہیں کر پاؤں گا۔ آج میری منگنی ہے میں انکار نہیں کر سکتا مگر میں یہ منگنی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ شدید بے بسی کا احساس ہو رہا ہے میں سب کر سکتا ہوں مگر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ میں کسی کو تکلیف نہیں پُہنچانا چاہتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں جو بھی کروں گا کسی نہ کسی کو تکلیف سے گزرنا پڑنا ہے

اور ایک یہی حل ہے کہ کم لوگ تکلیف سے گزریں چاہے اس میں میرا وجود بھی شامل ہو۔" اُس نے نظریں نیچے جھکائیں۔

"فیصلہ کر لیا ہے تو قائم رہنا روز روز فیصلے بدلنے والے پچھلے کو کھونے کے بعد اُسے بھی حاصل نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے وہ پچھلے لوگوں کو تکلیف دے کر آئے ہیں۔"

"میں کسی کو تکلیف ہی تو نہیں دینا چاہتا میں ایسا کیوں کروں گا۔" اُس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

"بعض اِنسان یہ سمجھ کر فیصلے بدلتا ہے کہ پہلا کیا گیا فیصلہ غلط تھا اور بعد میں اُنہیں بعد میں کیے گئے فیصلے پر بھی افسوس ہوتا ہے۔

ایسی ذہنی حالت والے لوگوں کے ہاتھ خالی ہی رہتے ہیں۔"

"کوشش کروں گا اپنی خواہشات ختم کر کے اِس فیصلے کو اچھے سے نبھا سکوں۔" وہ بدقت بول پایا۔

"اپنی منگنی پر اپنی ایک لوتی کزن کو نہیں بلاؤ گے؟" روحا نے ماحول میں موجود تناؤ ختم کرنے کی کوشش کی۔

"تُم تو میری ایک لوتی بہن ہو تمھارے بغیر سب ادھورا ہے اور اب تُمہیں میرے گھر میں آنے کے لئے کسی دعوت نامے کی ضرورت بھی نہیں۔"

"مطلب تُم اپنی بات سے مکر رہے ہو کُچھ دن پہلے تک میں تمھارے گھر میں بغیر اجازت کے آ کر اخلاقیات کے خلاف جا رہی تھی۔"

"نہیں بس اپنی بات کی تصحیح کر رہا ہوں۔" زیام نے شانے اچکاتے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"مطلب کے تُمہیں لگتا ہے کہ تُم نے غلط کہا تھا۔"

"ہاں میں نے غلط کہا تھا۔" اُس نے سر تسلیم خم کرتے کہا۔

"روحا سادام کو بات اگلوانے کا ہنر آتا ہے۔" روحا نے تفاخر سے کہا۔

"کل تمھارا آخری دِن ہے یونیورسٹی میں بغیر بتائے مت جانا ورنہ لوگ اُمیدیں لگائے رکھتے ہیں۔ اُمید پوری نہ ہونے کی تکلیف ساری زندگی سہنا بہت مُشکل ہوتا ہے۔" کہتے ہوئے روحا کی نظریں دور بیٹھی علیحہ پر جمی تھیں۔

"اُسے افسردہ کر کے چھوڑ کر جانا بھی مُشکل ہے۔"

"اُسے معلوم ہو گا تو وہ خود کو سمجھا لے گی دوبارہ مضبوط کر لے گی۔جب انسان ٹوٹتا ہے تبھی خود کو سمیٹ کر دوبارہ جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"اُس کے ٹوٹنے کی وجہ میں نہیں بننا چاہتا تھا مگر میں ایسا کر بیٹھا ہوں وہ مُجھے یاد نہیں کرے گی مگر جب بزدلی کی بات ہو گی تو میں اُسے یاد آؤں گا اُسے یقین تھا میں لوگوں کی سوچ بدلوں گا مگر میں روایات کے آگے ہار گیا لڑ نہیں سکا کیونکہ میں اپنوں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔

میں اپنے والدین کے مان کو توڑ کر کُچھ بھی نہیں بسانا چاہتا اپنا دل بھی نہیں۔" اُس نے بے اختیار اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔چند لمحے روحا بغیر کچھ بولے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتی رہی۔اُسے اُن دونوں کے لیے افسوس ہو رہا تھا مگر وہ ان کے لیے کُچھ نہیں کر سکتی تھی۔اُسے نہیں لگتا تھا کہ وہ چچا جن سے وہ ساری زندگی میں دو بار ملی تھی وہ اُس کی رائے کو اہمیت دیتے ہوئے اپنی روایات کو چھوڑنے پر رضا مند ہو جائیں گے۔

"تمھاری قسمت میں اگر یہ ہوئی نہ تو دُنیا گھوم جائے آسمان پلٹ جائے یہ تمھیں مل کر رہے گی اور اگر تمھاری قسمت میں نہیں ہے تو تُم اسے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ تُم اِس کا ذرا سا وقت بھی نہیں حاصل کر سکتے۔ کبھی کبھار اِس قسمت کے آگے بغیر مقابلہ کیے بھی ہار جانا چاہیے اپنی قسمت کو بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ آپ کو کہاں لے کر جاتی ہے اکثر اِس نے ہمیں بلندی پر لے کر جانا ہوتا ہے اور ہم پستی کے لئے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں اِنسان لا علم ہے اپنے لیے غلط دعائیں شدت سے مانگ کر خود کو بلندی تک نہیں پہنچے دیتا۔ اِنسان اپنے نقصان خود بھی کرتا ہے اور ہمیشہ قسمت کو زمہ دار ٹھہرا کر خود بری الزمہ ہو جاتا ہے۔"

روحا فاصلے پر کھڑی علیحہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تُم کہاں جا رہی ہو؟""

زیام روحا کو اُٹھتا دیکھ کر بول اٹھا۔

"تُم لوگوں کو الوداع کرنے کی تیاریاں کرنے۔"

"ہم یاد نہیں آئے گے؟"

"جب کوئی جاتا ہے تبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ یاد آتا ہے یا نہیں اکثر ہمیں بہت سے لوگوں کے چلے جانے کا سوچ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ اُن کے جانے کے بعد سب تھم جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ سب زیادہ تیزی سے چلتا ہے۔"

"تُم بہت فلسفی باتیں کرتی ہو۔"

"میں آس پاس کے ماحول کو دیکھ کر اُسے سمجھنے کے بعد دماغ میں آنے والی باتیں کرتی ہوں۔اکثر لوگوں کو سمجھ آتی ہے اور اُن کے ذہنوں میں مسائل کے حل کے طور پر بیٹھ جاتی ہیں اور اکثر کے ذہنوں میں کسی سوال کی طرح اٹک جاتی ہیں۔"

"ایک اور فلسفی بات۔۔" زیام نے آنکھیں پھیریں۔

"اب تُم مُجھ سے آنکھیں نہیں پھیر سکتے۔"

"کیوں؟"

"میں تمہاری اُمیدوں پر پانی بھی پھیر سکتی ہوں سید سادام شاہ کی ایک لوتی بیٹی ہوں بچ کر رہنا۔"

"اب تُم سے نہیں بچا جا سکتا اب تُم گُمنام تایا کی بیٹی سے سیدہ روحا سادام شاہ ہو گئی ہو اب تُمہیں ساری زندگی بھگتنا پڑے گا کہیں نہ کہیں تُم سے پالا پڑے گا۔"

"اور میرا پلڑا ہمیشہ بھاری ہو گا۔"

وہ فخریہ انداز میں کہتی علیحہ کی جانب بڑھی۔

زیام کی نظر روحا سے ہٹ کر اُس کے مقابل کھڑی علیحہ پر گئی۔

ایک دم سے آس پاس فائنل ایئر پارٹی کی تیاری میں مصروف گانے گاتے، پلینز بناتے، قہقہے لگا کر باتیں کرتے سب لوگ کہیں پیچھے چلے گئے تھے۔اُسے اپنے آس پاس اچانک سے خاموشی محسوس ہونے لگی تھی کل کے بارے میں سوچ کر اُسکا سانس رکا تھا نظروں میں موجود لڑکی کا افسردہ چہرہ جس میں نفرت کی آمیزش تھی اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

اُس کا چار سال یہاں گزارنے کے بعد اِس طرح کے اختتام پر دِل بجھا تھا۔

~~

زیام بالکونی میں ریلنگ پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

ہر طرف سکوت تھا اس کے اندر بھی کہیں ہل چل نہیں تھی وہ ردِ عمل دینے کی حالت میں بھی نہیں تھا اُسے اندر اور باہر کے ماحول میں مماثلت لگ رہی تھی۔

ہلکی سی آہٹ پر اُس نے سر اٹھا کر دیکھا آنے والے نے آواز پیدا نہیں کی تھی۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" وہ روحا کو سامنے کھڑا دیکھ کر دھیرے سے بولا۔

"ایسے اُداس دیکھے نہیں جا رہے سوچا تُم سے بات کر لوں شاید تمھاری اُداسی میں کمی لا سکوں۔"

"بابا تمھارے تو بہت صدقے واری جا رہے تھے تمھاری تو بات مان جائیں گے۔"

روحا کو اُس آواز میں اُمید کے ساتھ مان بھی محسوس ہوا۔

"کرنے لگی تھی اُنہوں نے بات کاٹ دی کہتے وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔" اُس نے کہتے ہی سر جھکا لیا جیسے اُس کے لیے کُچھ نا کر پانے کی شرمندگی ہو۔

"مُجھے بھی لگتا ہے میری زندگی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔" اُس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تُم فاطمہ سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"اُس سے بھی کر چُکا ہُوں کہہ رہی تھی اچانک سے اعتراض اٹھائے گی تو بابا کا شک تب بھی مُجھ پر ہی جائے گا۔"

"تمھیں کیا لگتا ھے فاطمہ کے ساتھ رہ لو گے؟"

"بات صرف زندہ رہنے کی ہے تو ہاں کسی کے ساتھ بھی رہ لوں گا۔خود تو کہاں تھا اُس کنارے کو چننا جس پر جانے سے کم لوگوں کو تکلیف ہو۔

کاش سادام چاچو کی بیٹی تُم نہ ہوتی۔" اُس نے حسرت بھرا سانس کھینچا۔

"تُم چاہتے ہو گے کاش وہ علیحہ ہوتی اور تُم آج اس ذہنی اذیت میں نہ ہوتے۔"

روحا نے اپنی طرف سے اندازہ لگایا۔

"نہیں میں جانتا ہوں کم حیثیت لوگوں کے ساتھ ایسے معجزے بھی نہیں ہوتے اُن کی زندگی میں بہتری ایک ہی جھٹکے میں نہیں آتی۔انہیں لمبے صبر کرنے پڑتے ہیں مگر صلہ ملتا ہے اور اُنہیں اُس کی زیادہ قدر ہوتی ہے۔کاش ہر اِنسان کے ساتھ برابری کا سلوک ہوتا ذات کی بنیاد پر ایسی درجہ بندیاں نہ ہوتیں۔"

"تمھیں پتہ ہے کاش لفظ کی کیوں ممانعت ہے؟" روحا نے اس کی کاش کی تکرار کی وجہ سے کہا۔

"ممانعت کیوں؟" اُس نے نا سمجھی میں پوچھا۔

"کیوں کہ اسکا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے طے کردہ فیصلوں کے خلاف جانا صرف وہ چاہنا جو ہم چاہتے ہیں۔ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے ہماری ذہانت ہر مخلوق سے زیادہ اچھی بنائی پھر ہمارے اپنے

لیے چاہے گئے فیصلوں کو وہ نہیں مانتا۔اُس سے زیادہ ذہانت نہیں اس کے بندوں کی اور زیادہ تر معاملوں میں ذہانت بھی بے بس ہوتی ہے سید زیام شاہ۔۔"

"تُم فلسفی باتیں کرتی ہو سیدہ روحا سادام۔۔" زیام کے تبصرے پر وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا دی۔

"زیام یار آ جاؤ رسم شروع ہونے والی ہے۔"

آذر اُن کے پاس کھڑے ہوتے بولا۔

"بہت منحوس باتیں بتانے آتے ہو۔"

روحا زیام کی بات پر ہنس دی۔

"آ رہا ہوں تُم لوگ جاؤ۔"

"میرے ساتھ چلو میرے سے نہیں دوبارہ بلانے آیا جاتا۔"

زیام آنکھیں گھماتے اُن کے پیچھے چل پڑا۔

وہاں کی چہل پہل دیکھ کر زیام کا دِل مزید اچاٹ ہوا۔وہ سجا ہوا گھر لوگوں کی لگائی گئی رونق قہقہوں کی آوازیں اُسے کُچھ بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر پا رہا تھا۔

فاطمہ سنہری رنگ کا جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھی۔

چہرے پر سنجیدہ تاثرات لیے وہ کہیں سے بھی خوش نہیں لگ رہی تھی اور زیام کی طرح خوش لگنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔

سیدہ سعدیہ نے انگوٹھی زیام کی طرف بڑھائی۔

زیام کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے وہ فوراً سے انگوٹھی نہیں تھام سکا تھا۔

انگوٹھی پر نظریں مرکوز کیے وہ خاموش بیٹھا رہا تھا۔

سیدہ سعدیہ نے سب لوگوں کی نظریں زیام پر جمی دیکھ کر انگوٹھی زیام کے ہاتھ میں تھمائی۔

اُسے لگا تھا کسی نے بھاری وزن اُس کے ہاتھ میں تھاما دیا ہو اور جسے وہ سنبھال نہ پا رہا ہو۔

آہستگی سے ہاتھ آگے بڑھاتے اُس نے فاطمہ کو انگوٹھی پہنائی پھر انگوٹھی کو دیکھتا رہا نظر کے سامنے سیاہ پتھر کی انگوٹھی پہنے ہاتھ لہرا رہے تھے۔

اُسے اپنا آپ بوجھ لگ رہا تھا اس کے لیے وہاں بیٹھنا محال تھا مگر وہ اب بھاگ نہیں سکتا وہ بندھ چکا تھا۔

رشتوں کی ڈوریں مزید مضبوط ہو گئی تھیں مگر وہ خود کو کمزور محسوس کر رہا تھا۔آس پاس مسکراہٹیں سجائے چہرے اُسے دیکھ رہے تھے۔

پہلے بھی تو انگوٹھی پہنائی تھی کسی پر حق رکھنے چلے تھے کیا کیا تُم نے بزدلی دیکھائی حق قائم نہیں رکھ سکے سب ختم کر بیٹھے تُم محبت نبھانا نہیں جانتے سید زیام شاہ۔۔

وہ سامنے میز پر پڑے گلاب کے پھولوں پر نظریں جمائے خود کو ملامت کر رہا تھا۔

"آذر مُجھے لگتا ہے فاطمہ بھی خوش نہیں ہے۔"

روحا نے فاطمہ کا مسکراہٹ سے عاری چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تُمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"

”کیونکہ وہ خوش نہیں لگ رہی۔“ روحا نے دوبارہ اُس کی جانب دیکھا تو فاطمہ آنکھوں میں سردمہری کی کاٹ لیے اُنہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

”دلہنیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔“

”منگنی پہ کون سی دلہنیں ہوتی ہیں؟“

آذر سے جواب نہ بن پایا تو اُس نے شانے اچکا دینے پر اکتفادہ کیا۔

”یہ ماں باپ ایسی زندگی بھر کی زبردستی کیوں کرتے ہیں؟ کتنا مُشکل ہوتا ہے ناخوش ہو کر بھی خوشگوار تعلق بنانا اور پھر اُسے نبھانا۔ ہمیں ان کے لئے کُچھ کرنا چاہیے۔“ روحا کے لہجے میں افسردگی گھلی تھی۔

روحا قدرے اونچی آواز میں بولی پر آس پاس دیکھا سامنے سفید کُرتا شلوار میں بیٹھے زیام کے علاوہ اور کوئی بھی اُس کے اونچا بولنے کی وجہ سے متوجہ نہیں ہوا تھا زیام کے ساتھ اپنے خیالوں میں بیٹھی فاطمہ بھی نہیں۔

”اب تمھارا وراثتی ہمدردی والا بھوت جاگ جائے گا۔“ آذر کی بات پر روحا نے اُسے گھوری سے نوازا۔

سیدہ سعدیہ روحا کا ہاتھ تھامتے اُسے پاس کھڑی عورتوں کے جھمگھٹے میں لے گئی تھیں اور روحا کا تعارف کروانے لگی تھی یہاں آ کر جو کام سب سے زیادہ ہو رہا وہ اُس کے تعارف کا تھا۔
وہ رسمی مسکراہٹ کے ساتھ سب سے مل رہی تھی۔

روحا کی نظر اچانک زیام کے پاس کھڑے آذر پر گئی تھی جو فاطمہ کی نظروں کے حصار میں کھڑا تھا۔
آذر نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا اور اس نے ہنوز خود پر جمی نظروں کی وجہ سے جھٹکے سے آنکھوں کا رُخ پھیرا۔
روحا آنکھیں سکیڑے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔
چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد وہ اُن سے معزرت کرتی آذر کی طرف بڑھی۔
"یہ تمھاری طرف کیوں دیکھ رہی تھی؟"
روحا نے اُس کے کان میں سرگوشی کرتے کہا۔
آذر اس کے اچانک سے اِس سوال پر گڑبڑا گیا تھا۔
"کیوں تُم جل رہی ہو؟"
وہ قدرے سنبھل کر اُسے چھیڑنے والے انداز میں بولا۔
"نہیں گریل ہو رہی ہوں۔"
"جب ہو جاؤ تو بتانا۔"
"کیوں؟؟" وہ خائف سے بولی۔

"باربی کیو کریں گے۔" آذر مسکراہٹ دباتے بولا۔

"بوڑھا۔۔"

آذر نے اس کے بڑھا کہنے پر بچگانہ انداز میں ناک اوپر کیے آنکھیں سکیڑ کر مشکوک انداز میں اُسے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں وہ اُس کی عادت سے واقف تھا وہ غصے میں کسی کو بھی بوڑھا بنا دیتی تھی یہ سوچے سمجھے بغیر کہ سامنے والا اگلے تیس سال تک بھی بوڑھا نہیں ہونے والا۔۔۔

روحا اُس کے اس انداز پر مسکرائی۔

موبائل پر ہونے والی بیپ نے اُسے متوجہ کیا۔

موبائل کی سکرین پر موجود نام نے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ماتھے پر شکنیں واضح تھیں۔

"آذر میں ابھی آتی ہوں۔" آذر نے جواباً سر ہلا دیا۔

"جی فرمائیں۔۔" روحا نے کال اُٹھاتے ہی تڑخ کر کہا۔

"سیدہ روحا سادام تُم لگتا ہے بھول رہی ہو کہ تُم ہمارے ساتھ کوئی معاہدہ کر کے آئی تھی۔"

دوسری جانب سے طنز بھرے لہجے میں کہا گیا۔

"ہاں میں بھول چکی ہوں آپ بھی بھول جائیں۔"

"تو تُم اپنی کہی گئی بات سے مکر رہی ہو؟"

"بالکل۔۔" اُس نے ڈھیٹائی سے کہا۔

"وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" سلیم رضا نے اپنا لہجہ ہموار رکھا۔

"اگر تو آپ کو لگتا تھا کہ میں سید سادام شاہ کی بیٹی ہوتے ہوئے اُس شخص کے خلاف جاؤں گی جس نے ساری زندگی مُجھے باپ بن کر پالا تو یہ آپ کی بھول تھی۔" اُس کی آواز اونچی اور لہجہ سخت ہوا تھا۔

"تو تُم خود مصیبت میں پھنسنا چاہ رہی ہو؟"

سلیم رضا تمسخرانہ انداز میں بولے۔

"تو آپ مُجھے دھمکا رہے ہیں؟"

"دھوکے بازوں کو صرف دھمکاتا نہیں ہوں اُنہیں انجام تک بھی پہنچاتا ہوں۔

ایک لڑکی ہونے کی وجہ سے اب تک تُمہیں بہت چھوٹ دی ہے مگر اب نہیں دے سکوں گا۔"

"صرف لڑکی سمجھتے ہوئے کمزور نہ سمجھیں۔سید معین شاہ اور ابتسام آفندی کی ساخت کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں آپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔آپ ڈریں میں آپ کے خلاف بھی جا سکتی ہوں اور سارا مدعا آپ پر ڈال سکتی ہوں آپ کے خلاف بہت سے کیس کروا سکتی ہوں۔

میرا ساتھ میرے چاچو اور بابا دیں گے وہ میری ہی بات کا یقین کریں گے۔

ویسے بھی آپ میڈیا پر میرے بابا کے خلاف بولے تو میں آپ کے خلاف آ کر بولوں گی تو بھول جائیں گے ایسا کچھ اب آپ کر سکیں گے۔" روحا کے بے خوف انداز نے اُنہیں متحیر کر دیا تھا۔

"تُم سے مُجھے اِس سب کی اُمید نہیں تھی کہ تُم مُجھے چکما دینے کے لیے ہمارے ساتھ ہونے کا ڈھونگ رچاو گی۔ابتسام آفندی کا اثر ہے تُم میں ویسے اندر رہ کر اندر سے کاٹتی ہو۔"

"کیا کروں سوتیلے ہی سہی پر ہیں تو میرے بابا۔۔"

سلیم رضا کا خون کھولنے لگ پڑا تھا اُنہیں امید نہیں تھی یہ لڑکی ایسے بازی پلٹے گی اور وہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

"میرے پاس مریان لکھانی کے خلاف ثبوت ہیں۔"

سلیم رضا نے بات بنتی نہ دیکھ کر اپنا اگلا پتا پھینکا۔

روحا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"مریان لکھانی کے خلاف ثبوت نہیں بلکہ مریان لکھانی کے خلاف جھوٹے ثبوت کہیں تو زیادہ بہتر ہو گا اور میں اتنی لمبی دشمنیاں نہیں پالتی میں لمبی دشمنیوں میں اپنا وقت اور طاقت ضائع نہیں کرتی آپ بھی نہ کریں پچھتاوے کے سواہ کُچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔یہ بدلہ، انتقام اور دوسروں کو سزائیں دینے والوں کو میں نے سکون میں نہیں دیکھا۔"

سلیم رضا کی تو بولتی بند ہو گئی تھی چند لمحے خاموشی کی نزر کرنے کے بعد سلیم رضا نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

روحا نے سیاہ سکرین کو دیکھ کر گہرا سانس لیا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

اندر آذر غصے سے بھرا کھڑا تھا۔

"چلو روحا چلیں۔"

"لیکن کیا ہوا ہے ابھی تو تُم ٹھیک کھڑے تھے؟"

"تُم ساتھ چل رہی ہو؟" اُس کا انداز پوچھنے والا کم بتانے والا زیادہ تھا۔

"چل رہی ہوں مگر پہلے زیام کو بتا دیتے ہیں۔" روحا زیام کی طرف بڑھنے لگی تو آذر نے بازو سے پکڑ کر اسے روک لیا۔

"نہیں اُس کے پاس بھی نہیں جانا۔"

"یہاں کھڑے کھڑے کون سی چڑیلیں نظر آ گئی ہیں تُمہیں جو جانے کی رٹ لگا لی ہے۔" آذر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔

"اچھا چلتے ہیں۔"

روحا آذر کے جواب نہ دینے پر چل پڑی تھی آذر بھی منہ پھلائے پیچھے چل پڑا۔

"روحا کہاں جا رہی ہو؟"

سیدہ سعدیہ اُسے جاتا دیکھ کر اُس کی جانب لپکی۔

"چچی گھر جا رہے ہیں۔"

"ابھی سے کیوں جا رہے ہو تم لوگوں کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"آذر کی طبیعت خراب ہے اِس لئے جا رہے ہیں۔" ورنہ اس کا دِل چاہ رہا تھا کہ کہے آذر کا دماغ خراب ہے۔

"میں سوچ رہی تھی تم آج یہیں رک جاؤ آخر کو یہ تمھارا ہی گھر ہے۔"

روحا نے آذر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر صاف "نہیں" رقم تھا۔

اُس کے گھر والوں سے جتنی ہی رنجش تھی مگر وہ اُن کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اُسے سیدہ سعدیہ کے چہرے پر اپنائیت نظر آ رہی تھی مگر وہ ابھی اِس گھر والوں میں خود کو اجنبی ہی سمجھتی تھی۔

وہ دونوں طرف سے خود کو اجنبی سمجھنے لگ پڑی تھی وہ خود کو کہیں کا بھی حصہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

ایک طرف سوتیلے کا ٹیگ مگر زِندگی بھر کا ساتھ گزارا وقت دوسری جانب اپنوں کی چاہت مگر بیچ میں اتنا عرصہ نہ مِل پانے کی وجہ سے اجنبیت مگر وہ دونوں میں سے کسی کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی وہ جو بھی کہتی وہ خوش قسمت تھی اُس کی زندگی میں زیادہ لوگ شامل ہونے تھے اس کی قسمت میں زیادہ محبتیں تھیں۔

اور وہ نا شکری کر کے دونوں کو نہیں کھونا چاہتی تھی۔

"چچی پھر کسی دِن ابھی آذر کی طبیعت نہیں ٹھیک۔۔"

اپنی طرف سے اُس نے دونوں کو خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ٹھیک ہے زیام کی شادی پر تمہیں ایک مہینہ پہلے بلواؤں گی۔" زیام کے ذکر پر اُس نے مڑ کر زیام کی جانب دیکھا جو سر جھکائے ہتھیلیوں پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔اُسے دیکھ کر اُس کا دِل اُداس ہوا۔

"چلو اب۔۔"

آذر روحا کا ہاتھ تھامے چل پڑا۔

"ہماری گاڑی کہاں گئی؟"

روحا نے گاڑی کو مطلوبہ جگہ موجود نہ پا کر پوچھا۔

"دوست لے گیا۔" بے نیازی سے جواب دیا گیا۔

"ہم گھر کیسے جائیں گے؟"

"پیدل۔۔"

"اتنی دور پیدل کیسے جائیں گے۔" روحا صدمے سے بولی۔

"دو بلاک پیدل چل لو گی تو کیا ہو جائے گا میں کون سا تُمہیں کورنگی تک لے جا رہا ہوں۔"

"لیکن میں تھک جاؤں گی۔"

"لڑکیوں کو مضبوط ہونا چاہیے۔"

"لڑکے اپنی منگیتروں کے نخرے اُٹھاتے ہیں تُم مُجھے مضبوطی کے درس دے رہے ہو۔"

"لڑکیوں میں نازک مزاجی ایک حد تک اچھی لگتی ہے مُشکل وقت کا مقابلہ اُنہیں کرنا آنا چاہیے۔"

روحا چند لمحے اُس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس دوڑ لگا دی۔

آذر حیرت سے کھڑا دیکھتا رہا پھر اُس کے پیچھے لپکا۔

"روحا یہ کیا کر رہی ہو راستے میں لوگ ہیں۔"

"خود کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

آذر نے تاسف سے سر جھٹکا۔روحا سادام پر حکم چلانے جیسا جرات مندانہ اقدام اُسے مہنگا پڑ گیا تھا۔

روحا آگے جا کر رک گئی تھی۔

پیچھے مڑ کر دیکھا آذر قدم قدم چلتا اُس کے پاس آیا وہ ہانپ رہی تھی۔

"تُم آج بہت پیاری لگ رہی تھی۔"

روحا نے حیرت سے اُسے دیکھا اُس نے بلکل غیر متوقع بات کی تھی۔

"تمھاری لانبی پلکیں تمھاری خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں بلکہ میرے لیے خوبصورتی کا مطلب ہی یہی ہیں۔" وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"آذر تُم ٹھیک ہو؟"

وہ ابھی بھی حیران تھی آج تک آذر نے اُس سے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔

وہ پہلی بار اظہار کر رہا تھا حیرانگی بجا تھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔"

"وہاں پر کیا ہوا تھا؟"

"مُجھے فاطمہ کی نظروں سے اُلجھن ہو رہی تھی۔

عورت کی حیا کا اندازہ اس کی نظر سے لگایا جا سکتا ہے وہ چاہے اپنا سارا وجود ڈھانپ لے مگر اپنی آنکھوں میں نظر آتی بے حیائی نہیں چھپا سکتی۔میں ایک ہی بار محبت کرنے کا قائل ہوں اور محبت نبھانا اور چلانا مُجھے آتا ہے۔"

"اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو۔" روحا نے اُسے اتنا سنجیدہ ہوتے بہت کم دیکھا تھا۔

وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ سامنے آتی ہیوی بائیک آذر میں آ لگی تھی۔

وہ زمین پر گرا روحا کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا جیسے اُس کی اہمیت کا پہلی بار اندازہ ہوا تھا۔

بائیک والا جلدی سے اُترا اور آذر کی حالت جانچنے لگا۔

"تُم ٹھیک ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا مگر اُس کا انداز میں فکرمندی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" آذر کی کراہ دار آواز اُبھری۔

روحا دم سادھے کھڑی رہی۔

"ایمبولیس کو بلاؤں؟" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

""نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

آذر نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی جو کامیاب رہی۔

اگلی لمحے نظر روحا پر پڑی اُس کے تاثرات دیکھ کر آذر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"پریشان کیوں ہو رہی ہو میں ٹھیک ہوں" وہ بائیک کا سہارا لیتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"چلو گھر بس ذرا سی ٹکر لگی ہے اِس نے سپیڈ آہستہ کر لی تھی زیادہ نہیں بچی دو چار دن آرام کروں گا بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

روحا نے سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا وہ اُس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا اُسے وہ شناسا چہرہ لگا مگر وہ اُسے پہچاننے میں ناکام رہی۔

نقیب پہلی نظر میں روحا کو پہچان گیا تھا۔

اپنے دوست کے جانے کی وجہ وہ اچھے سے جانتا تھا۔

آپکا شکریہ۔۔"

"تشکر بھری آواز پر وہ چونکا اور ہلکا سی سر کو جنبش دی۔

اس کا دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر دِل چاہا تھا وہ واقعی وقت پر سپیڈ کم نہ کرتا اور سامنے موجود شخص کو اُڑا دیتا۔

اُسے وہ ایک ساتھ بلکل اچھے نہیں لگ رہے تھے وجہ مریان سے محبت تھی ورنہ کوئی بھی اُن دونوں کو ساتھ دیکھ کر پرفیکٹ جوڑی کا خطاب دے سکتا تھا۔

وہ ایک اچنپٹی نظر دونوں پر ڈالتے بائیک دوڑا لے گیا تھا۔

"عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"

روحا اس کے جانے کے بعد بڑبڑائی۔

"شاید پہچان رہا تھا۔"

"مجُھے بھی لگ رہا ہے میں نے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔"

مگر وہ یاد کرنے میں ناکام رہی تھی وہ اتنی ذہین نہیں تھی کہ کسی کو ایک جھلک دیکھنے کے بعد اُسے یاد رکھ پاتی۔

آذر پہلے ہی لڑکھڑاتا ہوا آگے نکل چکا تھا روحا سوچوں سے باہر نکلی تو آگے چلتے آذر کو دیکھ کر اُس کے پیچھے لپکی۔

۔.........۔

سیدہ سعدیہ کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوئیں۔

زیام مہمانوں کی موجودگی میں ہی اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔وہ سارے مہمانوں کو رخصت کر کے فارغ ہونے پر زیام کے پاس آئی تھیں وہ جانتی تھی وہ اِس وقت ٹھیک نہیں ہو گا۔

کمرے میں ایک لیمپ کی روشنی میں وہ زیام کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پا رہی تھیں۔

لائٹ جلا کر کمرہ روشن کیا گیا مگر زیام کمبل میں سر دیئے لیٹا رہا اس نے کوئی رد عمل نہیں دیا شاید اُس تک کمرے میں ہونے والی روشنی پہنچی ہی نہیں تھی۔

اُنھوں نے زیام کو اُٹھانے کی کوشش کی تو ہاتھ اُس نے دہکتے سر سے مس ہوا۔

"زیام تمہیں تو بہت تیز بخار ہے ذرا سی بات کی ٹنشن لے لیتے ہو اور اتنا بخار ہو جاتا ہے۔" وہ تفکر سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

"ماما میری زندگی کے سب سے بڑے فیصلے کو ذرا سی بات مت کہیں۔"

"تُم اُٹھو دوائی لو۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا دوائیوں کا ڈبا اٹھایا اور مطلوبہ دوا تلاش کرنے لگیں۔

"وہ تابعداری سے اٹھ گیا تھا۔" سیدہ سعدیہ نے دوا مل جانے پر ہتھیلی پر رکھے اُسے زیام کی جانب بڑھایا پر پانی کا گلاس بھرنے لگیں۔

دوائی نگلنے کے بعد وہ بیڈ کی پُشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے لیٹ گیا تھا وہ جانتا تھا اس کی ماں اس سے کوئی بات کرنے آئی ہے وہ بات سننے کے بعد ہی آرام کرنا چاہتا تھا۔

"علیحہ نہیں آئی؟"

اپنی طرف سے اُنہوں نے علیحہ کا ذکر چھیڑ کر ماحول خوش گوار کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ انجانے میں زیام کو مزید تکلیف دے گئی تھی۔

"میں نے اُسے بتایا نہیں تھا ورنہ وہ ضرور آتی۔وہ سب کی خوشی میں خوش ہونے والی لڑکی ہے وہ برداشت کر لیتی اور سب کے سامنے خوش بھی دیکھائی دیتی مگر میری ہمت نہیں ہوئی اُسے بتانے کی میں اب بھی ہمت نہیں کر پا رہا پتہ نہیں کیسے اُسے دھتکاروں گا پتہ نہیں وہ کیا محسوس کرے گی شاید اُس کی آہیں مجُھے کبھی سکون نہ لینے دیں جیسے اب بے سکونی میں ہوں۔
پتہ نہیں میں نے اس کے سامنے اظہار کیوں کیا نہ کرتا تو شاید وہ اُمیدیں نہ باندھتی اُسے کم تکلیف ہوتی۔" وہ آنکھیں موندے تھکے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔
سیدہ سعدیہ خاموش ہو گئی تھیں وہ اُس کے رویے کی وجہ سے اُسے سمجھانے آئی تھیں مگر اس کی حالت نے اُنہیں کُچھ بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا وہ الفاظ ادا نہیں کر پا رہی تھیں۔
چند لمحے خاموشی سے بیٹھی اُس کی حالت دیکھتی رہیں پھر اُسے آرام کا کہہ کر کھڑی ہوئیں۔
اُن سے زیام کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی اپنی ایک لوتی اولاد کی تکلیف پر اُن کا دِل پس کر رہ گیا تھا۔

~~~
~~~

"روحا یہ دیکھو۔"

علیحہ نے کاغذ کا ٹکڑا روحا کے سامنے لہرایا۔

"یہ کیا ہے؟"

روحا جو گراؤنڈ کی مٹی کو پنسل کی مدد سے اُکھاڑنے میں لگی تھی علیحہ کے پکارنے پر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

مگر سورج کی شعائیں اُس کی آنکھوں سے ٹکرائی اُس کی آنکھیں چندھایں تو اُس نے کاغذ اُس کے ہاتھ سے پکڑ کر سر دوبارہ نیچے جھکا لیا۔

روحا نے کاغذ پر لکھی تحریر کا با غور جائزہ لیا۔

""یہ تو کسی پراپرٹی کے کاغذات لگتے ہیں۔"

"ہاں میں نے ایک اپارٹمنٹ خریدا ہے۔" روحا اُس کی بات پر چونکی۔آنکھوں میں تعجب اُبھرا۔

"اپنا اپاٹمنٹ لیکن کیسے؟"

وہ واقعی حیران ہوئی تھی اپارٹمنٹ کی قیمتوں کے بارے میں وہ اچھے سے جانتی تھی اور علیحہ کے پاس لاکھوں میں پیسے آنا حیران کن بات تھی۔

"آفس سے قرضہ لیا ہے اور کُچھ ایڈوانس بھی اور کُچھ مریان سر کی مدد بھی لی ہے۔"

"کیسی مدد؟"

”اُنھوں نے بہت سے اپارٹمنٹس بنوائے ہیں متوسط طبقہ کے لئے وہاں وہ بہت کم قیمت میں گھر فروخت کرتے ہیں اور کوئی بلکل بے گھر ہو تو جانچ پڑتال کے بعد اُسے مفت میں رہائش دے دی جاتی ہے۔ابھی اور بھی زیرِ تعمیر ہیں مُجھے یقین ہے وہ بہت سے لوگوں کا سائبان بنیں گے۔
ایسے سیاستدان ہی نہیں بلکہ ایسے اِنسان بھی نسلوں بعد پیدا ہوتے ہیں جن میں انسانیت کی خاطر کُچھ کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اور صرف جذبہ نہیں وہ ڈٹ جاتے ہیں اور کر کے دیکھاتے ہیں۔
ایسے لوگ بھلائے بھی نہیں جاتے ایسے لوگ دلوں میں اپنی مضبوط جگہ بنا کر جاتے ہیں جو دوبارہ پُر کرنی مُشکل ہوتی ہے۔مُجھے ہمیشہ سے سیاست میں دلچسپی نہیں تھی پتہ ہے کیوں؟“
روحا نے سوالیہ ابرو اُٹھائی وہ بولنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔
”کیونکہ کبھی کسی سیاست دان کی وجہ سے میری زندگی میں کوئی بہتری نہیں آئی۔کبھی کسی نے ہمارے لیے کُچھ نہیں کیا خود کمانا اور خود کھانا پھر ہم کیسے مان لیں کہ ہماری زندگی میں سیاست دانوں کی اہمیت ہے ہم تو یہی کہیں گے وہ نہ بھی ہو تو ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ اُن کی موجودگی میں ہماری زندگی میں تبدیلی نہیں آئی تو اُن کے جانے کے بعد کیسے آ سکتی ہے پھر کوئی بھی اقتدار میں ہو کیا فرق پڑتا ہے۔
ہم تب ہی کسی کو یاد رکھتے ہیں جب وہ ہماری زندگی میں کہیں نہ کہیں آسانیاں پیدا کرتا ہے ورنہ ہماری زندگی میں بہت سے لوگ آتے ہیں ہم بھول جاتے ہیں صرف اُنہیں یاد رکھتے ہیں جنھوں نے کبھی ہمیں یاد رکھا ہوتا ہے۔

اگر ہمارے سیاستدان ہمارے لیے کُچھ کرنے لگ پڑیں گے تو پچھلے سیاستدانوں کی طرح یہ بھی یاد رکھے جائیں گے۔

مُجھے نہیں لگتا ہمیں کسی اور ملک کے ہمیں سیاستدانوں کے حوالے دینے کی ضرورت ہے ہماری ملکی تاریخ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے تاریخ نہیں بلکہ نقشے تک بدل کے دیکھائے ہیں بِلا ہتھیاروں کا استعمال کیے صرف اپنی پُر اثر زبان سے لوگوں کے ارادے بدل دیئے۔

میں چاہتی ہوں ہمارے کُچھ سیاستدان بھی ایسے ہو بلکہ سب ایسے ہو کہ کسی نہ کسی کی زندگی میں بہتری لانے کا باعث بنیں اُن کے دِل میں اپنی جگہ بنا سکیں۔

مُجھے لگتا ہے ایسا ہو گا بہت جلد ہو گا۔"

روحا کو علیحہ کے چہرے پر اُمید نہیں یقین نظر آ رہا تھا اور یہ یقین کیوں قائم ہوا تھا وہ سمجھ سکتی تھی۔

"یہ بتاؤ تمھارا بوڑھا بوس کیسا ہے؟"

"کون؟" علیحہ نے حیرت سے بھنویں سکیڑیں۔

"وہی جس کی تعریفوں میں آسمان زمین کے قلابے ملا رہی ہو۔۔مریان لکھانی۔۔"

"کیا بوڑھا؟ تم اُنہیں بوڑھا کہہ رہی ہو؟"

علیحہ کو تو مریان کی ایسی تحقیر پر صدمہ لگ گیا تھا۔

"ہاں تو بوڑھا ہی ہے۔" بلاں کی لاپرواہی سے جواب آیا۔

"لیکن وہ تو جوان ہیں۔" علیحہ کو لگا تھا اُس نے مریان کو دیکھ نہیں رکھا اِس لیے بوڑھا کہہ رہی ہے۔

"اتنا بھی نہیں پینتیس تک کا تو ہو گا۔"

"پینتیس سال میں کون بوڑھا ہوتا ہے؟

تُم جوان کو بوڑھا کیوں بنا دیتی ہو؟"

"بناتی نہیں ہُوں صرف کہتی ہوں۔"

"کیوں کہتی ہو؟"

"کیونکہ وہ اسی قابل ہوتا ہے۔" شانے اچکا کر بے نیازی سے کہا۔

"تُم مریان سر کو جانتی ہو؟" روحا نے تھوک نگلا۔لحظے بھر کو خاموش نظروں سے علیحہ کو دیکھتی رہی پھر سر جھکا گئی۔

"کراچی کے میئر کو کراچی میں رہنے والے نہ جانتے ہو ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"مگر میں ذاتی طور پر جاننے کی بات کر رہی ہوں۔" اُس کا مٹی کھودتا ہاتھ سست پڑا چہرے پر سنجیدگی در آئی۔

"نہیں میں اُسے نہیں جان پائی۔"

علیحہ اِس کی جواب کم سوال زیادہ بات سمجھ نہیں سکی۔

"تمھاری جاب کیسے جا رہی ہے؟" روحا نے بات بدل ڈالی۔

"بہت مُشکل۔۔"

"کیوں؟"

روحا کو حیرت ہوئی وہ ہمیشہ کام نہ ہونے کا رونا روتی تھی اور اب مُشکل کہہ رہی تھی۔

”مریان سر پاکستان نہیں ہیں نہ اِس لیے کام کی زمہ داری بڑھ گئی ہے وہ مُجھے بھی بہت سی زمہ داریاں سونپ گئے ہیں تو مُشکل ہو رہی ہے ورنہ وہ خود ہوتے تھے واقعی مجھے کام کی کمی محسوس ہوتی تھی۔“

”کیا مطلب کیوں گئے ہیں؟“

روحا کو خود سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس نے کیا سوال کیا ہے اور کیوں کیا ہے۔

”دبئی گئے ہیں بتایا تو نہیں کس لیے گئے ہیں مگر میں نے سنا ہے وہ وہاں رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھار یہاں چکر لگا لیا کریں گے ویسے ابھی تک تو واپس نہیں آئے۔کافی دنوں کے گئے ہوئے ہیں بلکہ تمھاری منگنی والی ڈیٹ کے بعد سے وہ آفس نہیں آئے۔“

”کیا مطلب میری منگنی کی ڈیٹ؟“ روحا کی بوکھلاہٹ زدہ آواز نکلی۔

”بس بتا رہی ہوں کہ تب سے نہیں آئے مُجھے تاریخیں نہیں یاد رہتیں نا۔“

”علیحہ کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟“

زیام اُن کے پاس کھڑا ہو کر پوچھ رہا تھا جب کہ نظریں علیحہ پر جمی تھیں وہ اُسی سے مخاطب تھا۔

”بالکل کر سکتے ہیں بیٹھو“ روحا نے جواب دیا تھا۔

زیام نے علیحہ پر نظر ڈالی اُس کے چہرے پر اطمینان تھا اور وہ جانتا تھا یہ اطمینان ابھی دھواں ہونے والا ہے اِس چہرے پر اُداسی بکھرنے والی ہے اور وجہ صرف وہ ہو گا۔

"تُم دونوں بات کرو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"
"تُم کہاں جا رہی ہو۔"
علیحہ نے روحا کو اُٹھتا دیکھ کر اُس کا بازو تھام لیا تھا۔
"تھوڑی دیر میں آ رہی ہوں۔"
روحا بازو چھڑواتے آگے بڑھ گئی تھی اور علیحہ روحا کی اِس حرکت پر دنگ رہ گئی تھی۔
روحا اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی مگر وہ اُنہیں دیکھ سکتی تھی وہ وہاں اس لیے کھڑی تھی تا کہ وہ علیحہ کی حالت دیکھ سکے۔

"علیحہ مُجھے تُم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔"
زیام زمین پر نظریں گاڑتے ہوئے بولا آنکھوں میں دیکھ کر بات کرنے کی ہمت اُس میں نہیں تھی۔
"ہاں کرو۔" علیحہ کا لہجہ عام سا تھا۔
"ک۔۔ک۔۔۔کل۔۔" وہ اپنی زبان کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔
"کیا ہوا کل؟" علیحہ نے زیام کے اِس طرح بوکھلا کر کہنے پر تشویش سے پوچھا۔
"کل فاطمہ کے ساتھ میری منگنی تھی۔"
علیحہ کے چہرے پر اضطراب پھیلا۔
زیام نے دیکھا تھا اُس کی پلکوں کی جنبش رک گئی تھی۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"تُم نے گھر والوں کو منانیں کی کوشش نہیں کی تھی؟" وہ ذرا تامل کے بعد بولی تو آواز بہت دھیمی تھی۔

زیام نے گہرا سانس لیا وہ جانتا تھا سب سے پہلے یہی سوال کیا جائے گا۔جواب اس کے پاس تھا مگر تلخ تھا۔

"کی تھی مگر ناکام رہی۔"

"کیا تُم میں قائل کرنے کی اہلیت نہیں تھی؟"

زیام نے سر مزید جھکا لیا بات یہی تھی اس میں قائل کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔

"ہمارے خاندان کی روایات ہیں میں اُنہیں تمھاری خاطر نہیں بدلوا سکتا۔"

وہ قدرے اونچی آواز میں بولا۔علیحہ نے پہلی بار اُسے اِس انداز میں بات کرتے دیکھا تھا۔وہ بے یقینی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"مُجھے کیوں اُمیدیں لگانے پر مجبور کیا تھا؟"

"میں نے نہیں کیا تُم نے خود لگائی تھیں۔"

"تُم نے کہا تھا تُم قائل کر لو گے۔"

علیحہ کی آواز کسی کنویں سے آتی معلوم ہوئی تھی کسی آخری اُمید کی طرح کہی گئی بات تھی۔

"میں نے قائل کرنے کی کوشش کا کہا تھا جو میں نے بھر پور کی ہے۔میں بے بس ہوں مجھے بزدل کہہ سکتی ہو میں بھی خود کو کہتا ہوں کیونکہ میرے والدین میری کمزوری ہیں۔یہ ہماری آخری ملاقات ہے اُمید ہے تُم مُجھے جلد بھول جاؤ گی۔" اُس نے تیز لہجے میں کہہ کر تھک کر گہری سانس لی۔

”تُم مُجھے اور خود کو روایات کی بھینٹ چڑھا رہے ہو؟
قومیں رنگ و نسل اور نسب کی بُنیاد پر قائم ہوتی ہیں جبکہ مسلمان تو قوم ہے ہی نہیں یہ تو اُمت ہے قومیں تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی ہوتی تھیں اور وہ اُنہیں "اے میری قوم" کہہ کر پکارتے تھے۔
کیونکہ وہ کسی خاص علاقے یا قبیلے میں رہنے والے ایک نسل کے یا ایک زبان بولنے والوں کی اصلاح کے لئے آتے تھے جبکہ اسلام تو پوری دنیا کی اصلاح کے لئے بنا ہے یہ تو نسلی تناسب ختم کرنے کے لیے بنا ہے سب کو یکجا کرنے کے لئے آخرت تک سب کو جوڑ دینے کے لئے بنا ہے۔
مگر ہم رنگ و نسل کو بیچ میں لا کر خود کو اُمت نہیں بلکہ قوم ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔
”علیحہ میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔“
”پھر تُم کیوں نہیں کُچھ کرتے؟“
”نہیں کر سکتا میرے گھر والے کہتے ہیں وہ کسی کم ذات میں رشتہ نہیں کریں گے۔“
علیحہ نے نظریں اُٹھا کر تذبذب سے اُسے دیکھا۔
”تُم لوگوں کو سید ہونے کا اتنا مان کیوں ہے سید زیام شاہ؟“
وہ سید لفظ پر زور دے کر بولی تھی۔
”اُمید ہے ایک بُرا خواب سمجھ کر مُجھے بھول جاؤ گی۔“ اُس نے جانے کے لیے قدم اُٹھایا تھا۔
”میں تو خوابوں کو حقیقت بنانا چاہتی تھی۔“ وہ جھلکتی آنکھوں سے بولی۔
”مگر ہر خواب حقیقیت نہیں ہوتا۔“
”زیام تُم وہ واحد مرد ہو جِس کے بارے میں

میں نے سوچا اور اچھا سوچا اب بُرا سوچنا میرے لیے آسان نہیں ہو گا۔ تُم صرف ذات کی بنا پر مُجھے چھوڑ رہے ہو؟"

"ہاں کیونکہ تُم سید نہیں ہو اِس لیے چھوڑ رہا ہوں تُم بھول جاؤ کوئی سید زیام شاہ تمھاری زندگی میں آیا تھا اس نے تُمہیں چاہا تھا کیونکہ ہمارا ملنا نہیں لکھا تھا۔" اُس نے تیکھے تاثرات کے ساتھ کہہ کر ایک طویل سانس لی۔

"جس دِن تُم نے یہ ثابت کر دیا کہ ذات کا فرق اہم ہوتا ہے میں تُمہیں اپنا قصور وار سمجھنا چھوڑ دوں گی۔"

"میرے نزدیک ذات اہم نہیں ہے مگر اِس دُنیا میں بہت سے لوگوں کے نزدیک اہم ہے ہمارے دلائل اُن کے سامنے نہیں چلتے کیونکہ وہ سوچ نہیں بدلنا چاہتے اور ایسے لوگ کبھی نہیں بدلتے۔" زیام نے کہتے ہوئے قدم بڑھا دیئے تھے۔

"مگر زیام میں کم ذات نہیں ہوں میں بھی مسلمان ہوں تُم بھی ہو ہم میں ذات کے تفرقات اہم نہیں ہیں۔"

مگر وہ اب کی بار نہیں پلٹا تھا وہ مزید اُسے تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا وہ اُسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا وہ دِل پر پتھر رکھ کر اُسے سب کہہ چُکا تھا جس میں جذبات نہیں تھے کھوکھلا غُصہ، کھوکھلے دلائل اور کھوکھلی باتیں تھیں۔

"میں کم ذات نہیں ہوں۔"

وہ آہستہ آواز میں بولی تھی ساتھ میں اسکی سسکی کی آواز اُسکی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

قدم جم گئے تھے بس وہ اُس کے آنسوؤں کی وجہ نہیں بننا چاہتا تھا اور بن گیا تھا۔جو وہ نہیں چاہتا تھا اس کے ساتھ وہی سب ہو رہا تھا۔

احساسِ شرمندگی نے اُس کی تمام تر قوتوں کو سلب کر لیا تھا۔اُس کے آنسوؤں دیکھ کر اُس کا دِل ٹوٹ کر رونے کو چاہا تھا مگر وہ جیسے پتھر کا ہوا کھڑا تھا۔یہ بے حسی کا سبق وہ خود کو کتنی بار پڑھا کر لایا تھا مگر وہ اس کے آنسوؤں کے سامنے پگھل رہا تھا۔اُسے یقین تھا وہ مڑ کر اُسے دیکھے گا تو اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ پائے گا۔

اُسے آس پاس کی ہر چیز بے معنی لگ رہی تھی اُسے اپنے چار سال کے اِس سفر کے اختتام پر بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

لڑکے لڑکیوں کے باتیں کرتے ٹولے، ہنگامہ آرائی کرتے نوجوان اُسے سب کچھ بے معنی لگ رہا تھا اُسے اپنا آپ بے معنی لگ رہا تھا۔

وہ بت بنے وہاں کھڑا تھا اُس سے اگلا قدم نہیں اُٹھایا جا رہا تھا پیچھے کھڑی لڑکی کی سسکیاں کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح جا رہی تھیں

روحا نے اُسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا تو وہ ہوش میں آیا۔اُسے علم ہی نہیں ہوا تھا وہ کب آئی تھی اور کب سے اُسے بلا رہی تھی۔

”تُم جاؤ میں اسے سنبھال لوں گی۔“

وہ روبوٹیک انداز میں سر ہلاتا چل پڑا تھا۔

روحا نے ساتھ کھڑے آذر کو اشارہ کر کے اس کے پیچھے جانے کا کہا تھا۔ وہ زیام کے پیچھے چل پڑا تھا مگر آگے چلتا اِنسان اِس وقت ہر چیز سے بیگانہ تھا۔

”علیحہ تُم ٹھیک ہو؟“

جواب نفی میں تھا۔روحا نے گہرا سانس لیا۔

”وہ بُرا نہیں ہے صرف بے بس ہے۔“

علیحہ نے مایوسی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”یہی تو مسئلہ ہے وہ بُرا بھی نہیں ہے مگر وہ بے بس بھی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہوتا وہ بُزدل ہے۔“

””اُسے معاف کر دینا تا کہ اس کے ساتھ ساتھ تمھاری تکلیف بھی کم ہو سکے۔“

”اتنی آسانی سے تکلیف کم نہیں ہوتی۔“

اُس کی آنکھوں میں یاسیت پھیل گئی تھی۔

”علیحہ سب وقتی ہوتا ہے اور اپنی معیاد مُکمل ہونے پر سب ختم ہو جاتا ہے اچھا وقت بھی اور کڑا وقت بھی بس ہمیں اِنتظار مشکلات کے ختم ہونے کا ہوتا ہے۔

”نہیں روحا مُجھے لگتا ہے کبھی کبھی

وقت ہمیں بہت پیچھے دھکیل دیتا ہے۔

اتنا پیچھے کے ماضی اور حال ایک سا لگنے لگتا ہے۔لگتا ہی نہیں کے ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی بھی آئی ہے۔لگتا ہے ہماری زندگی میں کُچھ نہیں بدلا اور نہ ہی بدل سکتا ہے۔

علیحہ کی آواز رندھ گئی تھی بات کرتے وقت اُس سے الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔
روحا اب خاموشی سے اُس کی سُرخ ہوتی آنکھیں دیکھ رہی تھی جن سے آنسوؤں چھلک رہے تھے۔
ردِ عمل اس کی توقعات سے زیادہ تھا وہ سوچتی تھی وہ اُسے سمجھا لے گی قائل کرے گی جیسے سب کو کرنے کی کوشش کرتی ہے۔
مگر اُسے اب اندازہ ہو رہا تھا یہاں اُس کے دلائل کام نہیں آئیں گے اُسے علیحہ سے جتنی محبت تھی وہ اُس کی تکلیف نہیں برداشت کر پا رہی تھی وہ اُسے دلاسے دینے کی ہمت بھی نہیں جمع کر پا رہی تھی۔وہ جان گئی تھی یہ دو محبتوں کا معاملہ تھا یہاں دلائل نہیں چل سکتے تھے یہاں صرف صبر چل سکتا ہے جو اتنی آسانی سے نہیں آتا۔

علیحہ نے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کو دیکھا آنسو کا قطرہ اُس کی ہموار سطح پر گرا اور پھر نیچے پھسل گیا۔
"غلط کہتے ہیں کہ سیاہ پتھر کشش پیدا کرتا ہے یہ کسی کو نہیں ملوا پاتا یہ سب کچھ اپنی سیاہی کی نظر کر دیتا ہے۔"
علیحہ نے انگوٹھی اُتار کر پھینک دی تھی جوڑی ٹوٹ گئی تھی۔اتنا آسان نہیں ہوتا جوڑی بنا کر اُسے قائم بھی رکھنا روحا کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا تھا۔
اُس نے آگے کھسک کر انگوٹھی اُٹھا لی تھی اور انگوٹھے کے ساتھ شہادت والی اُنگلی میں پہن لی تھی کیونکہ وہ اُس کی اُنگلی کے ماپ کی نہیں تھی۔دونوں سیاہ انگوٹھیوں کو اُس نے با غور دیکھا تھا۔
"ہو سکتا ہے یہ پتھر کشش پیدا کرتا ہو۔

ہو سکتا ہے یہ کسی دوسرے کو بے چین رکھتا ہو آپ کی یاد دلاتا ہو۔
اِس کا کام کشش پیدا کرنا ہے پھر اِس سے کسی کے مل جانے کی توقعات کیوں رکھتے ہو۔
اگر ملاپ آپ کی قسمت میں نہیں تو اُس کی وجہ اس کی سیاہی نہیں ہے قسمت کی سیاہی ہے یا مصلحت ہے۔"

تُم مُجھ پر فلسفے نہ جھاڑو۔
وہ غصے سے کہتی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اُس کی یہاں سے ہر دلچسپی ختم ہو چُکی تھی۔
روحا نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی بس ڈبڈباتی آنکھوں سے اُس کی پُشت دیکھتی رہی تھی وہ جانتی تھی اس وقت اس کے لیے تنہائی ہی بہتر ہے۔
"دو لوگ ایک ہی بات کرتے ہیں ایک جیسی سوچ رکھتے ہیں مگر ایک نہیں ہو سکے کیونکہ اُن میں ایک بات پر اختلاف تھا کیا ایک بات پر بھی اختلاف سب ختم کر دیتا ہے؟
کیا زیام ٹھیک کہتا تھا مختلف سوچ کے لوگ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے؟"
وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔
وہ صرف دوسروں پر فلسفے نہیں جھاڑتی تھی وہ خود ایک فلسفہ تھی جس کی دوسروں کو تو کیا اکثر اُسے خود بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔

"زیام کیا ہوا ہے؟"

آذر اُس کی گاڑی میں زبردستی گھستے ہوئے بولا۔زیام اِس سے پہلے کے پیچھے کا دروازہ لاک کرتا وہ جلدی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"آذر اُترو میری گاڑی سے۔" زیام غصے سے بولا تھا مگر وہ سامنے والے پر سب بے اثر تھا۔

"کیوں اُتروں؟"

زیام کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کیونکہ یہ میری گاڑی ہے۔" برہمی سے کہا۔

"واقعی یار مُجھے تو لوہے کی لگتی تھی۔"

"اس وقت میرے ساتھ کسی قسم کا مذاق مت کرو۔"

"بتاؤ کیا ہوا ہے پھر تمھاری جان چھوڑ دوں گا۔"

"سب ختم ہو گیا۔" وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

"کیا ختم ہو گیا؟"

"میں نے علیحہ کو منگنی کا بتا دیا میں نے اُسے گنوا دیا۔میں اپنے گھر والوں کے سامنے بے بس ہو گیا میں اُس کی تکلیف کی وجہ بنا ہوں۔

میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔سید زیام شاہ تُم بے وفا ہو۔" زیام نے جھٹکے سے مڑ کر آذر کی دیکھا تھا۔وہ گاڑی سے باہر نکل رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

”میں نے کہا تھا جب تُم بات بتا دو گے تو تمھارا پیچھا چھوڑ دوں گا اور مُجھے اپنی بات پر قائم رہنا آتا ہے۔“

زیام نے گہرا سانس لیا اور گاڑی سٹارٹ کر لی۔

اُسے گاڑی چلانے میں بھی دقت ہو رہی تھی آنکھیں دھندلا رہی تھیں جنہیں وہ شرٹ کے بازوں سے رگڑ کر صاف کرتا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھا اُسے آس پاس کوئی دیکھائی نہیں دیا اور اُس نے غنیمت سمجھا کہ کوئی سوال جواب کرنے والا نہیں ہے۔

وہ واش روم میں داخل ہوتے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالنے لگا تھا۔

چہرہ جھکائے وہ متواتر چہرے پر پانی ڈال رہا تھا مگر اندر لگی آگ اِس پانی سے نہیں بجھ سکتی تھی۔

”میں بیوفا ہوں؟ نہیں تو میں تو اُس کے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچتا نہ سوچ سکتا ہوں۔میری بے بسی کو بے وفائی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔“

وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود سے مخاطب تھا۔

مستور پشت سے ہو کر چادر سے نکل کر نیچے لٹکتے کالے بال اُس کے تصور میں آئے۔سیاہ پتھر کی انگوٹھی پہنا ہاتھ نظروں کے سامنے گھوما۔

اُس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

”زیام کیا تُم اندر ہو؟“

"جی ماما۔"

زیام نے سیدہ سعدیہ کی آواز پر فوراً جواب دیا تھا۔

"کھانا لگوا رہی ہوں جلدی سے آ جاؤ۔"

وہ تولیہ چہرے پر رگڑتا ہوا باہر نکلا۔

"تُم ٹھیک ہو زیام؟ کُچھ ہوا ہے؟"

سیدہ سعدیہ اُسکی قیزل آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"کُچھ بھی نہیں۔"

وہ تشویش سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ نظریں چُراتے آگے چلنے لگ پڑا تھا۔

وہ مزید لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف نہیں بن سکتا تھا۔

ایک کنارے کی طرف سب ہار بیٹھا تھا اب دوسرے کنارے پر کھڑے رہنا چاہتا تھا۔

وہ بیٹا ہوتے ہوئے ایک بار پھر اپنے والدین کا مان رکھ گیا تھا وہ اچھی اولاد ثابت ہو گیا تھا۔

مگر اچھا اِنسان ہونے میں اُسے شبہ تھا۔

....

"علیحہ چُپ کر جاؤ تمہیں اِس طرح دیکھ کر میرا دِل بیٹھے جا رہا ہے۔نسرین بیگم کو اُس کی حالت دیکھ کر صیحح معنوں میں تشویش ہو رہی تھی۔

"امی غلطی میری ہی ہے میں کسی کو سہارا بنا کر خوشیوں کی طرف بڑھنا چاہتی تھی۔

میری سوچ غلط تھی مجُھے خود مضبوط بننا چاہیے تھا تا کہ ایسا کُچھ بھی میری زندگی میں ہو میں کمزور نہ پڑوں۔عورت پتہ نہیں کیوں مرد کو بیساکھی بنا کر چلنے لگتی ہے حالانکہ اُسے اِس بیساکھی کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اِس کے بغیر بھی چل سکتی ہے بلکہ زِندگی کی بھیڑ میں اکیلے دوڑ بھی سکتی ہے۔بس اُسے اپنا سہارا صرف اپنی ذات کو سمجھنا چاہیے۔

اب میں اپنے سہارے پر چلنا چاہتی ہوں کسی کو بیساکھی بنا کر چلوں گی تو ہر لمحے گر جانے کے خدشات ساتھ ہونگے۔"

"علیحہ اب کیا کرو گی؟"

نصرین بیگم فکر مند لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"سید زیام شاہ کو بھلانے کی کوشش۔یہی کہا ہے اُس نے اور میں اُس کی بات مانوں گی۔" اُس نے قطعی لہجے میں کہا۔

امل سرمئی ٹائلوں سے بنے فرش پر نظریں جمائے سُست قدم اٹھاتی چلی آ رہی تھی جب کسی نے اُس کی آنکھوں کے سامنے سفید کپڑا لہرایا تھا۔اُس نے بوکھلا کر سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا جو

کپڑے کو مٹھی میں بند کرتے کر چکا تھا اور اب خالی مٹھی اُس کے سامنے کیے کھڑا تھا۔امل اس کے اچانک سامنے آنے کی وجہ سے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف ہی نہیں کر پائی تھی۔وہ نم آنکھوں سے سامنے موجود شخص کو دیکھ رہی تھی جس نے چہرے پر پُر اسرار مسکراہٹ والا ماسک لگایا ہوا اور آنکھیں جیسے اُس پر ٹھہر گئی تھیں۔وہ ساکت کھڑا تھا کرسچنبرگ پیلس کے سامنے نصب کیے گئے مجسمے کی مانند ساکت۔۔۔

وہ اُس کی نم آنکھوں میں دیکھ رہا تھا امل نے لحظے بھر کو جارج کی لاجوردی آنکھیں میں دیکھا پھر سر جھکائے قدم بڑھا دیئے۔وہ نظروں کے سامنے سے ہٹی تو طلسم ٹوٹا۔جارج اُسے جاتا دیکھتا رہا وہ محل کے اندر جا رہی تھی۔چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر اُس کے پیچھے چلنے لگا۔وہ اُسے شکل سے کوپن ہیگن کی رہائشی نہیں لگی تھی۔کہاں کوپن ہیگن کے آزاد فضا کے رنگوں کے دیوانے لوگ کہاں وہ چہرے کے گرد سیاہ حجاب لپٹے ہوئی روئی آنکھوں والی لڑکی۔۔۔

اُس کا ارادہ ٹوور گائیڈر بننے کا تھا۔اُسے یقین تھا وہ کرسچنبرگ پیلس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو گی جانتی بھی ہوئی تو اس سے زیادہ نہیں جانتی ہو گی۔اُسے خود پر اتنا یقین تو تھا کہ وہ ایک اچھا کرتب باز ہونے کے ساتھ ایک اچھا ٹوور گائیڈر بھی بن سکتا تھا۔

امل نے سر اٹھا کر دو تاجوں سے سجے محل کے مینار کو دیکھا۔

”یہ ایک مشاہداتی ڈیک ہے جہاں سے آپ پورا کوپن ہیگن دیکھ سکتے ہیں۔“ اُسے اپنے عقب سے آواز آئی تو مڑ کر دیکھا وہی ماسک والا کرتب باز کھڑا تھا۔

"سلوٹشولیمن میں یہ وہ جگہ تھی جو کرسچنبورگ کی شاہی رہائش گاہ کی تعمیر کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ آج یہاں سرکاری استقبال کیا جاتا ہے۔قلعے کے امتیاز کی انفرادیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ ملک کی تین طاقتیں ایک عمارت میں مرتکز ہیں۔ قانون ساز، ایگزیکٹو اور عدالتی۔بہت سے ہال ڈنمارک کی پارلیمنٹ چلاتے ہیں۔فولٹنگ، اس کے علاوہ ، محل وزیر اعظم کے دفتر میں ہے، اور سپریم کورٹ کا انعقاد ہوتا ہے۔" وہ اسے محل کے بارے میں بتانا شروع کر چکا تھا اُسے خود کو امل کے سامنے ایک اچھا ٹوور گائیڈر ثابت کرنا تھا۔

مگر وہ غلط تھا وہ اس کے سامنے ایسا ثابت نہیں کر سکتا تھا وہ اُسے دیکھتے ہی اُس کے سگنیچر ماسک سے پہچان گئی تھی کہ وہ کوپن ہیگن کا مشہور کرتب باز جارج اولیور تھا۔اُس کے تین چار شوز میں تو وہ ابراہیم کے ساتھ جا بھی چکی تھی کیونکہ ابراہیم کو کرتب بازی میں دلچسپی تھی۔

وہ محل کے احاطے میں داخل ہو گئے تھے۔احاطے کو پینٹنگز ، ٹیپیسٹریس ، تاریخی اور فنکارانہ قدر کے مجسموں سے سجایا گیا تھا۔آپریٹنگ شاہی اصطبل، شاہی گاڑیاں، قدیم ہتھیاروں اور شاہی کپڑے کو نمائش کے لیے رکھا گیا تھا۔عین سامنے کیسل چیپل رکھی گئی تھی جو تاج پوشی کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔

وہ اب قلعے سے منسلک باغ کی طرف جا رہی تھی۔جارج اس کے پیچھے لپکا۔

"قلعے کے احاطے میں آس پاس کی نہروں کی کل لمبائی 2 کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ قلعہ آٹھ پلوں کے ذریعہ سے کوپن ہیگن سے منسلک ہے۔" وہ پھر سے بولنا شروع کر چکا تھا۔امل نے مڑ کر بیزاری سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں یہ سب جانتی ہوں۔میں کرسچنبرگ پیلس، کوپن ہیگن کے سیاحتی مقامات اور ڈنمارک کے بارے میں بھی آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔مجھے اگر کُچھ جاننے کی ضرورت ہوتی بھی تو میں کسی کرتب باز سے ٹوور گائیڈر والی خدمات نا لیتی۔" وہ ناگواری سے کہتی چل پڑی تھی اس بار وہ امل کے پیچھے نہیں چلا تھا۔وہ سوچ رہا تھا وہ اس کے بارے میں اور کوپن ہیگن کے بارے میں سب کیسے جانتی تھی۔کیا وہ وہاں کی رہائشی تھی؟ تھی تو لگتی کیوں نہیں تھی۔وہ شانے اچکاتے مڑا۔اب وہ اتنی بھی اہم نہیں تھی کہ جارج اولیور جیسا کسی کو منہ نا لگانے والا شخص اُس کی پیش قدمی ہی کرتا رہتا۔

~~

"میں نے کہا نہ مُجھے یہی ڈریس چاہیے۔"

"دیکھیں میم وہ پہلے خرید چُکی تھیں اب آپ اِن ہی سے بات کر لیں۔"

دکاندار مسلسل اُس کے ایک ہی بات کہنے سے بیزار ہو چکا تھا۔عینی نے اپنے سامنے سینے پر ہاتھ باندھے سنجیدہ چہرہ لیے کھڑی عورت کو دیکھا۔اُس کے چہرے کی ناگواری دیکھ کر عینی نے تھوک نگلا اور چہرہ سیدھا کر لیا۔

اُسے کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ سخت مزاج عورت پر اُس کی بات کا اثر ہو رہا ہے۔

اُس کی اِس حرکت سے کسی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔وہ مال میں خریداری کے لئے آیا تھا۔مگر دکان میں سے آنے والے شور کی آواز پر اُس طرف متوجہ ہوا اور عینی کی بچگانہ حرکتیں دیکھنے رک گیا تھا۔

"آپ اِن سے کہہ دیں یہ ڈریس مجھے دے دیں پلیز۔۔" عینی نے التجائیہ انداز اپنایا۔

"سوری میم ہمارے لیے سب خریدار برابر ہیں ایسے مسئلوں میں ہم دخل اندزی نہیں کرتے۔"

"لیکن یہ مُجھے بہت اچھا لگا ہے۔"

"آپ کو اچھا لگنا ہمارا مسئلہ نہیں ہے آپ یہاں سے کوئی اور دیکھ لیں سب معیاری ہیں۔"

عینی نے بات بنتی نہ دیکھ کر منہ بسورا۔

"دیکھیں آنٹی پلیز آپ مجھے یہ۔۔"

اور پیچھے مڑنے پر اُس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے کیونکہ آنٹی سوٹ سمیت غائب تھیں۔

"ڈیم اٹ۔۔" وہ دکاندار کو غصلیں نظروں سے دیکھتی باہر نکلی۔

وہ دکانوں پر نظریں جمائے چل رہی تھی اور نقیب اُس کی پیش قدمی کر رہا تھا۔وہ اُس سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔

ایک دکان کے سامنے وہ رکی اور دکان کے شیشوں سے جھانکنے لگی۔نقیب بھی اندر جھانکنے لگا۔

عینی پیچھے کسی کی موجودگی محسوس کرتے مڑی تو پیچھے اُسے دیکھ کر چونکی۔

پھر اگلے لمحے سنبھل کر اُسے نظر انداز کرتی دوبارہ اندر نظر دوڑانے لگی۔

نقیب نے اشارہ کیا تو وہ اُس کی اُنگلی کے اشارے پر حیران سی پیچھے مڑی۔

”آپ کیسے اشارے کر رہے ہیں؟“

عینی اب کی بار غضب ناک تاثرات کے ساتھ مڑی تھی۔

”میں۔۔؟ نہیں میں تو۔۔“

”کون ہیں آپ اور میری طرف کیوں اشارے کر رہے ہیں؟“

”لیکن میں نے تو۔۔؟“

”دیکھیں آپ جو بھی ہیں میرے ساتھ یہ چھچھور پن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیا آپ واقعی مُجھے نہیں جانتیں؟“ نقیب نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ جس سلطنت کے شہزادے ہیں میں واقعی اُس سے بے خبر ہوں۔“

”مُجھے تو آپ اپنی آس پاس کی دُنیا سے بھی بے خبر لگتی ہیں۔“

”انتہائی غیر مہذب اِنسان ہیں آپ۔۔“ عینی نے اُنگلی اٹھاتے تیوری کے ساتھ اُسے کہا۔

”اور آپ وہ واحد لڑکی ہیں جو اتنے غیر مہذب انداز میں مُجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔“

”پکاؤ اِنسان۔۔“ وہ پیر پٹختی چل پڑی۔

وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے وہیں کھڑا رہا وہ جانتا تھا وہ ابھی پلٹے گی۔

وہ چند قدم آگے بڑھی تھی کہ واپس پلٹی۔

وہ مسکراہٹ چہرے پر لیے کھڑا تھا جو عینی کو طنزیہ مسکراہٹ لگی تھی۔

عینی نے اُس کے پاؤں کے پاس پڑے اپنے شاپنگ بیگز دیکھے اور جھپٹ کر اُٹھا لیے جو وہ غصے میں اٹھانا بھول گئی تھی مگر نقیب وہ دیکھ چُکا تھا۔

”ویسے میں آپکی طرف اشارے نہیں کر رہا تھا میں وہ سامنے کھڑے ڈریس کی طرف اشارہ کر رہا تھا یہ ویسا ہی جیسا آپ کو پچھلی دکان پہ پسند آیا تھا اور آپ کو ضد کرنے کے باوجود بھی نہیں ملا تھا۔“

عینی نے اُس کے اشارے کے مطابق سامنے دیکھا وہ واقعی ویسا تھا۔وہ شرمندہ ہوئی تھی مگر ظاہر نہیں کروانا چاہتی تھی۔

”آپ میرا پیچھا کر رہے تھے؟“ اُس کے اگلے الزام پر نقیب نے مٹھیاں بھینچیں۔

”اب آپ پھر مجھ پر بلاوجہ الزام لگا رہی ہیں۔

میں شاپنگ کرنے ہی آیا تھا مگر آپ کی حرکتوں نے مجھے وہاں رکنے پر مجبور کیا۔“

”خیر آپ کا شُکریہ۔۔“ وہ ناک سے مکھی اُڑاتے بولی۔وہ اپنے انداز سے قطعاً مشکور نہیں لگ رہی تھی۔”میں سید نقیب شاہ۔۔“

نقیب نے اُسے جاتا دیکھ کر فوراً اپنا ہاتھ اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے تعارف کروایا۔

عینی چند لمحے اُس کے ہاتھ کی جانب دیکھتی رہی پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

”میں سیدہ قرۃالعین شاہ۔۔“

اِس تعارف پر نقیب کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

”ویسے سب عینی کہتے ہیں۔“

”میں بھی کہہ سکتا ہوں؟“

”ہرگز نہیں۔“

نقیب نے اُس کے انداز پر مسکراہٹ دباتے شانے اچکائے۔

وہ دکان کے اندر چلی گئی تھی نقیب چند منٹ اُسے کھڑا دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔

"عینی رکو۔۔"

عینی گاڑی میں بیٹھنے لگی تو کسی کے پکارنے پر رکی۔وہ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر مسکرائی۔

"کیسے ہو آذر؟"

"ٹھیک ہوں۔" آذر ہانپتا ہوا آیا اور اس کی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تُم پارٹی پر کیوں نہیں آئی۔"

"ہاں بس کُچھ لوگوں کو الوداع کرنا مُشکل ہوتا ہے۔" عینی کا چہرہ ایک دم سے بجھا۔

"مُجھے گھر جانا ہے اور میری گاڑی خراب ہو گئی ہے تو کیا تُم مُجھے گھر چھوڑ دو گی؟"

آذر نے کھڑے کھڑے جھوٹ گھڑا تھا۔

"پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تُم ہمیشہ کی طرح بغیر اجازت کے گاڑی میں گھس کر بیٹھ سکتے ہو۔" اُس نے خوش دلی سے حامی بھری۔

"شُکریہ۔۔" آذر نے سر خم کیا۔

"میں ابھی آیا بس۔۔"

"ٹھیک ہے میں اِنتظار کر رہی ہوں۔"

"زیام کے بچے آ کر گاڑی سنبھالو گاڑی میں چابی رکھ کر جا رہا ہوں فوراً باہر آؤ۔" آذر اُس کے کال اٹھاتے ہی حکم جھاڑنے لگا تھا۔

"میں سید معین شاہ اور سیدہ سعدیہ کا بچہ ہوں۔"

"جس کے بھی ہو۔" زیام کی مزید سنے بغیر اس نے کال کاٹی اور عینی کی گاڑی کی طرف بڑھا۔

زیام اُس کے جواب پر حیرت زدہ سا موبائل کی سکرین دیکھ رہا تھا۔

"عجیب اِنسان ہے آتا کسی اور کے ساتھ ہے اور جاتا کسی اور کے ساتھ ہے۔"

آذر نے اُسے یہ کہہ کر اندر بھیجا تھا کہ وہ گاڑی پارک کر کے آتا ہے مگر وہ اندر آنے سے پہلے ہی غائب ہو گیا تھا۔

اُس کی حرکتیں کوئی بغور دیکھ رہا تھا اور اندر تک جل رہا تھا۔

"جھوٹا اِنسان ہر کسی پر قبضے جمائے پھیرتا ہے۔"

نقیب اُسے عینی کے ساتھ بیٹھتا دیکھ کر دانت پیس کر رہ گیا تھا۔اُس نے کھڑے کھڑے آذر احتشام آفندی کو اپنے ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست میں شامل کرتے سرفہرت رکھا تھا۔مگر وہ اسے اپنی اِس فہرست میں زیادہ عرصہ نہیں رکھ سکتا تھا آذر آفندی کب پسندیدہ بنتا تھا سامنے والے کو بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

"ہم نے تمہیں بہت مس کیا۔"

"زیام نے بھی؟" عینی کے سوال پر افسردہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔

"وہ پارٹی میں رکا ہی نہیں تھا۔"

کیوں؟"

"اُس کے لیے بھی کسی کو الوداع کرنے میں مُشکل ہو رہی تھی۔"

"کسے؟"

"علیحہ کو۔۔"

"کیا مطلب علیحہ کو کیوں؟" عینی نے تعجب سے گردن موڑ کے اُسے دیکھا۔

"اُس نے فاطمہ سے منگنی کر لی ہے۔"

عینی کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔لحظے بھر کو گاڑی میں خاموشی چھائی۔

"لیکن وہ تو علیحہ سے محبت کرتا ہے۔تم نے خود تو بتایا تھا وہ اسی سے شادی کرے گا اور فاطمہ اُسے پسند نہیں۔"

"تمھیں تو پتہ ہے سیدوں کے خاندان میں شادی کے مسئلے۔۔"

"اُسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ مجبور تھا۔"

عینی کے ماتھے پر شکنیں پڑیں۔

"اگر میرے گھر والے ذات کو بیچ میں لاتے تو میں ضرور اُن کے خلاف کھڑی ہوتی غلط ماں باپ بھی ہو تو بتانا چاہیے تاکہ اُنہیں احساس ہو کہ اُن کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے خلاف آواز اٹھانا جُرم نہیں ہے۔خیر اب کیسا ہے وہ؟"

"مجنوں بنا پھرتا ہے۔"

"پتہ نہیں کیوں وہ ایسے کرتا ہے غلط کرنے کے بعد مانتا نہیں ہے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے۔"

"اب تو وہ مان رہا ہے۔"

"غلطی مان لینے والے اُس میں تصحیح بھی کرتے ہیں صرف شرمندگی اہم نہیں ہوتی۔

"تُم تو سید تھی پھر ایسا کیوں کیا؟ تُم فاطمہ سے اچھا انتخاب ثابت ہوتی۔" اُس نے خفگی سے آذر کی جانب دیکھا۔

اُس کا نرم گرم تاثر آذر کو بتا گیا تھا کہ بات اُسے پسند نہیں آئی۔

"آذر میں سید ہوں مگر یہ ٹیگ لگا کر نہیں پھرنا چاہتی میں نہیں چاہتی کہ اگر میں سید گھرانے میں پیدا ہوئی ہوں تو سب کو بتاتی پھیروں تا کہ میری عزت و تعظیم کی جائے اِس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ مُجھ پر اللہ کی رحمت ہے اور اُس کا چرچا نہیں کر سکتی۔"

"تُم زیام کو بتا سکتی تھی یہ چرچا کرنے والی بات نہیں تھی۔"

"آذر وہ سید تھا میں اِس لئے صرف اُس کے آگے پیچھے نہیں ہوتی تھی وہ سید نہ بھی ہوتا تو مُجھے مسئلہ نہ ہوتا مگر مسئلہ یہ تھا اُسے مُجھ سے محبت تو کیا مُجھ میں دلچسپی بھی نہیں تھی۔میں یک طرفہ محبت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔"

"دلچسپی اُسے فاطمہ میں بھی نہیں ہے اور فاطمہ کو بھی اُس میں نہیں ہے۔"

"مُجھے جب پتہ چلا کہ وہ علیحہ سے محبت کرتا ہے تو میں نے فیصلہ کر لیا تھا پیچھے ہٹنے کا میں نے سوچا تھا اُسے خوش رہنا چاہیے مگر وہ اپنی محبت کی قدر بھی نہیں کر سکا۔

وہ اور فاطمہ ہی اکھٹے رہ سکتے ہیں جو محبت کو پا سکتے ہو لیکن نہ پا سکیں وہ بد قسمت ہوتے ہیں اور دو بد قسمت لوگ شاید ایک دوسرے کے لئے خوش قسمت ثابت ہو جائیں۔"

"تُم تلخ ہو رہی ہو۔"

آذر کو حیرت ہوئی تھی وہ اتنے سالوں سے اُسے جانتا تھا وہ کسی کے بارے میں ایسے بات نہیں کرتی تھی۔

"تلخ نہیں ہو رہی حقیقت پسند بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"تُم پہلے جیسی ہی اچھی تھی۔"

"نہیں میں نے لوگوں کو بہت سے مقامات پر ٹھیک سے نہیں سمجھا کیوں کہ میں اُنہیں جان ہی نہیں پائی۔میں نے اچھے نقطے نظر سے بھی لوگوں کو دیکھا ہے مگر اِس طرح اُن کی فطرت نہیں بدل سکتی میری اچھی سوچ سے وہ اچھے نہیں بن سکتے۔بلکہ وہ میری اچھائی کا فائدہ اٹھا جاتے ہیں مجھے بیوقوف سمجھ کر مجھ پر ہی بُرے ہونے کا ٹیگ لگا دیتے ہیں۔"

"تُم ایسا زیام کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہو؟"

آذر نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا جیسے جواب خودی تلاش کر رہا ہو۔

"میں سب کے بارے میں کہہ رہی ہوں میری زندگی میں وہ واحد اِنسان نہیں ہے بلکہ تھا اب وہ کہیں بھی نہیں ہے۔" اُس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"اسے معاف کر دینا۔اُس کی بے چینی کی وجہ مُجھے سمجھ آ رہی ہے اُس نے بہت لوگوں کو تکلیف دی ہے اُسے سکون اتنی آسانی سے نہیں ملے گا۔مگر اُس نے تُمہیں محبت کرنے کو نہیں کہا تھا نہ کبھی کوئی اُمید دلائی وہ اتنا قصوروار نہیں ہے جتنا تُم اُسے ٹھہرا رہی ہو۔"

"تمھارا گھر آ گیا ہے تُم جا سکتے ہو۔"

آذر نے اُس کی ناگواری محسوس کر لی تھی اُسے اِس لڑکی میں واضع فرق نظر آیا تھا۔

عینی نے اس کی خود پر جمی نظروں کو محسوس کرتے اُس کی جانب دیکھا۔
”بدلنے والے انسان کی تبدیلی کو قبول کرنا مُشکل ہوتا ہے۔“
وہ سنجیدہ تاثرات کے ساتھ کہتا ہوا گاڑی سے باہر نکل گیا۔
عینی اُسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔انہوں نے چار سال ساتھ گزارے تھے اُن کے درمیان اچھی خاصی دوستی تھی۔کبھی کسی نے ایک دوسرے سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔
وہ مجبور ہو رہی تھی سوچنے پر کیا وہ واقعی بدل گئ تھی۔جس شخص کے پیچھے اُس نے چار سال برباد کر دیئے تھے وہ اُس کے بارے میں اس لہجے میں بات کر گئ تھی۔
جس کے ساتھ اُس کی اتنی اچھی دوستی تھی اُس کے لیے ناگواری دیکھا رہی تھی۔
تو کیا واقعی وہ سب بھلانے لگی تھی۔
کیا واقعی وہ سید زیام شاہ کو ذہن سے کرید کر نکالنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔
اُس نے پُشت سے سر ٹکا لیا تھا ابھی خود کی تبدیلی کے بارے مزید سوچنا تھا۔ابھی خود کو سمجھنے میں وقت درکار تھا۔

......

وہ کتاب میں سر گرائے بیٹھا تھا جب دروازہ کھلنے کی آواز پر ترچھی نظر کر کے دروازے کی جانب دیکھا اور اگلے لمحے دھیان پھر کتاب کی طرف ملبوز کر لیا۔
”کہاں گُم ہو مریان لکھانی؟“

ہمدان رؤف کے آنے کی اطلاع اُسے ملازم پہلے ہی دے چکا تھا۔
مگر وہ اُس کے لیے میزبانوں کی طرح رسمی ملاقات کے لیے تیار نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا وہ اُس پر طنز کے نشتر برسانے ہی آیا ہے۔
"تمھیں آرام کرنے کے لیے مئیر کی سیٹ نہیں دی گئی۔ یہاں بیٹھ کے کون سی سیاست کرنا چاہتے ہو؟ ویسے تو تمھیں انسانی ہمدردی کا بڑا شوق ہے۔" اُن کے ابتدائی الفاظ ہی مریان کی توقعات کے عین مطابق تھے۔
"یقیناً آپ یہاں میری انسانی ہمدردی کو جگانے نہیں آئے ہونگے۔" مریان بیزاری سے بولا تھا۔
"ہاں تُم سے کام تھا دبئ آیا ہوا تھا تو سوچا ملاقات کرتا جاؤں۔"
"جی بولیں۔۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کتاب پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔
"یہ جو تُم نئے اپارٹمنٹس بنوا رہے ہو اِن کا کیا کرو گے؟"
"آپ جانتے ہیں میں کیوں بنوا رہا ہوں اور کیا کروں گا۔ آپ اصل بات پر آئیں۔" اُس کا تیکھا لہجہ ہمدان رؤف کے چہرے سے مسکراہٹ غائب کر گیا تھا۔
"تو تُم منہ بولی قیمت پر مُجھے کیوں نہیں دے دیتے۔"
"آپ کیا کریں گے؟"
"ظاہری بات ہے بیچوں گا۔اس پر انویسٹمنٹ کروں گا چند سالوں بعد دوگنی قیمت پر بیچوں گا۔ جگہ بہت کمال کی ہے ہر لحاظ سے بہترین ویسے بھی وہ لوگ اتنے خوبصورت علاقے میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"میں نے آپ سے پوچھا کون کس کے قابل؟" اُس نے بھنویں اوپر چڑھائیں اور تنک کر بولا۔

"مریان تُم۔۔" میری بات مُکمل ہونے دیں۔

اُس نے ہاتھ کھڑا کرتے ہمدان رؤف کی بات کاٹی۔

"آپ لوگ پیسے کے پیچھے بھاگتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں؟ پیسوں کے ڈھیر جما کرتے اُکتاتے نہیں ہیں؟ یہ میرے باپ کی دی گئی جگہ ہے میں اس پر اپنے پیسے خرچ کر رہا ہوں آپ کو میرے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تُم بہت بد لحاظ ہو۔" مریان کے مسلسل اکھڑے لہجے کی وجہ سے ہمدان رؤف کے ضبط کی تابنے ٹوٹنے کو تھیں۔

"نہیں ابھی میں نے آپکا لحاظ کرتے ہوئے آہستہ آواز میں بات کی ہے۔"

"آپ مزید کُچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ جانتا تھا ہمدان رؤف جیسا بندہ اُس کے پاس صرف ایک کام لے کر نہیں آ سکتا۔

"ہاں یہ تمھارے حصے کے پیسے ہیں۔"

مریان نے میز پر پڑے نظر خاکی رنگ کے پھولے ہوئے لفافے پر ڈالی مگر ہاتھ آگے نہیں بڑھائے۔

"یہ کس چیز کا حصہ ہے؟" انتہائی بے پروائی سے پوچھا گیا۔

"وفاق کی طرف سے اچھی خاصی رقم دی گئی ہے اور سب کا حصہ ہے تو کراچی کے مئیر کا حصہ بھی بنتا تھا۔"

ماتھے پر شکنیں نمایاں ہوئی تھیں وہ اُن کی بات سمجھ چکا تھا۔

”دیکھیں ہمدان صاحب یہ پیسے ہمیں اپنے لیے نہیں دیئے جاتے کہ ہم اِس میں حصہ داری کریں۔
یہ غریب عوام کی خدمت کے لیے ہوتے ہیں اُن کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے دیئے
جاتے ہیں نہ کے ہماری جیبوں کو مزید وزنی کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔میرے اوپر عوام کا ایک روپیہ
بھی حرام ہے۔ہمارے لیے ہمیں دی جانے والی تنخواہ کافی ہوتی ہے۔“

ہمدان رؤف کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

مریان نے گہرا سانس لیا وہ جانتا تھا ایسے لوگ اتنی آسانی سے دوسرے کا موقف نہیں سمجھ سکتے اور
اگر بات ان کے خلاف ہو تو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

”مریان تمھارا دماغ ٹھکانے پر ہے؟

جتنی تنخواہ مُجھے دی جاتی ہے اتنے کا تو میں یہ پینٹ کوٹ پہن کر بیٹھا ہوں۔اور تُم کہہ رہے ہو وہ
کافی ہے۔“ وہ دوبارہ سے گردن پھینک کر ہنسے تھے۔وہ مریان کی بات سے خاصے محظوظ ہوئے تھے۔

مریان نے ایک نظر اُس کے دولت کی نمائش کرتے حلیے پر اور دوسری خود پر ڈالی سفید ٹی شرٹ
اور نیچے تین سال پرانی جینز پہنے وہ پُر سکون بیٹھا تھا نہ کہ سامنے بیٹھے شخص کی طرح برینڈز کے پیچھے
بھاگتا پھرتا تھا۔

اُس نے برینڈز پر کبھی دھیان نہیں دیا تھا وہ عام لوگوں جیسی زندگی گزارتا تھا وہ خود کو خاص نہیں
مانتا تھا۔

”تمھاری یہ حرکتیں تُمہیں مروائیں گی۔“

”آپ میری بات نہیں سمجھ سکتے۔“ مریان نے تاسف سے سر جھٹکا۔

”کیوں نہیں سمجھ سکتا؟“

”کیونکہ آپ میری بات سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں آپ بس چاہتے ہیں میں دلائل دے کر اپنی طاقت ضائع کروں۔“

ہمدان رؤف نے حیرت سے اُسے دیکھا تھا وہ صرف اُس سے بحث کرنا چاہ رہے تھے اُس کی بات ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔وہ کیسے اُن کے ارادے بھانپ جاتا تھا۔

”تو اِن کا کیا کروں؟“

اُنھوں نے میز پر پڑے لفافے کی طرف اشارہ کیا۔

”یہیں رکھ دیں میں جانتا ہوں ان کا استعمال کہاں کرنا ہے اور آپ پر تو ہر گز اعتبار نہیں کر سکتا۔“

”مریان تُم لائن پر آ جاؤ ورنہ تُمہیں سیاست کی پٹڑی سے اُتار دوں گا۔“ ہمدان رؤف کا انداز تنبیہہ تھا۔

”آزما کر دیکھ لیں پہلے بھی تو آپ یہ کوشش کر چکے ہیں۔“

”مجُھے چیلنج کر رہے ہو؟“

”نہیں حقائق بتا رہا ہوں۔“ اُس کی سادہ روئی اُنہیں سلگا گئی تھی۔

”اپنے حقائق اپنے پاس رکھو اور میں تمہارا کوئی غلام نہیں ہوں جس طرح تُم مُجھ سے بات کر رہے ہو تم انتہائی گھٹیا اِنسان ہو۔“

”اگر بُرے لوگ آپکو بُرا سمجھتے ہیں اس کا

مطلب ہے آپ اچھے ہیں۔"

"تُم اپنی پارٹی کے لوگوں کو بُرا کہہ رہے ہو؟"

"میری عوام اور میرے ملک کے خلاف جو کام کرے گا میں اُس کے خلاف ہی کھڑا ملوں گا۔"

"تُم اپنا حشر دیکھ کر خوف زدہ ہو گے اور کہو گے کہ تُم غلط جگہ آئے یہاں تمھارے جیسے لوگوں کا کوئی کام نہیں۔"

"یہاں تُم جیسے لوگوں کا بھی کوئی کام نہیں جن کے نزدیک انسانوں سے زیادہ اِن کاغذ کے ٹکڑوں کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔" وہ آپ سے تُم پر آ گیا تھا۔

"تُم اِن الفاظ کے بدلے اپنے انجام کا اِنتظار کرو۔"

ہمدان رؤف زہر خند لہجے میں کہتا جانا لگا پھر ایک لمحے کو رک کر اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب پر نظر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

مریان سر جھٹکتے دوبارہ کتاب میں محو ہو چکا تھا۔

وہ سیاست میں آنے سے پہلے اپنے سارے انجام سوچ کر آیا تھا کسی کو دوبارہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اِس تلخ کلامی کے بعد اُس نے ہمدان رؤف کی صورت میں اپنا سب سے بڑا دشمن پال لیا تھا۔

شہر میں ہیں اس کے دشمن بہت

لگتا ہے آدمی کوئی اچھا ہے

....

علیحہ برگد کے پیڑ کی نیچے جھکتی شاخیں ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔کسی سے پہلی ملاقات دماغ میں گھوم رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

علیحہ نے سر جھٹکا جیسے ابھی وہ سوچوں سے نکل جائے گا۔

"ہاں جانتا ہوں اِس کے پہننے پر میرا تُم پر حق قائم ہو جائے گا"

آواز اُس کے کانوں میں گونجی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگی تھیں۔

وہ اتنے دنوں سے اِن آوازوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی۔وہ کہیں خود کو بھی قصور وار مان رہی تھی اُس نے اسے اتنی آسانی سے اُسے جانے دیا تھا سب کچھ ختم کر لیا تھا۔

روحا ہاتھ میں سینڈوچز کی پلیٹ پکڑے اُس کے پاس بیٹھی وہ اُس کی آنکھوں کی نمی دیکھ چُکی تھی جو اُس کے آتے ہی علیحہ نے صاف کر لی تھی۔

مگر وہ یکسر نظر انداز کر گئی تھی وہ بار بار وہی بات کر کے اُس کے لیے زیام کو بھلانے کا سفر مزید مُشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔

"میں مزید تین سال یہاں کیسے رہ پاؤں گی؟

میں یہاں رہی تو وہ شخص میرے ذہن سے نہیں نکلے گا۔" علیحہ سر جھکائے بے بس سی شاخیں تکتے پوچھ رہی تھی۔

”ایک وقت آتا ہے سب بدل جاتا ہے ہماری زندگی میں کسی بھی شخص کا مقام ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔“

”میں فلحال اذیت میں ہوں۔“ اُس نے شاخوں سے نظریں ہٹا کر اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی پر جما لیں۔

”علیحہ وہ تمھاری قسمت میں نہیں تھا۔“

”تُم کہتی ہو نہ اگر کبھی دُنیا گھوم گئی اور آسمان پلٹ گیا تو شاید ہم مل جائیں۔

تو میں ایسا کر کے دیکھاؤں گی۔“

علیحہ تُم جذباتی ہو رہی ہو۔

”میں اُس کے معاملے میں جذباتی ہی ہوں۔“

”اِس طرح تم اُسے کبھی نہیں بھلا سکتی تُم اسی تکلیف میں رہو گی۔“

”میں اُسے بھلانا نہیں چاہتی میں اُسے بھلا نہیں سکتی۔“

”سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟“

”ہاں میں سب جانتی ہوں پھر بھی کہہ رہی ہوں میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔یہ یکطرفہ محبت نہیں تھی مگر اب یکطرفہ چاہ بن گئی ہے۔“ اُس نے اعتراف کیا تھا۔

”یکطرفہ چاہ یکطرفہ محبت سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔“

”میں نے صرف ایک مرد کے بارے میں سوچا ہے کسی دوسرے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔“

”تُم قسمت پر کیوں نہیں چھوڑ دیتی؟“

"پھر کیا قسمت بدل جائے گی؟" ہونٹوں کو زخمی مسکراہٹ نے چھو لیا۔

"نہیں۔۔لیکن قسمت کو قبول کرنے میں تمہیں آسانی ہو گی۔"

"میں مشکلات کی عادی ہوں مُجھے آسانی نہیں چاہیے۔" روحا نے پلک جھپکا کر غور سے اُسے دیکھا۔

"وہ تُمہیں ٹھکرا کر گیا ہے اُس نے تمھاری سسکیاں سن کر مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔"

"مگر وہ آگے بھی نہیں بڑھ پایا تھا مُجھے پتہ ہے وہ جھوٹا غُصہ تھا جھوٹ بول کر گیا ہے اور تُم بھی مُجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔تُم چاہتی ہو میں اُسے بھول جاؤں وہ چاہتا تھا میں اُسے بھول جاؤں مگر میں اسے نہیں بھول سکتی۔میری فطرت ہے میں چزیں، لوگ اور جذبات اتنی آسانی سے نہیں بدل سکتی۔" وہ پھر سے آنسوؤں بہانے لگی تھی۔اُس کی آنکھیں ساون بھادوں بن گئی تھیں۔روحا دم سادھے اُس کی حالت دیکھ رہی تھی۔

پوچھنے والے تجھے کیسے بتائیں آخر
دکھ عبارت تو نہیں ،جو تجھے لکھ کر بھیجیں
یہ کہانی بھی نہیں ہے کہ سنائیں تجھ کو
نہ کوئی بات ہی ایسی کہ بتائیں تجھ کو
زخم ہو تو تیرے ناخن کے حوالے کر دیں
آئینہ بھی تو نہیں ہے کہ دکھائیں تجھ کو
تو نے پوچھا ہے مگر کیسے بتائیں تجھ کو

یہ کوئی راز نہیں جس کو چھپائیں تو وہ راز
کبھی چہرے کبھی آنکھوں سے چھلک جاتا ہے
جیسے آنچل کو سنبھالے کوئی اور تیز ہوا
جب بھی چلتی ہے تو شانوں سے ڈھلک جاتا ہے
اب تجھے کیسے بتائیں کہ ہمیں کیا دکھ ہے
جسم میں رینگتی رہتی ہے مسافت کی تھکن
پھر بھی کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے حالات کا بوجھ
اپنے قدموں سے ہٹاتے ہوئے سائے اپنے
جس کو بھی دیکھیئے چپ چاپ چلا جاتا ہے
کبھی خود سے کبھی رستوں سے الجھتا ہے مگر
جانے والا کسی آواز پہ رکتا ہی نہی
ڈھونڈنا ہے نیا پیرائے اظہار ہمیں
استعاروں کی زباں کوئی سمجھتا ہی نہیں
دل گرفتہ ہیں طلسماتِ غمِ ہستی سے
سانس لینے سے فسوں قریاں جاں ٹوٹتی ہے
اک تغیر پس ہر شے ہے مگر ظلم کی ڈور
ابھی معلوم نہیں ہے کہ کہاں ٹوٹتی ہے

تو سمجھتا ہے کہ خوشبو سے معطر ہے حیات
تو نے چکھا ہی نہیں زہر کسی موسم کا
تجھ پہ گزرا ہی نہیں رقص جنوں کا عالم
ایسا عالم جہاں صدیوں کے تحیر کا نشہ
ہر بچھڑی ہوئی ساعت سے گلے ملتا ہے
اس تماشے کا بظاہر تو نہیں کوئی سبب
صرف محسوس کرو گے تو پتا چلتا ہے
ایک دھن ہے جو سنائی نہیں دیتی پھر بھی
لے بہ لے بڑھتا چلا جاتا ہے ہنگامِ ستم
کو بہ کو پھیلتا جاتا ہے غبارِ من وتو
روح سے خالی ہوئے جاتے ہے جسموں کے حرم
وقت بے رحم ہے، ہم رقص برہنہ ہیں سبھی
اب تو پابند سلاسل نہیں کوئی پھر بھی
دشت مژگاں میں بھٹکتا ہوا تاروں کا ہجوم
صفحہ لب پہ سسسکتی ہوئی آواز کی لو
دیکھ تو کیسے رہائی کی خبر کرتی ہے
روزن وقت سے آغاز سفر کرتی ہے

بے خبر رہنا کسی بات سے اچھا ہی نہیں
تو کبھی وقت کی دہلیز پہ ٹھہرا ہی نہیں
تو نے دیکھے ہی نہیں حلق امروز کے رنگ
گرمی وعدہ فردا سے پگھلتے ہوے لوگ
اپنے ہی خواب کی تعبیر مے جلتے ہوئے لوگ
بھوک اور پیاس کی مری ہوئی فصلوں کی طرح
پرعزم کی لکیروں سے ابھرتے ہوے لوگ
امن کے نام پر بارود بھری دنیا میں
خاص خشک کی مانند بکھرتے ہوے لوگ
روز جیتے ہوئےاور روز ہی مرتے ہوئے لوگ
زندگی فلم نہیں ہے کہ دکھائیں تجھ کو
تو نے پوچھا ہے مگر کیسے بتائیں تجھ کو
کوئی محفوظ نہیں اہل تحفظ سے یہاں
رات بھاری ہے کہیں اور کہیں دن بھاری
ساری دنیا کوئی میدان سا لگتی ہے ہمیں
جس میں اک معرکہ سود و زیاں جاری ہے
پاؤں رکھے ہوے بارود پر سب لوگ جہاں

اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے پروانہ شب
آستینوں میں چھپائے ہوئے مہتاب کوئی
اپنی گردن میں لیے اپنے گریبان کا طوق
نیند میں چلتے ہوئے دیکھتے ہے خواب کوئی
اور یہ سوچتے رہتے ہے کہ دیواروں سے
شب کے آثار ڈھلے, صبح کا سورج ابھرا
دور افق پار پہاڑوں پہ چمکتی ہوئی برف
نئے سورج کی تمازت سے پگھل جائے گی
اور کسی وقفہ امکان سحر میں اب کہ
روشنی سارے اندھیروں کو نگل جائے گی
دیکھئے کیسے پہنچتی ہے ٹھکانے پہ کہیں
دور اک فاختہ اڑتی ہے نشانے پہ کہیں
آ کے یہ منظر خون بستہ دکھائیں تجھ کو
تو نے پوچھا ہے مگر کیسے بتائیں تجھ کو
کوئی گاہک ہی نہیں جوہر آئندہ کا
چشم کھولے ہوئے بیٹھی ہے دکان گریہ
اور اسی منظر خون بستہ کے گوشے میں کہیں

سر پہ ڈالے ہوے اک لمحہ موجود کی دھول
تیرے عشاق بہت خاک بسر پھرتے ہیں
وقت کب کھینچ لے مقتل میں گواہی کے لیے
دست خالی میں لیے کاسہ سر پھرتے ہیں
پوچھنے والے تجھے کیسے بتائیں آخر
دکھ عبارت تو نہیں جو تجھے لکھ کر بھیجیں
دکھ تو محسوس ہوا کرتا ہے
چاہے تیرا ہو یا میرا دکھ ہو
آدمی وہ ہے جسے جیتے جی
صرف اپنا نہیں سب کا دکھ ہو
چاک ہو جائے جو اک بار ہوس کے ہاتھوں
جامہ عشق دوبارہ تو نہیں سلتا ہے
آسمان میری زمینوں پر جھکا ہے لیکن
تیرا اور میرا ستارہ ہی نہیں ملتا ہے

~~~
~~~

"زیام مجھے تُم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔"

""جی بابا کہیں۔"

وہ سامنے چلتے ٹی وی پر نظریں جمائے بولا۔

"اب تُم فارغ ہو تو میرے ہاتھ بٹاؤ۔"

"ٹھیک ہے میں کل آفس چلا جاؤں گا۔" اُس نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر میکانکی انداز میں جواب دیا۔

"نہیں یہ والے آفس نہیں یہاں کا کام میں سنبھال رہا ہوں۔"

"پھر؟" اب کی بار اُس نے نظریں ٹی وی سے ہٹا کر سید معین کی جانب دیکھا۔

"میں نے سوچا ہے تُمہیں دبئی بھیج دوں۔"

"لیکن دبئی۔۔؟"

"تُم نہیں جانا چاہتے؟"

"میں نے ایسا نہیں کہا۔" اُس نے شانے اچکاتے نظریں پھیر لیں۔

"بس پھر تمہاری اتوار کو ہمارے پارٹنر کے ساتھ میٹنگ ہے کل تک نکل جاؤ تو اچھا ہو گا۔وہ آج کل دبئی ہیں ورنہ پاکستان میں ہی میٹنگ ارینج کرتے۔"

"ٹھیک ہے میں پیکنگ کر لیتا ہوں۔"

وہ گود میں دھرا ریموٹ صوفے پر رکھتے اُٹھا۔

"سنو زیام۔۔"

"جی بابا اور بھی کُچھ کہنا ہے؟" وہ رک کر بغیر پلٹے پوچھ رہا تھا۔سید معین نے محسوس کیا تھا وہ اب آنکھیں ملا کر بات کرنے سے اجتناب کرتا تھا۔

"ہاں جب واپس آؤ گے تو تمھاری شادی کی تاریخ طے کر دیں گے ذہنی طور پر تیار ہو کر آنا۔

زیام میری بات تُم نے سنی ہے؟"

سید معین اُس کی طرف سے جواب نہ ملنے پر بولے۔

"کوشش کروں گا۔"

"اور اپنی حالت دُرست کرو بیمار لگ رہے ہو۔" اُن کا اشارہ اُس کی بے ترتیب بڑھی ہوئی داڑھی اور بے ڈھنگ حلیے کی جانب تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" سید معین نے چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہو تو لگتے کیوں نہیں ہو؟"

"اندر سے ٹھیک نہیں ہوں۔اندر کی اُداسی کب چھپی رہتی ہے باہر نظر آ ہی جاتی ہے۔"

اُس کے الفاظ اور انداز نے سید معین کو خاموش کروا دیا تھا۔

"ویسے ہمارے پارٹنر کا نام کیا ہے؟"

اُس نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"مریان لکھانی۔۔"

"اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ نام میں نے پہلے سنا ہے۔"

"ہاں کراچی کے مئیر مریان لکھانی کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے سنا ہے وہ اچھا انسان ہے۔"

"ملو گے تو یقین بھی آ جائے گا۔"

زیام سید معین کی بات پر ہلکی سی مسکراہٹ پیش کرتا آگے بڑھا۔

"زیام کہاں جا رہے ہو؟"

زیام کے چلتے قدم فاطمہ کے پکارنے پر رکے۔

"کیوں پوچھ رہی ہو؟"

وہ اڑھیوں کے بل پلٹا۔چہرے پر ناگواری صاف نظر آ رہی تھی۔

"زیام تُمہیں لگتا ہے ہم لوگ اِن رویوں کے ساتھ اکھٹے رہ سکتے ہیں؟" اُس نے کڑے تیوروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" اُس نے سرسری سا جواب دیا۔

"ایک دوسرے کی بات ہم سن نہیں سکتے۔

آپس میں ہم کوئی بات نہیں کرتے۔ہم اکھٹے رہ رہے ہیں مگر اکھٹے کہیں جاتے نہیں ہیں۔ہم ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے نہ ایک دوسرے کو سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ایک دوسرے کو نا سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

تمھیں لگتا ہے یہ تعلق آگے چل سکتا ہے؟"

"میں اِس بارے میں نہیں سوچتا۔" اس نے بنا لگی لپٹی صاف بات کی۔

"لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہم ایک ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔میں یہ زبردستی کی قید نہیں برداشت کر سکتی۔"

"کچھ بھی سوچنے سے وہ ہو نہیں جاتا۔"

وہ سخت لہجے میں بولا تھا۔

"مگر ہم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔" فاطمہ کی آنکھیں اُمید سے چمکی تھیں۔

"دیکھو فاطمہ میں ایک فیصلہ کر چُکا ہوں مجھے اُلجھن میں مبتلا مت کرو۔مجھے دوبارہ وہاں نہ پھینکو کہ میرے لیے پھر سے ایک کنارہ چننا مُشکل ہو جائے۔مُجھے تُم ایک جگہ قائم رہنے دو میں جِس عذاب سے اتنی مُشکل سے نکلا ہوں مُجھے دوبارہ اُس عذاب میں مت جھونکو۔"

وہ مڑا اور آر پار گزرتی نظروں سے اُسے دیکھ کر بولا۔فاطمہ اُسے اتنا قریب دیکھ کر جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی۔

"سید زیام شاہ تمھاری آنکھوں میں مُجھے اپنے لیے ناگواری اور نفرت صاف نظر آ رہی ہے۔" اُس نے غصے کا کڑوا گھونٹ حلق سے اُتارا۔

"ناگواری کہہ سکتی ہو لیکن نفرت نہیں۔

میں بلاوجہ کسی کے ساتھ نفرت کا رشتہ قائم نہیں کرتا۔میں اپنے ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست طویل نہیں کرتا۔"

"اور محبت کا رشتہ کن وجوہات کی وجہ سے قائم کرتے ہو؟" فاطمہ کی آواز میں نرمی گھلی۔

"محبت کا رشتہ بن جاتا ہے پھر اُسے قائم رکھنا پڑتا ہے لیکن میں نہیں رکھ پایا۔"

”کیوں نہیں رکھ پائے؟“

فاطمہ اُس کے لہجے کی نمی محسوس کر چکی تھی وہ مزید اُس سے سخت لہجے میں بات نہیں کر سکتی تھی۔

”کیونکہ میں ایک لحاظ سے بُزدل ہوں اور ایک لحاظ سے بہادر۔“

”کیسے؟“ وہ سینے پر ہاتھ باندھے پوچھ رہی تھی۔

”میں دونوں طرف اپنی بہادری کی دھاک نہیں بیٹھا سکتا کوئی بھی اِنسان ہر چیز میں بہترین نہیں ہوتا۔ ہر اِنسان کسی نہ کسی معاملے میں بُزدل ہوتا ہے اور میں محبت کے معاملے میں بُزدل ہوں۔“

زیام کی آنکھوں میں یاسیت پھیل گئی تھی۔

”لیکن میں کسی بھی لحاظ سے بُزدل نہیں ہوں۔

میرے پیروں میں فرمابرداری کی بیڑیاں نہیں ہیں۔“

وہ پُر اعتماد لہجے میں بولی تھی۔

زیام کو اُس کی آنکھوں میں بغاوت نظر آ رہی تھی جو اُسے ہمیشہ سے لگتا تھا وہ کرے گی۔

”فاطمہ تُم نے خود کو سمجھنے میں دیر کر دی۔

تُم خود تو شاید فائدے میں رہ جاؤ لیکن تُم نے میرے بہت بڑے نقصان کروا دیئے ہیں۔ جن کا ازالہ میں کبھی نہیں کر سکتا۔“ اُس نے مایوسی سے اپنے بالوں میں ہاتھ چلایا۔

”ہر غلطی کی معافی ہوتی ہے تم صرف بزدلی دیکھا رہے ہو۔“ فاطمہ نے آگہی کا خنجر مارا تھا۔

”سہی کہہ رہی ہو ہر غلطی کی معافی ہوتی ہے مگر معافی مانگنا آنا چاہیے جو مُجھے نہیں آتا۔“

”کیا تُم اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹ سکتے ہو؟“

فاطمہ کا انداز اِس قدر سنجیدہ تھا کہ اُسے شبہ ہوا تھا اگر وہ یہ کام نہیں کر سکا تو سامنے کھڑی لڑکی یہ ضرور کر گزرے گی۔

"نہیں میں پہلے ہی بہت پیچھے ہٹ چکا ہوں مزید پیچھے ہوا تو گر جاؤں گا۔"

"تم نہیں گرو گے۔"

"فاطمہ میں اپنی نظروں میں گر جاؤں گا۔میں دونوں جانب سے بُرا نہیں بننا چاہتا۔میں پہلے ہی بہت سے لوگوں کی ناپسند لوگوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہوں۔" زیام نے افسردہ سانس ہوا کے سپرد کی۔

"اگر تُم پہلے اُن کی پسندیدہ لوگوں کی فہرست میں تھے تو ٹنشن نہ لو اس فہرست سے لوگوں کو نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"مگر اُسے مُشکل کام ہی پسند ہیں۔وہ ایسا کر سکتی ہے۔"

فاطمہ کُچھ بولنے لگی تھی کہ زیام کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

ننھا سا قطرہ سیاہ پلکوں سے جھول کے نیچے گرا تھا اور مقابل کے الفاظ چھین گیا تھا۔

"تمھارے آنسوؤں سامنے والے کی بولنے کی طاقت سلب کر لیتے ہیں کوشش کرنا اِن سے معافی میں مدد لے سکو۔الفاظ سے زیادہ اِن آنسوؤں میں زیادہ صداقت ہوتی ہے اور سیدوں کی ثابت قدمی کیا ہوتی ہے اس کی ایک جھلک میں تُمہیں دیکھاؤں گی۔"

وہ پلٹ گئی تھی۔زیام ہونق بنا اُس کی پُشت دیکھ رہا تھا وہ کیا اُسے نہیں سمجھ سکا تھا؟ ہاں کیونکہ وہ اُسے سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

....

وہ چیزوں کے ڈبے اُٹھائے ہوئے علیحہ کو دیکھ رہی تھی جو موبائل پر کسی کے ساتھ باتوں میں محو تھی۔اُس کے چہرے کی تمانت نے روحا کے بھی چہرے پر مسکراہٹ بکھیری تھی۔کوئی تو تھا جس سے بات کر کے مسکراہٹ اُس کے چہرے پر آ سکتی تھی۔

"جی سر آج شفٹنگ کر رہے ہیں۔"

"پھر تو بہت کام ہونگے ہم بعد میں بات کر لیں گے۔" مریان مٹھاس گھولی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"علیحہ یار یہ کہاں رکھوں میرے ہاتھ تھک گئے ہیں اور تم کس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو؟" اُس کی آواز سے دوسری جانب سننے والے کا سانس اٹکا تھا۔

کتنے عرصے بعد اُس کی آواز سنی تھی۔اب بھی اُس کا وہی زندگی سے بھرپور چھکتا انداز تھا۔

علیحہ نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کی تلقین کی اور روحا سر ہلاتے خاموش ہو گئی تھی۔

"سر آپ سُن رہے ہیں؟"

مگر وہ صرف ایک ہی آواز سُن پا رہا تھا کوئی اور آواز اب اہم نہیں تھی۔

علیحہ نے کئی بار پکارنے کے بعد کال کاٹ دی تھی۔

"مطلب میں اُسے نہیں بھول پایا؟

میں اُس کی آواز ایک لمحے میں پہچان گیا؟
اور اُس کے بعد میں اور کُچھ نہیں سُن پایا؟
میں بھاگ کے یہاں آ گیا ہوں مگر اپنے جذبات سے کیوں نہیں بھاگ پاتا۔مُجھے لگتا ہے میرے جذبات میں مذید شدت آ گئی ہے۔
میں بری طرح ناکام ہو رہا ہوں۔
اُس کی آواز نے مُجھے اتنا بے چین کیا ہے میں اُسے مقابل کیسے دیکھ پاؤں گا۔
تو کیا میں اُسے دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہا۔
یہ کیسے جذبات ہیں جِس میں اُسے دیکھنے پر دِل قابو میں نہ رہے۔
تو کیا حاصل کی چاہ ختم ہونا اسے کہتے ہیں کہ اُسے مقابل دیکھنا بھی محال ہو؟"

مسئلہ دسترس سے باہر ھے
میں اُسے بُھولنے سے قاصر ہوں۔

وہ بڑبڑایا تھا اور اپنا وجود کُرسی پر گرا دیا تھا۔
آنکھیں موند کے سر پُشت سے ٹکا دیا۔
آنکھیں بند کرنے پر آنکھوں میں جلن محسوس ہوئی تھی۔وہ جانتا تھا آج کے دن کے لئے وہ کُچھ کرنے قابل نہیں رہا۔

"کس کی کال تھی؟"

روحا علیحہ کے کال کاٹتے ہی پوچھنے لگی۔

"مریان سر کی تھی۔"

"مریان کی کال تھی تو مجھے کیوں ایسے چُپ کروا رہی تھی؟ ویسے کیوں کال کی تھی؟"

انہوں نے نہیں کی میں نے شُکریہ ادا کرنے کے لئے کال کی تھی۔"

"کس بات کا شُکریہ؟" وہ متعجب ہوئی۔

"آج میں اِس گھر میں کھڑی ہوں تو اس کی وجہ صرف وہ ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کیا باقی سب لوگوں کے چہروں پر بھی ایسے ہی خوشی ہوتی ہو گی اُن کے دلوں میں بھی ایسے سکون ہوتا ہو گا۔ ایک شخص اتنے لوگوں کی زِندگی میں آسانیاں پیدا کر سکتا۔ اتنے سارے لوگوں کے دِل میں گھر کر سکتا ہے اور اِس لہجے میں بات کرتے ہیں لگتا ہی نہیں ہم پر احسان کر رہے ہیں۔" علیہ کا لہجہ احسان سے معمور تھا۔

"احسان نہیں کرتا یہ اُس کے فرائض ہیں۔"

"کیسے فرائض؟" علیحہ نے تعجب سے بھنویں سکیڑیں۔

"یہ عوام اُس کی زمہ داری ہے۔"

"مگر وہ یہ سب حکومت کے پیسوں سے نہیں کر رہے۔"

"ہر انسان پر انسانیت کے ناطے بھی بہت سے فرائض ہوتے ہیں۔"

"پھر ہر اِنسان یہ فرائض کیوں نہیں نبھاتا؟"

"فرائض نبھانا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔صرف اچھے دِل کے لوگ اُنہیں فرائض سمجھتے ہوئے پورا کرتے ہیں۔"

"ہاں وہ اچھا اِنسان ہے۔"

روحا مدھم آواز میں بولی اور کمرے کی کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکنے لگی۔

"روحا تُم مریان سر کو جانتی ہو نا؟" اُس نے شاکی نظروں کے حصار میں روحا کو لیا۔

"ہاں جانتی ہوں۔" آج وہ اقرار کر گئی تھی۔

علیحہ پلک جھپکے بنا دیکھ رہی تھی۔وہ وہ خود کو لب ہلانے سے بھی قاصر محسوس کر رہی تھی۔چند لمحے خاموشی سے وہ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

"مطلب تُم نے اُنہیں میرے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں میں نے بتایا تھا مگر نام نہیں لیا تھا ڈھونڈا اُس نے خود تھا اور جو مدد کی وہ بھی اپنی مرضی سے کی میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔"

"تو کیا میرے اوپر کی جانے والی عنایتیں تمھاری وجہ سے ہیں؟" علیحہ کی خوشگواری سنجیدگی میں تبدیل ہوگئی تھی۔

"نہیں تمھاری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ ایسے ہی کرتا۔انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے کسی کی مدد کے لیے توسط نہیں ڈھونڈھتے۔" اُس کی آواز دھیمی پڑی تھی۔

"تُم کیوں اُداس ہو گئی؟"

علیحہ اُس کا اُداس لہجہ بھانپ چکی تھی۔

"مُجھے لگتا ہے میں اسے سمجھ نہیں سکی۔"

"کسے نہیں سمجھ سکی؟" علیحہ نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا جو اس سے چہرہ موڑے کھڑی تھی۔

"مریان لکھانی کو۔۔" لہجہ ہنوز ٹھنڈا اور دھیما تھا۔

"کیسے؟" علیحہ نے اُس کے ساتھ کھڑے ہوتے اُس کے چہرے پر نظریں ٹکا لیں جہاں صرف سنجیدگی تھی۔

"مُجھے لگتا ہے میں نے اُسے غلط سمجھا اگر وہ صرف حاصل کرنا چاہتا تو کبھی بھی یوں پیچھے نہ ہٹتا کبھی یوں غائب نہ ہوتا۔"

"کیا وہ تُم سے محبت کرتے ہیں؟" علیحہ کو اب مماملے کی سمجھ آنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں کبھی اُس نے ایسا کہا نہیں۔

مجھے لگتا ہے وہ میری وجہ سے پاکستان چھوڑ کر گیا ہے۔"

"پھر تُم کیسے خود کو قصور وار مان سکتی ہو جب اُنھوں نے تُم سے کبھی ایسا کہا ہی نہیں۔"

"میں نے اُسے آخری بار دیکھا تھا تو اس کی آنکھ میں آنسو تھا اور میں جانتی ہوں اُس کی وجہ میں تھی اُس کی آنکھوں میں رقم تھا اس میں جو تکلیف ہے اُس کی وجہ روحا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔" علیحہ نے اُس کے ریلنگ پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"پتہ نہیں کیسا ہے اور کیسا نہیں مگر میرے دل پر بوجھ ہے میں اس سے پیچھا نہیں چھڑا پاتی۔"

"تُم اُن سے معافی مانگ لو۔"

"میں معافی مانگ سکتی تھی اور اب تک مانگ بھی چُکی ہوتی لیکن کس بات کی معافی مانگوں؟ شاید میں نے اُس کے بارے میں جو اندازے لگائے ہیں وہ غلط ہو۔شاید وہ میرے بارے میں کچھ بھی نہ سوچتا ہو شاید سوچتا ہی نہ ہو تو ایسے تو میں اُس کی گنہگار نہیں بنتی پھر کیسی معافی؟ کیسی معزرت۔۔؟" اُس نے سرد آہ بھری۔

"تمھیں ایک بار اُن سے بات کر لینی چاہیے تا کہ تمھارے شک و شبہات دور ہو جائیں اور وہ واپس آ جائیں گے وہ تو زمین مملوک ہیں ان کا دل اُس مٹی کی محبت سے لبریز ہے۔"

"کیا بات کروں گی؟" وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بڑبڑائی۔

"روحا ابتسام کو کب سے کسی سے بات کرنے میں دقت ہونے لگی؟ کب سے وہ کسی سے بات کرنے سے پہلے اتنا سوچنے لگی۔"

وہ اپنا نام سن کر ہلکا سا مسکرائی تھی۔کُچھ اور بھی تھا اپنے بارے میں جو ابھی علیحہ کو بتانا تھا۔

"ویسے تُم دونوں ایک ساتھ اچھے لگو گے۔"

روحا نے اُس کی بات پر گردن موڑ کر اُسے دیکھا تھا۔

"علیحہ اگر وہ میرے بارے میں کوئی جذبات رکھتا بھی ہے پھر بھی میں اُن کی صرف قدر کر سکتی ہوں اُسے ویسے جذبات نہیں لوٹا سکتی۔

عزت کر سکتی ہوں محبت نہیں۔"

وہ دوبارہ گردن سیدھی کرتے آسمان پر ٹکڑوں میں بکھرے بادلوں کو دیکھتے ہوئے بولی تھی جو چلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

”تُم تو جذبات کی قدر کرنا جانتی ہو نہ۔۔“

”اگر بات جذبات کی ہے تو آذر کے جذبات زیادہ خالص ہیں اُس نے مُجھے پیسوں کے عوض خریدنے کی کوشش نہیں کی وہ آج سے نہیں بہت پہلے سے مجھ سے محبت کرتا ہے۔
اُس کے جذبات کی صداقت کبھی کم نہیں ہوئی۔
اُس کی بہت سی دوستیں ہیں مگر محبت اُس نے صرف ایک سے کی روحا سے اور وہ محبت نبھانا جانتا ہے۔میں اس کے جزبوں پر کبھی شک نہیں کر سکی کیونکہ اس نے کبھی موقع ہی نہیں دیا۔
اِس لحاظ سے سب سے زیادہ قدر مُجھے اُس کے جذبات کی کرنی چاہیے اور محبت بھی اُسی سے کرنی چاہیے۔“ وہ اٹل انداز میں بولی تھی۔
”لیکن محبت میں ایسی قید نہیں ہوتی لازمی نہیں جو آپ سے زیادہ شدت سے محبت کرتا ہو اُسے ویسے ہی جذبات لوٹائے جائیں۔“

”علیحہ میں نہیں جانتی محبت کے کیا اصول و ضوابط ہیں۔۔۔ہیں بھی یا نہیں۔
مُجھے لگتا ہے اِنسان کے خود کے اصول ہر چیز پر حاوی ہونے چاہئیں کوئی بھی اُنہیں تبدیل نہ کر سکے۔
اور میرے اصولوں میں سے ایک اصول ہے کہ محبت کے بدلے محبت اُس سے ذرا بھی کم نہیں۔“

"اور نفرت کے بدلے؟" علیحہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"محبت۔۔"

وہ یک لفظی جواب میں نفرت کے سارے انبار گرا گئی تھی اس نے نفرت کی اہمیت ہی ختم کر دی تھی۔

"دو شخصوں میں محبت کیسے بانٹ سکتی ہو؟"

"میں ترازو استعمال کرنے کا نہیں کہہ رہی بس یہ کہہ رہی ہوں محبت ہر شخص کو دی جا سکتی ہے اسے چند لوگوں تک محدود نہ کیا جائے۔

آپ کے پاس اتنی محبت ہوتی ہے کہ آپ دُنیا کے ہر شخص کو دے سکتے ہیں۔ مُحبت آپکو حساب و کتاب کر کے نہیں دی گئی کہ آپ لوگوں کو دینے میں بھی اس کا استعمال کریں۔ یہ جذبہ ہے اور جذبات کی مقدار نہیں ہوتی کہ انہیں لوگوں میں ماپ کر تقسیم کیا جائے۔ یہ تو سب کے لئے برابر ہونا چاہئے۔

"کوئی آپ سے نفرت کرتا ہو اور اُسے باقی سب کی طرح برابر کی محبت دیتے رہیں یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟" علیحہ اس سے متفق نظر نہیں آ رہی تھی۔

"نفرت کا حل صرف محبت ہے۔ ہر نفرت کا انجام محبت ہے۔"

"تُم دلائل دینا جانتی ہو۔" علیحہ نے داد دی۔

اُس کی باتیں کسی سے بھی تعریفی الفاظ نکلوا سکتی تھیں۔

"مگر تُم بہت زیادہ مثبت سوچتی ہو۔"

”مثبت سوچیں اِنسان کو مثبت بننے میں مدد دیتی ہیں۔اِنسان کو مایوس نہیں ہونے دیتیں۔“ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں الفاظ الگ الگ کر بولی تھی۔علیحہ نے اُسے بغور دیکھا تھا مگر وہ اُس کی کیفیت نہیں سمجھ پائی تھی۔

محبت بھی کوئی چیز ہے کیا آخر
مُجھ کو تو ملتی نہیں کسی دکاں سے

کوئی مجھ کو بھی سمجھاؤ
مُجھ کو تو اِس کی سمجھ آتی نہیں کسی طرح سے

یہ سچ میں ہوتی ہے سب کو
یا صرف اُن کا وہم و گماں ہے

یہ حقیقت ہے کوئی
یا صرف ایک سیاست طلب بیاں ہے

سنا ہے بڑے بڑے ہو گئے فنا اِس کے خیال میں

مُجھ کو تو کوئی ملا نہیں ایسا عاشق جہاں میں

ہوتی ہے یہ کسی ایک شخص سے یہ بھی بھلا کوئی بات ہے
مُجھ کو تو محبت ہے ہر شخص سے اِس زمیں کے آسماں کے

منزہ مرزا✍

"نبیہا موٹی رُک جاؤ۔"

آذر نے اُسے پیزے کا ٹکڑا اُٹھاتے دیکھ کر لپک کر اُس کے ہاتھ سے پیزا جھپٹا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ اِس اچانک حملے پر چلائی تھی۔

"مزید موٹی ہو جاؤ گی۔"

"تو یہ کیوں منگوایا ہے جب کھانے نہیں دینا؟"

"تمھیں ترسانے کے لئے یہ تو میں اور روحا کھائیں گے۔"

آذر نے کمرے میں داخل ہوتی روحا کو دیکھ کر پیزے کا ڈبہ گود میں رکھ لیا۔

وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھی تھی اور چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا۔

"یہ لو روحا کھاؤ۔" آذر نے پیزا اُس کے چہرے کے سامنے کیا۔

مگر وہ سُن ہی نہیں رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی تُم نے مُجھے منگوا کر دیا تھا۔"

نبیہا خفگی سے بولی۔

"تُم چُپ کرو موٹی تُم تو ہر وقت کھاتی رہتی ہو ہم مظلوم لوگوں کو کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے۔"

"روحا دیکھو یہ بار بار مُجھے موٹی کہہ رہا ہے۔" نبیہا نے چہرے پر مظلومیت طاری کرتے آذر کی شکایت لگائی۔

"یار یہ تُم لوگوں کا مسئلہ ہے مُجھے نہ گھسیٹا کرو۔" وہ کھٹاک سے کہتی کھڑی ہوئی۔ آذر اور نبیہا کی زبانوں کو اس کے جواب سے تالا لگ گیا تھا۔

وہ اُن کی باتوں میں کبھی مداخلت نہیں کرتی تھی مگر اُن کی باتوں سے لطف اندوز ہوتی تھی اور نبیہا کے شکایت لگانے پر مسکرا دیتی تھی۔

"اور میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔"

وہ سیڑھیاں چھڑتی تنبیہہ کرنے کو رکی تھی۔

آذر کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

وہ جانتا تھا وہ اُسے ہی کہہ کر گئی ہے۔

آذر نے پیچھے مڑ کر دیکھا نبیہا سکتہ میں کھڑی تھی۔

"یہ میری وجہ سے ناراض ہوئی ہے؟" نبیہا اُسے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں نبیہا یہ تُم سے کبھی ناراض نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔"

"پھر تُم سے ناراض ہے؟"

"ہے بھی تو میں رہنے نہیں دوں گا۔مُجھے لگ رہا ہے یہ کسی بات پر اُداس ہے۔خودی ٹھیک ہو جائے گی چلو ہم دونوں پیزا کھاتے ہیں۔"

آذر کے منٹوں میں بیان بدلنے پر نبیہا ہنسی تھی۔

آذر اُس کے ہنسنے کی وجہ سمجھتے ہوئے مُسکرا دیا۔

روحا نے کمرے میں داخل ہوتے کنڈی لگا لی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کوئی بھی آئے اور وہ اپنی دماغی اُلجھن کی وجہ سے کسی کو کُچھ غلط بول کر ناراض کر دے۔

وہ اپنے گھر والوں کے لئے دِل سے رنجشیں ختم کر چُکی تھی مگر ابتسام آفندی سے ابھی تک بات کرتے کتراتی تھی اور یہ بات وہ محسوس کرتے تھے مگر اُسے کُچھ کہتے نہیں تھے۔

وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی چند لمحے بیٹھے رہنے کے بعد واش روم میں گھس گئی تھی۔

باہر آتے وہ جوڑے میں بال مقید کرتے اسٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

نظر سامنے پڑے موبائل پر گئی تھی۔پُر سوچ نظروں سے موبائل کی سکرین دیکھتی رہی تھی۔

"مُجھے واقعی اُس سے بات کرنی چاہیے؟

لیکن کیا بات؟"

چند منٹ کے تذبذب کے بعد ہاتھ بڑھا کر اُس نے موبائل پکڑا تھا اور نمبر ملانے لگی۔

اب سکرین پر ایم ایل لکھا جگمگا رہا تھا۔

روحا سکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھی مگر کال نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔

"یہ ایسا تو کبھی نہیں کرتا تھا فوراً کال اُٹھا لیتا تھا۔"

دوسری جانب وہ شخص حیرت کے سمندر میں ڈوبا بیٹھا تھا۔وہ نہ کال اُٹھا پا رہا تھا نہ کاٹ سکتا تھا۔اُس کے لیے دونوں کام مُشکل تھے۔

دونوں صورتوں میں وہ مزید بے چین ہوتا۔

مگر اُسے نظر انداز کرنا زیادہ مُشکل تھا اُس نے کال اُٹھا لی تھی۔دونوں جانب خاموشی تھی۔

"مریان لکھانی؟"

اُس نے نا جانے کیا سوچتے ہوئے تصدیق چاہی تھی۔

"سن رہا ہوں۔" سپاٹ لہجے میں جواب آیا تھا۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" پھر خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔

الفاظ ڈھونڈنے مُشکل ہو گئے تھے۔

"تُم پاکستان کیوں چھوڑ کر گئے؟" مریان اُس کی بات پر ہنسا تھا۔

"ہنسے کیوں ہو؟" روحا اُلجھن زدہ سی بولی۔

آپ "آپ" سے "تُم" پر آ گئی ہیں۔

”تو تمھیں کوئی اعتراض ہے؟“

”نہیں مُجھے تو کسی بھی بات پر اعتراض نہیں۔“

”کیا پتہ تُمہیں بہت سی باتوں پر اعتراض ہو مگر بتاتے نہ ہو۔“

”شاید کبھی تھے مگر اب نہیں۔“ دھیمے لہجے میں جواب آیا۔اُس کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا یا شکست خوردہ ضرور تھا۔

”لیکن تُم۔۔“

روحا بولتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی۔

مریان نے بھی اُسے بات مُکمل کرنے کا نہیں کہا تھا۔

”پاکستان کب آ رہے ہو؟“ وہ بات بدل گئی تھی۔

”جب آپ کہیں۔“

”میری وجہ سے گئے تھے جو میری وجہ سے آؤ گے؟“ مریان خاموش ہو گیا تھا اعتراف مُشکل ہوتے ہیں۔

”انتظار رہے گا۔“ روحا اُسے خاموش پا کر بولی تھی وہ جواباً کُچھ بھی نہیں بول پایا تھا۔

وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اُس کا انتظار کرے۔

یہ بھی نہیں پوچھ پایا تھا کہ وہ اس کا انتظار کیوں کرے گی۔

روحا اُس کی خاموشی سے اکتا گئی تھی مگر کال نہیں کاٹی تھی۔

اُسے لگ رہا تھا وہ جواب ڈھونڈھ رہا ہے مگر اُس کے پاس جواب کہاں تھا۔

ابتسام آفندی آفس سے آتے ہی روحا کے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔

وہ اُس سے بات کرنا چاہتے تھے جب سے روحا کو ساری باتوں کا علم ہوا تھا دوبارہ اُن کے درمیان کبھی تفصیل سے بات نہیں ہوئی تھی۔

وہ سلام کرتی تھی یا سرسری سا حال احوال پوچھ لیتی تھی مگر وہ جانتے تھے ابھی اُس کے دِل میں خلش تھی۔

وہ اس سے معافی مانگنا چاہتے تھے تا کہ وہ پہلے کی طرح ہو جائے۔

بحث کرنے والی فرمائشیں کرنے والی غلط بات پر اُنہیں ٹوکنے والی وہ یہ سب کچھ چھوڑ چکی تھی۔

ابتسام آفندی دروازے کے پاس پُہنچے تھے کہ اندر سے آتی آواز نے اُن کے دروازے کو کھٹکھٹانے کے لئے بڑھے ہاتھ روک دیئے تھے۔

"مریان کیا تُم سن رہے ہو؟"

مگر اِس بار بھی جواب نہ پا کر اُس نے کال کاٹ دی تھی۔

"عجیب اِنسان ہے لگتا ہے اسے خاموشی کے دورے پڑتے ہیں۔" اُس نے منہ بناتے موبائل اسٹڈی ٹیبل پر رکھا اور آرام کرنے کو قدم بیڈ کی جانب بڑھا دیئے۔علیحہ کا ہاتھ بٹاتے وہ خود تھک چکی تھی۔

ابتسام آفندی مریان کا نام سنتے ہی پلٹ گئے تھے اور اپنے کمرے میں ثمینہ بیگم کو نہ پا کر کال ملانے لگے تھے۔

دوسری بیل پر کال اُٹھا لی گئی تھی۔

''اِن باپ بیٹی کو آج خیر ہے۔''

مریان نے حیرت زدہ سا موبائل پر ابتسام آفندی کا نام دیکھ کر سوچا۔

''میری بیٹی سے تُمہیں کوئی رابطہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے پہلے ہی تمھاری وجہ سے وہ مجھ سے بہت بدگمان ہو چُکی ہے۔''

ابتسام آفندی چھوٹتے ہی بولے تھے۔

''میرا اُس سے کوئی رابطہ نہیں۔''

''مُجھے بیوقوف مت بناؤ۔''

''آپ خود بیوقوف بن رہے ہیں۔''

''تمھیں جو کہا ہے بس وہ کرو۔'' ابتسام آفندی کا انداز تحمکانہ تھا۔

''وہ میں پہلے ہی کر رہا ہوں اور آپ بھی مُجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھیں۔مُجھے بھی کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا۔'' مریان کی تلخ کلامی پر وہ سلگ کر رہ گئے تھے۔

''نہیں رکھوں گا تُم جیسے انسان سے مُجھے رابطہ رکھنا بھی نہیں جو محبت خریدنا چاہتا ہو۔

تُم جیسے انسان کو اپنی بیٹی کے پاس نہ بھٹکنے دوں۔ تُم جیسے لوگ بس محبت حاصل کرنا چاہتے ہو نبھانا نہیں جانتے۔" منہ پر بایاں ہاتھ پھیرتے اُس نے کال بند کی اور موبائل پٹخا۔

ابتسام آفندی کے الفاظ اُس کے دِل پر کوڑوں کی طرح لگے تھے۔

"نہیں ہے مُجھے کسی کو پانے کی چاہ نہ میں نے محبت خریدنی چاہی۔" بال مُٹھیوں میں جکڑے وہ سر جھکائے بول رہا تھا۔

بھاری ہوتے قدم اُٹھاتا وہ بیڈ تک پُہنچ کر لیٹ گیا تھا اور جلتی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ایک اور بے سکونی سے بھری رات اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ سب وے پر کھڑی تھی جارج اُس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔ اُس نے کسی کی موجودگی کے احساس پر مڑ کر دیکھا وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ امل نے پیچھے ہٹتے چند قدموں کا فاصلہ حائل کیا۔ جارج اپنی جگہ پر کھڑا دروازے کے کھلنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ چند منٹ بعد ٹرین کا دروازہ کھلا تو وہ دونوں آگے پیچھے اندر گئے۔ جارج جان بوجھ کر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ امل نے گردن موڑ کر اُس پُر اسرار ماسک والے کرتب باز کو دیکھا۔

"نام کیا ہے آپکا؟" امل جواباً خاموش رہی۔

جارج نے ایک نظر اُآج س کے حلیے پر آج اُس نے نفیس سرمئی کوٹ کفید سیاہ پتلون اور چمکدار سیاہ چمڑے کے ٹخنوں کے جوتوں کے ساتھ پہنا ہوا تھا۔ چہرے کے گردن سنہری رنگ کا سکارف لپیٹ رکھا تھا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"کرسٹینیا" امل کے یک لفظی جواب پر اُس کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔امل نے اُس کی جانب دیکھا جو پھٹی پھٹی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"مذاق کر رہی ہوں۔" امل کی مسکراہٹ پر اُسے سمجھ آیا کہ وہ واقعی مذاق کر رہی تھی۔

"میں تو حیران رہ گیا تھا کہ مسلمان کب سے نشہ کرنے لگے اس جگہ پر تو میں کبھی نہیں گیا آپ کیسے چلی گئیں۔"

" ڈینش انڈسٹری ہاؤس جانے لگی ہوں۔"

جارج کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔بالآخر اُس نے کسی سوال کا جواب ڈھنگ سے دیا تھا۔

"آپ وہاں کام کرتی ہیں مطلب میں کوپن ہیگن کی رہائشی ہیں؟" امل نے اثبات میں سر ہلایا۔

جارج اب خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔امل اُس کے چہرے پر لگے ماسک کی وجہ سے اُس کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھی۔

"فرینڈز۔۔؟؟" ذرا تامل کے بعد اُس نے امل کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔پھر اُس کی تنی بھنویں دیکھ کر پیچھے ہٹا لیا۔

"اوہ ہاں مسلمان عورتیں مردوں سے ہاتھ نہیں ملاتیں۔" اُسے جیسے خود کو یاد دھیانی کروائی تھی۔

اُسے مسلمانوں کے بارے میں اتنا تو معلوم تھا مطلب وہ اس سے پہلے بھی کسی مسلمان کو جانتا تھا۔

"مسلم عورتیں مردوں سے دوستی بھی نہیں کرتیں۔" امل نے اپنی تئی سے اُس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"جانتا ہوں۔" اُس نے دھیمے لہجے میں کہتے مایوسی سے سر جھکا لیا تھا۔

"مسٹر جارج اولیور آپ کو نہیں لگتا آپ کو تھوڑا فاصلے پر بیٹھنا چاہیے۔" جارج نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا وہ اس کا نام جانتی تھی مطلب وہ اُسے جانتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ وہ کرتب باز ہے۔جارج اُٹھا اور ایک کرسی کا فاصلہ چھوڑ کر بیٹھ گیا۔اُس نے جیب سے تین سیاہ کارڈ نکالے اور اُن کو انگلیوں کے پیچ گھمانے لگے چند سیکنڈز کے بعد اُن کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا اُن میں سے ایک سرمئی دوسرا سنہری جبکہ تیسرا اپنی اصلی رنگت مطلب سیاہ رنگ میں ہی تھا۔امل نے ایک نظر اپنے کپڑوں پر ڈالی جو سرمئی، سنہری اور سیاہ تھے۔

وہ اپنی دھن میں بیٹھا اب کارڈز کو ٹکڑوں میں تقسیم کر رہا تھا یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی وہ فارغ وقت میں کہیں بھی اپنی کرتب بازی شروع کر دیتا تھا۔

اُس کے ہاتھوں میں ایک دم سے آگ جل اٹھی تھی ٹرین میں بیٹھے سب لوگوں نے حیرت سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔چند سیکنڈز کی اس کی اِس حرکت پر بہت سے چہروں پر خوف و اضطراب اُبھرا تھا۔اُس نے اپنی مٹھی کھولی کارڈز اپنی اصلی حالت میں واپس آ چکے تھے۔

ٹرین کا دروازہ کھلا تو امل اپنی نشست چھوڑتے کھڑی ہوئی۔امل نے اُس کی جانب مڑ کر دیکھا وہ اپنی ٹانگیں لپیٹے کُرسی پر بیٹھا اور وہ اب ہوا میں معلق تھا۔امل کی آنکھیں حیرت سے مکمل کھلیں۔یہ اُس کا پہلا کرتب تھا جس نے اُسے حیران کیا تھا۔دو لڑکے اُس کے پاس آ کر بیٹھے۔اگلے ہی منٹ وہ کُرسی پر دھپ سے گرا۔امل نے باہر نکلنے سے پہلے آخری بار اُس کی لاجوردی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ اس

کی جانب متوجہ نہیں تھا۔وہ اُن لڑکوں سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔وہ آئے اکھٹے تھے مگر جا وہ اکیلی رہی تھی۔انہوں ملنا تھا پر اکھٹے رہنا نہیں تھا۔

~~~

وہ سامنے پڑی کافی کی جھاگ پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھی کہ کسی کے جوتوں کی آواز پر نظریں زمین پر کسی کے سیاہ جوتوں پر پڑیں۔

نظر اٹھا کر سامنے دیکھا اور نظر وہیں ٹک گئی۔

”کیا میں اُسے اب اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی؟

کیا مجھے اسے دیکھ کر پہلے جیسے جذبات محسوس نہیں ہوئے۔“

وہ اُسے دیکھتے ہی خود سے سوال پوچھنے لگی تھی اور بغیر پلکوں کو جنبش دیئے اُسے دیکھ رہی تھی جبکہ دماغ کسی اور سوچ میں تھا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“

اُسے ہمیشہ سے اجازت لے کر بیٹھنے کی عادت تھی۔وہ سید زیام شاہ تھا تہذیب اور شائستگی اس کا خاصا تھی مگر پھر بھی وہ اجازت نہ ملنے پر بھی بیٹھ جایا کرتا تھا۔

”بیٹھ سکتے ہو۔“

عینی نے اجازت دے دی تھی وہ جانتی تھی وہ انکار کرتی یا اقرار نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔
~~~

عینی نے زیام کو جائزائی نظروں سے دیکھا تھا وہ یونیورسٹی کے بعد اُسے آج دیکھ رہی تھی۔
اُسے وہ شکل کے ساتھ ساتھ انداز سے بھی مختلف شخص لگا تھا۔اُس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقوں نے اُسے تعجب میں مبتلا کیا تھا۔
"تُم سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔" وہ عینی کی خود پر جمی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے وہ بغیر تمہید باندھے بولا۔
وہی ٹھہرا ہوا انداز تھا مگر آج لہجہ زیادہ نرم تھا۔
اُسے جہاں تک یاد تھا زیام نے کبھی اِس قدر نرم لہجے میں اس سے بات نہیں کی تھی۔
"کس بات کی معافی مانگ رہے ہو؟"
"پتہ نہیں مجُھے کس بات کی معافی چاہیے میں اپنا قصور نہیں سمجھ پا رہا مگر سمجھنا چاہتا ہوں۔میں بہت بے چین ہوں تُمھیں یہاں دیکھا تو تمھارے پاس آ گیا شاید کسی شخص کے پاس میری بے سکونی کا علاج ہو۔"
عینی نے محسوس کیا تھا اس کے لہجے میں نرماہٹ کے ساتھ نمی بھی تھی۔لگ رہا تھا وہ رو رہا ہے مگر آنکھوں میں آنسو تو موجود ہی نہیں تھے۔
"تُم کہہ رہے ہو تم بے چین ہو لیکن تُمھیں سمجھ نہیں آ رہی کے تمھارا قصور کیا ہے۔ایسا ہی ہے نہ؟" عینی نے تصدیق چاہی۔
زیام نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"تمھارا بھی اِس بات پر یقین ہو گا کہ جیسا کرو گے وہی پاؤ گے۔
تُم نے دوسروں کو بے چین کیا یہ تمھارا قصور تھا تُم خود بے چین ہو یہ تمھاری سزا ہے اور تُم مزید بے چین نہ رہو یہ میری دعا ہے۔میں نے تمہیں تمہارا سکون لوٹانے کی کوشش کی ہے۔"
"میں صرف تمھارا گنہگار نہیں تُم سے زیادہ کسی اور کا بھی ہوں۔تُم نے خود میرے بارے میں سب سوچا تھا حالانکہ میں نے ہمیشہ تُمہیں اپنے لہجے سے ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی کیونکہ میں جانتا تھا تُمہیں بعد میں تکلیف ہو گی میں کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا مگر میں بہت سے لوگوں کی زندگی میں بے چینی لے آیا ہوں۔
میں نے علیحہ سے اقرار بھی کیا تھا اور دعوے بھی مگر میں قائم نہیں رہ سکا۔"
اُس کا سر مزید جھکا تھا۔
عینی حیرت سے سامنے سر جھکائے بیٹھے زیام کو دیکھ رہی تھی وہ اُسے بہت مضبوط اعصاب کا مالک سمجھتی تھی۔
"زیام میں سمجھتی تھی تُم بہادر مرد ہو۔"
زیام سر جھکائے ہی پھیکا سا مسکرایا تھا جو عینی نے دیکھ لیا تھا۔
"عینی بہادر ہونا مردانگی کی نشانی نہیں ہے۔
مرد مضبوط ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کمزور نہیں نظر آ سکتے یا جھک نہیں سکتے۔ہمیشہ بہادر لوگ جھکتے ہیں جبکہ بُزدل لوگ صرف خود کے آگے جھکتے ہیں وہ لوگ پھر خود کے سامنے بھی نہیں اُٹھ پاتے۔

میرے خیال سے اس لحاظ سے عورتیں زیادہ بہادر ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی ساری زندگی مردوں کے سامنے جھکتی ہی تو رہتی ہیں۔ جھکنا زیادہ مُشکل کام ہے اکڑ تو سب دیکھا سکتے ہیں۔خود پر قابو پانے میں دشواری ہوتی ہے۔" وہ بولا تو چہرہ سپاٹ اور آنکھیں بجھی سی تھیں۔

"تو تُم بہادر ہو گئے ہو؟"

"نہیں میں بُزدل ہی ہوں۔"

وہ جواباً کچھ بولنے لگی تھی کہ کسی کی آواز پر کھولتے لب تھمے۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

عینی نے جھٹکے سے سر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھا جس نے زیام کی طرح بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی۔

تو کیا یہ اتنی دیر سے ہماری باتیں سن رہا تھا لیکن مجھے اس کی موجودگی کا احساس کیوں نہیں ہوا۔

عینی دِل میں سوچ رہی تھی مگر بول نہیں پائی تھی۔سامنے کھڑا شخص اُس کے تاثرات سے سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہو گی۔

"آپ کو یہاں بیٹھے دیکھا تو سوچا مل لوں یہ نہ ہو آپ مُجھے بھول چُکی ہوں۔"

"نہیں بھولی۔" وہ مریل سی آواز میں بس اتنا ہی بولی۔اُس کے چہرے پر خجالت عیاں تھی۔

"میں سید نقیب شاہ۔۔" نقیب نے زیام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"جی میں آپ کو پہچان گیا تھا۔"

زیام رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ملاتے بولا۔

عینی نے اچنپٹی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

یعنی کہ میں ہی ہوں جسے اِس کا نہیں پتہ مگر یہ ہے کون؟

نقیب عینی کو سوچ میں گم دیکھ کر مسکرایا۔

"میں آئسکریم کھانے آیا تھا آپ لوگ کھائیں گے؟"

وہ اُن کا جواب سنے بغیر لینے چلا گیا تھا۔

عینی نے مڑ کر اُسے آئسکریم کارنر کی طرف جاتے دیکھا۔

"عینی؟" زیام نے نقیب کو اُن سے دور کھڑا دیکھ کر عینی کو پُکارا۔

"ہاں؟" اُس نے زیام کے پکارنے پر نظریں نقیب سے ہٹا کر اُس کی طرف کیں۔

"تمھارا واسطہ سیاستدانوں سے کب سے پڑنے لگا؟" عینی نے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب نقیب کو کیسے جانتی ہو؟"

"مال میں سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔"

"مطلب اب تک تعلق صرف شناسائی کا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" عینی اُلجھے لہجے میں بولی۔

میری دعا ہے تُم لوگ شناسائی سے ہمراہی تک پہنچ جاؤ۔عینی اب بھی ماتھے پہ سلوٹیں لیے نا سمجھی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”اگر کبھی یہ تُم سے اپنے جذبات کا اظہار کرے تو اسے ٹھکرانا نہ ورنہ بعد میں تُمہیں خود بھی تکلیف جھیلنی پڑے گی جیسے میں جھیل رہا ہوں اور پتہ نہیں کب تک جھیلوں گا۔“

عینی اُس کی بات پر خاموش نظروں سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

”تم سے اس لیے بات کرنے آیا تھا کہ شاید تمھارے ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست سے خود کو نکال سکوں۔“

”زیام تُم میرے پسندیدہ لوگوں کی فہرست سے نکلے ہی کب تھے کہ ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست میں شامل ہوتے۔“

”مطلب فاطمہ ٹھیک کہتی تھی۔“

”کیا کہتی تھی؟“

”کہ پسندیدہ لوگوں کی فہرست سے کسی کو نکالنا آسان نہیں ہوتا۔“

”زیام میری ایک بات مانو گے؟“

وہ ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

مطلب وہ سننے کے لئے تیار تھا اور سننے کے بعد وہ انکار کب کر سکتا تھا اُس نے تو صرف ماننا سیکھا تھا۔

”کبھی علیحہ ملے تو اُسے گوانا مت۔۔“

”میں ایسا کر چکا ہوں۔“ وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

”نہیں مجھے لگتا ہے وقت پلٹے گا۔“

”تُم کہنا چاہ رہی ہو دُنیا پلٹ جائے گی؟“

”کیا؟“ وہ اُسے پھر اُلجھا گیا تھا مگر اب کی بار بغیر جواب دیئے اور بنا پلٹے چلا گیا تھا۔

”خود بھی اُلجھے ہوئے ہو دوسروں کو بھی اُلجھا دیتے ہو۔“

زیام کی پُشت کو دیکھتے اُس نے خود کلامی کی۔

”زیام کہاں گیا؟“

نقیب نے ہاتھ میں آئسکریم کے تین کپ تھامے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں کہاں جائے گا۔“ وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

”تُم زیام کو کیسے جانتے ہو؟“ عینی کو اُس کے اتنی بے تکلفی سے زیام کا نام لینے پر خیال آیا۔

”میں نہیں جانتا تُم سے نام سنا ہے۔“

وہ بے نیازی سے بولا تھا اور اُس نے آئسکریم کے دو کپ اپنے سامنے رکھے تھے اور ایک عینی کی جانب کھسکا دیا تھا۔

عینی اُس کی اِس حرکت پر مسکرائی تھی مگر وہ اپنی دھن میں سر جھکائے کھانے میں مصروف ہو چکا تھا۔وہ کھانے کے معاملے میں بالکل تکلف نہیں کرتا تھا۔

”دوسروں کی باتوں پر کان رکھنے کی عادت ہے کیا؟“ عینی نے اُس کے جھکے سر کو دیکھتے پوچھا۔

”ہاں ضروری بات ہو تو رکھ لیتا ہوں۔“ وہ سر جھکائے مزے سے بولا۔

"یہ شناسائی کا تعلق کیا ہوتا ہے؟"

عینی کے اگلے سوال پر اُس نے سر اٹھایا تھا۔

"جو تمھارا اور میرا ہے۔" وہ شوخ لہجے کے بولا۔

"کیسے؟"

"ہم صرف ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں مگر ایک دوسرے کے بارے میں کچھ جانتے نہیں ہیں۔"

"اور جان گئے تو کیا ہو گا؟" عینی نے اگلا سوال داغا۔

"تعلق۔۔" یک لفظی جواب آیا۔

"کیسا تعلق؟"

"ہم جس کے بارے میں جانتے ہیں اُس سے ہمارا کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے ربط سمجھتی ہو نہ؟"

عینی نے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی۔

"ہمارا بہت سے لوگوں سے ربط ہوتا ہے خاندان والوں سے دوستوں سے اور۔۔" وہ لمحے بھر کو رکا تھا۔

"اور؟؟" وہ متذبذب سی پوچھنے لگی۔

"اور جن سے ہم نفرت یا محبت کرتے ہوں اُن سے بھی ہمارا تعلق ہوتا ہے وہ ہمارے بارے میں اور ہم اُن کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوتے ہیں۔" نقیب نے اپنی آئسکریم کی ڈبیا اُٹھا کر تاسف سے دیکھی۔اُس کو جواب دینے کے چکر میں آدھی آئسکریم پگھل چکی تھی۔

"شناسائی اور ربط کے بیچ میں کیا ہوتا ہے؟"

"جدائی۔۔" اب کی بار نقیب نے تیز لہجے میں جواب دیا تھا اُسے اپنی آئسکریم کے پگھل جانے کا دکھ تھا۔

"بہت سے لوگوں سے صرف چند لمحوں کی شناسائی ہوتی ہے پھر وہ زندگی کی بھیڑ میں کھو جاتے ہیں اور ہم اُنہیں بھول جاتے ہیں اکثر ہم ان کی شکل تک بھول جاتے ہیں۔ہم شناسائی سے پھر نا شناسائی تک پُہنچ جاتے ہیں۔"

"اور ہمراہی کیا ہوتی ہے؟" عینی اب متجسس سی پوچھ رہی تھی۔نقیب کے اب تک کے دیئے جوابوں سے وہ اس سے متاثر ہوئی تھی۔

"شناسائی اور ربط کی سیڑھی کے بعد جو منزل ملتی ہے وہ ہمراہی ہوتی ہے۔"

"ہمراہی کون ہوتے ہیں؟"

وہ پہ در پہ سوال پوچھ رہی تھی۔

وہ اِس سوال پر ہنسی دبا گیا تھا۔

"جو تُم اور میں ہونگے۔" نقیب نے سادگی سے جواب دیا۔

"کیسے؟"

"ظاہری بات ہے شادی کر کے ہی زندگی بھر ساتھ چلا جا سکتا ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

اور سامنے بیٹھی لڑکی کا اپنی اُردو کمزور ہونے پر ماتم کرنے کو دِل چاہا۔وہ اس کی بات پر حیران ہوئی تھی اور نقیب کا نارمل انداز مزید حیران کر رہا تھا۔وہ ایسے ظاہر کروا تھا جیسے اُس نے کوئی بات کی ہی نہیں، کی بھی ہے تو اتنی بڑی نہیں کہ اس پر غور کیا جائے۔

"اپنی کھاؤ مُجھے کیوں ایسے دیکھ رہی ہو۔"
نقیب سر آئسکریم کے دوسرے کپ پر جھکائے اُس کی خود پر جمی نظروں کو محسوس کرتے بولا۔
عینی خجالت مٹانے کے لیے اِدھر اُدھر نظریں گھماتی سامنے پڑی آئسکریم میں چمچ گھمانے لگی جو اب کھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔نقیب کے الفاظ اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے بے اختیار اس کے رُخسار گلابی پڑے تھے۔

....

وہ کھڑکی کے شیشے کے پٹ کھول کر کھڑا تھا ٹھنڈی ہوا اُس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔
اُسے ہوا میں دھول کی موجودگی کا احساس ہوا تھا وہ سامنے رنگوں میں نہلا منظر دیکھ رہا تھا۔
جومیرہ ساحل پر رات کا منظر دِن کے منظر سے کئی گنا زیادہ خوبصورت لگتا تھا۔
پانی پر پچھلی جانب نظر آتی عمارتوں کی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا اور پانی کے نیلے رنگ کی جگہ مختلف رنگوں نے لے لی تھی۔

پانی میں تیرتی کشتی میں بھی مختلف رنگوں کی روشنیاں لگائی گئی تھیں جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کروا رہی تھی مگر زیام زیادہ ہی متوجہ ہوا تھا اس کی نظریں اُسی کشتی پر جمی تھیں۔

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔

اُسے اچانک سے اونچائی کا احساس ہوا تھا۔

وہ اِس ساحل پر بنے بُرج العرب ہوٹل کی پینتسویں منزل پر کھڑا تھا وہ ہمیشہ اونچائی سے خوف زدہ ہوتا تھا مگر اس بار نہیں ہوا تھا۔

اُس نے دوبارہ کشتی پر نظر ڈالی اور پھر مسکراہٹ کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتا لفٹ کی جانب بڑھا۔

اگلے چند منٹوں میں وہ اُسی کشتی پر سوار تھا وہ کھڑکی سے کشتی کو ساحل کی جانب آتا دیکھ چُکا تھا۔

کشتی میں بیٹھ کر وہ نیچے چہرہ کیے پانی پر پڑتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں بیٹھے سامنے نظر آتا بُرج العرب نیلے رنگ میں ڈھلا لگ رہا تھا بیرونی سطح پر لگا شیشہ نیلا رنگ منعکس کر رہا تھا۔

وہ اُس منظر میں خود کو کھویا ہوا محسوس کر رہا تھا کشتی اب کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اُس نے کشتی سے نیچے اُترتے جوتے اُتار کر پاؤں ساحل کی ٹھنڈی ریت پر رکھے تو اندر تک سکون اُترا تھا۔

وہ اب سر گھٹنوں میں دیئے ریت پر بیٹھے بڑبڑانے لگا تھا۔

اُس کی بڑبڑاہٹ ساتھ بیٹھے شخص نے بھی سنی تھی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر زیام سر جھکائے بس وہی الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔

”میں اتنا بے بس کیوں ہوں؟
کیا ہر بُزدل شخص بے بس ہوتا ہے؟“

مریان اب مُسلسل اُسے دیکھ رہا تھا۔
وہ یہاں سکون کی تلاش میں آیا تھا اور ساتھ بیٹھے شخص کے الفاظ اُس کا مزید سکون غارت کر رہے تھے۔
”میرا دِل چاہتا ہے میں اپنی بے بسی پر روؤں۔“ اُس کا لہجہ دکھ سے اٹا تھا۔
مریان نے اِس بار بھنویں سکیڑ کر زیام کو دیکھا تھا جو خود کلامی کے انداز میں بول رہا تھا۔

”بے بسی پر رونے کی بجائے پُر سکون ہو جانا چاہیے۔اِنسان بے بس تبھی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے ہمارا فیصلہ نہ چل سکے۔
اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رونا کیسا اُس کے فیصلوں پر یقین کر کے پُر سکون ہو جاؤ۔“
زیام نے سر اُٹھا کر ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر اندھیرے میں شکل ٹھیک سے نظر نہیں آئی تھی۔
”مگر میں خود سے شرمندہ ہوں۔“
وہ جواب چاہتا تھا اور اُسے جواب دینے والا مل گیا تھا۔
”اللہ کے سامنے بے بس ہونے میں کیسی شرم۔۔“

”بے بس شخص کو بُزدل کہا جا سکتا ہے؟“ زیام نے اُس کے اُکتا کر اُٹھ جانے کے ڈر سے فوراً سے اگلا سوال کیا۔

”جتنی بھی بہادری دیکھا لی جائے ہم اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے بس ہی ہوتے ہیں۔“

”مگر میں بہت اہم چیزیں بے بسی کی نظر کر آیا ہوں۔“

”تو دوبارہ ڈھونڈھ لو ہو سکتا ہے اب کی بار اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بدل گیا ہو۔“

وہ اُسے بتاتے وقت خود بھی لمحے کو رکا تھا۔

میں دوسروں کو بتا رہا ہوں تو میں خود کیوں نہیں آزماتا ہو سکتا ہے میرے حق میں کیے گئے فیصلے بھی بدل گئے ہو۔ کہیں اندر سے آواز آئی تھی جسے اُس نے جھٹکا۔

”اور اگر کوئی بے بس نہ ہو جو حاصل کرنا چاہتا ہو وہ اُسے مل سکتا ہو اور وہ چھوڑ آئے تو مطلب خود بے بس بن کر بیٹھا ہو؟“

مریان کو لگا تھا یہ سوال نہیں تماچہ تھا جس سے اسے درد محسوس ہوئی تھی۔ وہ بھی تو یہی کر کے آیا تھا وہ حاصل کر سکتا تھا پھر کیوں چھوڑ آیا تھا؟ وہ شخص اُسے خود سے سوال کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

مریان کو وہ اپنی ہی کشتی کا مسافر لگا تھا جو خود کنارہ چھوڑ کر آیا تھا۔

”ہمارے لکھے گئے فیصلے میں شاید بچھڑنا لکھا ہو اسی لیے ہم اُنہیں چھوڑ آئے ہو۔“

زیام اُس کے "ہم" لفظ کہنے پر حیران ہوا تھا۔

”اِس بے بسی سے نجات مل سکتی ہے؟“

زیام افسردہ لہجے میں بولا۔

”ہاں شاید تب مل سکتی ہے جب جدائی ختم ہو جائے۔“

”اور اگر کبھی نہ ہو تو کُچھ جُدائیاں عمر بھر کی بھی ہوتی ہیں۔“

”ہاں تب ہوتی ہیں جب عمر ہی ختم ہو جائے ورنہ یہ دُنیا کہیں نہ کہیں لوگوں کو ملا ہی دیتی ہے۔ کبھی نہ کبھی بچھڑے ہوئے لوگ آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں مگر تب ہمیں اُن کی ضرورت نہیں ہوتی تب ہم اُن سے بھاگنا چاہتے ہوتے ہیں اُنہیں اپنے سامنے نہیں دیکھنا چاہتے مگر ہم جس چیز سے بھاگنا چاہیئں وہ بار بار ہمارے سامنے لا کر کھڑی کر دی جاتی ہے۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو۔پاکستان سے ہو؟“

زیام نے اُس سے اُردو بولنے کی وجہ سے پوچھا تھا

”ہاں کراچی سے ہوں۔“

”میں بھی کراچی سے ہوں اُمید ہے ہماری دوبارہ ملاقات ہو گی۔“

زیام کھڑا ہوا اور کپڑوں پر لگنے والی ریت جھاڑنے لگا۔

مریان بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"سید زیام شاہ" زیام ہاتھ اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

”مریان لکھانی۔۔“ وہ نام بتاتے چند قدم آگے ہوا تھا۔

روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تھی۔اس کی مقناطیسی شخصیت تھی۔زیام کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

وہ پہچان گیا تھا کہ جس شخص سے وہ کل ملنے والا تھا اُس سے آج ہی ملاقات ہو گئی تھی۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔میں نے سنا تھا آپ اچھے سیاستدان ہیں اور میرے بابا نے کہا تھا آپ سے ملوں گا تو مجھے یقین بھی ہو جائے گا اور مُجھے اُن کی بات پر یقین ہو گیا ہے۔

آپ اچھے اِنسان ہیں اور کسی شعبے میں اچھے لوگ ہی اچھی کارکردگی دیکھا سکتے ہیں۔

اچھا اِنسان ہونا ضروری ہے۔اُمید ہے ہماری اگلی ملاقات جلد ہو گی۔"

مریان نیچے جھکا تھا اور ریت مُٹھی میں بند کیے دوبارہ کھڑا ہوا تھا۔

"مریان لکھانی ریت کی طرح ہے ایک بار کسی کے ہاتھوں سے نکل جائے تو اُسے واپس ملنا مُشکل ہوتا ہے۔

وہ ہاتھ میں موجود ریت کے ذرے نیچے گراتے ہوئے بولا تھا اور پلٹ گیا تھا۔

یہ کتنا پُر سکون نظر آتا تھا۔اُس کی شرینی جیسی میٹھی آواز ہے، اندر باہر سے مطمئن اِنسان لگتا ہے۔

کتنا خوش قسمت ہے یہ شاید اُس نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔

زیام اُس کی پُشت دیکھتا سوچتا رہا اور اس کے اوجھل ہو جانے پر شانے اچکا کر دوبارہ وہیں بیٹھ گیا۔

اُسے سامنے کا منظر اب پہلے سے زیادہ پُر سکون لگ رہا تھا کیونکہ جانے والا اُس کی بہت سی ذہنی الجھنیں ساتھ لے گیا تھا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹنے لگا تھا کہ موبائل کی بیپ پر متوجہ ہوا اور ہاتھ بڑھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا موبائل اُٹھایا۔

"کیا بات ہے نقیب۔۔" کال اٹھاتے وہ بیزاری سے بولا۔

وہ جانتا تھا وہ ہمیشہ کی طرح پاکستان آنے کا کہے گا مگر اس بار ایسا نہیں ہونے والا تھا۔

"تم سے ایک بات کرنی تھی۔" مریان نے محسوس کیا وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہا تھا۔اُس کا چہکتا انداز مفقود تھا۔

"ظاہری بات ہے نقیب کال بات کرنے کے لئے ہی کی جاتی ہے۔اب پاکستان آنے کا نہ کہنا کیونکہ میں چند دنوں تک پاکستان آ رہا ہوں۔"

"اب اِس کا فائدہ نہیں۔"

"نقیب تُم ناراض ہو؟"

مریان کو نقیب کے جواب سے تعجب ہوا تھا اُسے اُمید تھی وہ اُس کے آنے کی خبر سن کر خوش ہو گا۔

"میں ناراض نہیں ہوں لیکن پارٹی تم سے بہت ناراض ہے۔"

"آ کر اُن کی ناراضگی بھی ختم کر دوں گا۔" لاپرواہی سے جواب دیا۔

"وہ تمہیں کو سیٹ سے ہٹانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔" مریان اُس کی بات سننے کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔

"مریان تُم ٹھیک ہو؟" نقیب کو اُس کی خاموشی سے فکر مندی ہوئی۔

"ہاں ٹھیک ہوں اور کل ہی پاکستان آ رہا ہوں۔

اب پاکستان آنا زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔

سامنے جا کر بازی پلٹنی پڑے گی۔"

"تُمہیں استعفیٰ دینا ہی پڑے گا میں جانتا ہوں ان کے مطالبات تم نہیں پورے کرو گے۔

خاموشی سے پیچھے ہٹ جائیں بہتر ہے ورنہ اِن کی دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"تُم چاہ رہے ہو میں ان سے ڈر کر بدک کر بیٹھ جاؤں۔یہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟" مریان کی آواز اونچی ہوئی تھی۔

"اِس بات کا اندازہ بعد میں ہوتا ہے۔" نقیب کی مریل سی آواز اُس کی سماعتوں تک گئی۔

"دیکھ لیتے ہیں پھر کہ یہ میرا کیا کر سکتے ہیں۔"

"لازمی نہیں آپکو ہی نقصان پہنچایا جائے آپ سے وابستہ لوگوں کو بھی نقصان پُہنچایا جا سکتا ہے۔" نقیب کی آواز کسی کھائی سے آئی تھی۔

"تُم سے مُجھے ایسی بزدلانہ باتوں کی توقع نہیں تھی۔" مریان نے غصے سے فون بند کیا۔

نقیب نے گہرا سانس لیا۔

اُس کی کنپٹی پر پستول کا دباؤ بڑھایا گیا تو اُس نے موبائل اپنے سر پر کھڑے شخص کو تھما دیا تھا۔

"تم اُسے شک میں مبتلا کرنے والی باتیں کر رہے تھے۔ تمہیں صرف استعفیٰ دینے پر رضا مند کرنے کو کہا تھا تم اُسے بھڑکانے بیٹھ گئے۔"

"میں نے ایسا نہیں کیا۔" نقیب غُصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"ہو تو تُم بھی سیاستدان غلطی ماننے والی خاصیت تو تُم میں بھی نہیں ہے۔"

ساتھ میں ہمدان رؤف کا قہقہہ بُلند ہوا تھا۔

جس نے نقیب کے ماتھے پر شکنیں مزید گہری کر دی تھیں۔

"تُم جانتے ہو میں آزاد ہوا تو تمھارے خلاف کیا کیا اقدام اُٹھا سکتا ہوں؟" نقیب کا انداز تنبیہہ تھا۔

"اور تُمہیں لگتا ہے تُم جیسے معمولی سیاستدان کے میرے خلاف لگائے گئے الزامات کوئی مانے گا؟"

وہ نقیب کی بات سے گویا محظوظ ہوا تھا۔

"پاکستان کی سیاست کی سب سے بڑی پارٹی کا صدر ہوں میں اور تُم مُجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔"

"مریان لکھانی کی کمزوریاں بتاؤ ورنہ اپنا حشر دیکھو۔" پستول کا دباؤ دوبارہ اس کی کنپٹی پر بڑھایا گیا تھا۔

"میں کُچھ نہیں بتاؤ گا۔" وہ بضد تھا۔

ہمدان رؤف نے اُس کی ہٹ دھرمی پر بُرا سا منہ بنایا۔

"انڈھیلو اس پر گرم پانی۔"

پاس کھڑے شخص نے حکم کی تعمیل کرتے اُس پر پانی انڈھیلا نقیب کو جسم میں آگ اترتی محسوس ہوئی۔

وہ اپنی بندھی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ بازوں لپیٹ کر جھکا تھا مگر اب بھی پورے جسم میں جلن محسوس ہو رہی تھی۔

”جان تو میں سب سکتا ہوں اور جان بھی لوں گا مگر تُم فضول قسم کی دوستی کے پیچھے خود کو تکلیف دو گے۔“

”جاؤ جو کر سکتے ہو کر لو۔“ نقیب اب کی بار دھڑا تھا۔

”تُم بھی آواز اونچی کر کے میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ ہمدان رؤف اسی کے انداز میں بولا۔

”میں بھی دیکھتا ہوں تمھارا دوست کب تک آ کر تُمہیں چھڑواتا ہے۔ آتا ہے تو اُس کا دم بھی دیکھ لوں گا۔“

”ہماری غلطی کیا ہے جو تُم ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو؟“

”تُم لوگوں کی غلطی ہے کہ تُم لوگ اچھے سیاستدان بننے پر تُلے ہو اپنی ایمانداریاں جھاڑنا چاہتے ہو۔ عوام کے سامنے اچھے ثابت ہونا چاہتے ہو۔ تُم لوگ اچھے اِنسان ہوتے ہوئے سیاست میں آئے اور یہاں آ کر بدلے بھی نہیں یہ ہے تُم لوگوں کا قصور۔“ ہمدان رؤف نے تھوڑی پر اُنگلی رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”اچھا تو تُم ہمیں حق پر کھڑے ہونے کی سزا دے رہے ہو تو پھر تو چاہے آگ میں جھونک دو میں اپنی بات سے نہیں ہٹوں گا۔“ نقیب کی آنکھوں سے سرخی ٹپک رہی تھی۔

"آگ میں بھی جھونکوں گا اور تُم برداشت بھی نہیں کر سکو گے۔" طنزیہ مسکراہٹ ہمدان رؤف کے چہرے پر پھیلی۔

"اگر تمھارا دوست میری بات مان گیا تو میں تمہیں اور اسے بخش دوں گا بلکہ بہت عزت دوں گا۔" ہمدان رؤف نے نقیب کے موبائل سے مریان کا نمبر ملایا وہ جانتا تھا وہ اس کی کال نہیں اُٹھائے گا۔

"نقیب مُجھے تُم سے فلحال بات نہیں کرنی۔" مریان غصے میں بولا تھا۔
"مُجھ سے بھی نہیں کرو گے؟"
وہ فون رکھنے ہی والا تھا کہ ہمدان رؤف کی آواز پر اُس کا خون کھول اٹھا تھا جو وہ مزید کھولانے والا تھا۔

"اب آپ کو کیا بات کرنی ہے؟" مریان اس کی نقیب کے ساتھ موجودگی پر ٹھٹھکا تھا۔
"تمھارا دوست اِس وقت اپنا جلا جِسم سہلا رہا ہے۔میری مخالفت سے باز آ جاؤ اور اس کی رہائی کا پروانہ حاصل کر لو۔" اُس کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح مریان کے دماغ پر لگے تھے۔
"تمھاری ہمت کیسے ہوئی اُسے پکڑنے کی۔"
"میری ہمت کو مت للکارو یہ اور بھی بہت کچھ پکڑ سکتی ہے تمھاری زندگی بھی۔۔"
وہ زندگی لفظ پر زور دیتے بولا تھا۔

"بہت گھٹیا اِنسان ہو تم۔۔" غصے سے اُس کے دماغ میں شرارے پھوٹنے لگے تھے۔

"جانتا ہوں اب تُم بتاؤ اِس گھٹیا پن میں میرا ساتھ دو گے؟"

"میں کسی بھی معاملے میں تمھارا ساتھ نہیں دوں گا۔" اُس کا لہجہ حتمی تھا۔

"مجھے ذلیل کر کے نکالا تھا تُم نے تُم بھول گئے تھے کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں تُم اب تک ہمدان رؤف کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے تھے مگر اب لو گے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" مریان نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں۔

"جیسے سب چل رہا ہے چلنے دو اور میرے خلاف بولنے کا سوچنا بھی نہ۔۔"

"تُم عوام کے لئے بھیجی گئی ساری رقم خود کھا رہے ہو اور تُم چاہ رہے ہو میں تمھارے خلاف کُچھ نہ کہوں؟ عوام چند نوالوں کو ترستی ہے اور تُم اُن کے حق پر ڈاکہ ڈال رہے ہو اور اس میں باقی سب کو بھی شامل کر رہے ہو۔خود تو گناہوں کے دندل میں ہو دوسروں کو بھی دھکیل رہے ہو۔" اُس کی بات پر ہمدان رؤف نے جاندار قہقہہ لگایا۔

"یہاں برسوں سے سب یہی کر رہے ہیں اور کوئی نہیں بولتا اور جو بولنے کی کوشش کرتا ہے وہ یا تو سیاست میں نہیں رہتا یا تو اِس دنیا میں نہیں رہتا اور تُم حکومت کو کُچھ بھی کہہ لو وہ بھی تمھاری نہیں سنے گی وہ جانتے ہیں اگلی حکومت ہماری ہے وہ میری پارٹی یا میرے ساتھ کبھی بھی دشمنی مول نہیں لیں گے۔تُم صرف وقت کی بربادی کرو گے۔" ہمدان رؤف نے فخر سے کالر جھاڑا۔

"یہ وقت بتائے گا اگلی حکومت کس کی ہے۔"

مریان کا انداز چیلنجنگ تھا۔

"تُم ہماری پارٹی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہو تُم اپنی پارٹی کے خلاف آواز اُٹھانے لگ پڑے ہو تُمہیں یہ پارٹی برداشت نہیں کر سکتی تمھارا استعفیٰ تُمہیں پاکستان آتے ہی مل جائے گا اور اگر سیٹ سے اُترتے تُم نے ہمارے خلاف زہر اُگلا تو تمھاری موت کی ضمانت میں تُمہیں دیتا ہوں۔

اپنی پارٹی بنانے کا تو سوچنا بھی نہ کیونکہ میں اُس میں کسی کو شامل نہیں ہونے دوں گا نہ ہی اُسے چلنے دوں گا اگر تم ایسا سوچ رہے ہو تو یہ دیوانے کا خواب ہے نئی بننے والی پارٹیوں کی برسوں نہیں سنی جاتی۔"

"مریان لکھانی کو موت سے ڈرا کر تُم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو اور میری سوچ سے تمھارا کوئی تعلق نہیں۔نہ ہی میں تُم جیسے لوگوں میں رہنا چاہتا ہوں۔"

"چلو پھر کل تک آکر اپنے دوست کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔"

"اور کل تُم خود کو میرے ہاتھوں سے بچانے کی تیاری کرو۔"

مریان نے زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔

یہ سر نہیں جُھکتا ہے سلاطین کے آگے

ایسا ہمیں انداز وراثت میں ملا ہے

~~

مریان سر تھامے کھڑا تھا وہ جانتا تھا ہمدان رؤف کس قدر خطرناک اِنسان ہے۔اُس کی پُہنچ پاکستان کے ساتھ دوسرے ممالک کی مایہ ناز شخصیات تک بھی تھی اور اُس کے خلاف جانا ہر لحاظ سے خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔

اُسے خطروں کا خوف نہیں تھا مگر وہ نقیب کو اس خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا وہ اپنی غلطیوں کی سزا کسی اور کو نہیں دلوانا چاہتا تھا۔

اُسے نقیب کی فکر تھی وہ جلد از جلد پاکستان پُہنچنا چاہتا تھا لیکن اُس وقت پاکستان کوئی فلائٹ نہیں جا رہی تھی اُسے کل شام کی فلائٹ کی ٹکٹ ملی تھی۔

اُس نے موبائل اُٹھایا اور اب وہ علیحہ کو کال ملا رہا تھا جو دوسری بیل پر اُٹھا لی گئی تھی۔

”جی سر اس وقت کال کی کوئی ضروری بات کرنی تھی؟“ علیحہ کی غنودگی بھری آواز اُبھری۔

”ہاں بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ وہ کُچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”جی بولیں۔“

”تمھاری ٹیکٹس بُک کروا دی ہیں کل تُم دوبئ آ رہی ہو۔“

"جی؟"

علیحہ کو لگا تھا نیند کی وجہ سے اُسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

"مُجھے کل پاکستان آنا ہے یہاں بہت ضروری میٹنگ ہے اور چند دِن میں واپس نہیں آ سکتا تو تمھیں وہاں کا کام سنبھالنا ہو گا۔"

"لیکن سر مجھے تو بزنس کے بارے میں کچھ نہیں پتہ اور میں دوبئ کیسے آ سکتی ہوں۔"

"تمہارا پاسپورٹ اسی لیے بنوایا تھا کہ ملک سے باہر جانے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور میری خاطر تھوڑی سی پریشانی جھیل لو۔"

"مُجھے اجازت نہیں ملے گی۔" علیحہ نے معزرت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تُمہیں کل دوبئ موجود ہونا ہے تُمہیں کام سمجھا کر جاؤں گا۔"

مریان نے اگلی بات میں اُس کی معزرت رد کر دی تھی۔

"سر میرے لئے بہت مُشکل ہو گا میں آپکے احسانوں کے بدلے کُچھ بھی کر سکتی لیکن میں ایسے نہیں آ سکتی۔"

"مُجھے احسان کے بدلے احسان نہیں چاہیے مُجھے مدد چاہیے۔" مریان کا انداز دو ٹوک تھا۔

"سر آپ کی مدد کے لئے وہاں بہت سے لوگ موجود ہونگے۔"

"میں نے تُم سے مدد مانگی ہے اور انکار مُجھے نہیں سننا۔"

علیحہ نے انکار کرنے کو الفاظ ابھی ڈھونڈھے بھی نا تھے کہ لائن بے جان ہو گئ۔

"سید زیام شاہ۔۔" مریان سیاہ سکرین کو دیکھ کر بڑبڑایا تھا۔

علیحہ نے بے بسی سے موبائل دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر دھرا۔ نیند اچانک سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ انکار کرنے کی تجویزیں سوچنے لگی تھی مگر مریان کے احسانات کے سامنے سب تجویزیں بھربھری ریت کی دیوار ثابت ہو رہی تھیں۔ اُس کے لیے مریان کی ضد اور رویہ سمجھ پانا مُشکل تھا۔

اُس نے مریان کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا وہ اتنے تلخ لہجے میں اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ اُس نے گہرا سانس کھینچتے کرکٹ لی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی وہ اپنے محسن کو انکار نہیں کر سکتی۔

....

"سر مجھے اُس لڑکی کے متعلق سب تفصیلات مِل گئی ہیں۔"

وہ شخص اپنی مونچھوں کو بل دیتا ہمدان رؤف کو بتا رہا تھا۔ اُس کی بات سے ہمدان رؤف کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی تھی۔

جبکہ یہ سن کر تھوڑے فاصلے پر بندھے نقیب کی فکر مندی مزید بڑھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کس لڑکی کی بات ہو رہی تھی۔

اِس وقت اِن کے لئے سب سے اہم مریان لکھانی کی کمزوری ڈھونڈھنا تھا اور مریان کی سب سے بڑی کمزوری آج بھی روحا سادام ہی تھی۔

وہ خود سے زیادہ روحا کی وجہ سے پریشان ہوا تھا کیونکہ وہ روحا کے لئے مریان کے جذبات سے با خوبی واقف تھا۔

وہ جانتا تھا اب روحا خطرے میں ہے اور یہ بھی کے یہ لوگ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔وہ دِل میں مریان کے جلد یہاں تک پُہنچ جانے کی دعا کر رہا تھا۔

روحا اپنے سامنے بیٹھے سیگریٹ کے کش لگاتے امین بخش کو دیکھ رہی تھی۔
جو ہر کش سے لطف اندوز ہو رہا تھا چہرے پر بلاں کا اطمینان تھا جو روحا کو کھٹک رہا تھا۔
"میں سمجھی تھی آپ نشہ چھوڑ چکے ہیں۔"
وہ تیکھی نظروں سے دیکھتے بولی۔

"ہاں تمھاری بھرپور کوششیوں کی وجہ سے میں نشہ چھوڑنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔" امین بخش نے فخریہ گردن اٹھائی۔

"اچھا۔۔؟"

روحا کا انداز طنزیہ تھا۔

"ہاں۔۔"

امین بخش ابھی بھی پُر سکون انداز میں بولا تھا۔

"اور یہ سیگریٹ کس زُمرے میں آتی ہے؟"

"یہ۔۔یہ تو؟"

اب کی بار وہ سوال سمجھ آنے پر جواب دیتے گڑبڑایا۔

"میں بتاؤں؟"

مگر خاموش رہا اُسے روحا کے بارے میں اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اجازت نہ ملنے پر بھی اپنے فلسفے ضرور اُس تک پہنچائے گی۔

"یہ خود کُشی کے زُمرے میں آتی ہے۔"

سامنے بیٹھے شخص کا اُس کی بات پر منھ کھلا رہ گیا تھا کیونکہ روحا نے اُس کی سوچ سے بڑا فلسفہ جھاڑا تھا۔

"خود کُشی کے زُمرے میں کیسے؟"

"یہ خود کو ہلکا ہلکا زہر دینے والی بات ہے اِنسان ایک بار میں زہر کھا کر مرے یا آہستہ آہستہ اِس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اور خود کُشی حرام ہے نشہ کرنے والے حرام موت مرتے ہیں یہ بات اہم نہیں کہ نشہ کس قسم کا ہے یا کس مقدار میں ہے نشہ، نشہ ہے اور اس کا اس سے بڑا نقصان نہیں ہو سکتا کہ اِنسان اپنی زِندگی کے ساتھ ساتھ آخرت بھی خراب کر لے۔"

امین بخش نے پھٹی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

"مُجھے تمھارا فلسفہ پسند آیا۔"

امین بخش ستائشی انداز میں بولا۔

"یہ میرا فلسفہ نہیں ہے یہ اسلام کی اِنسان کو دی گئی رہنمائی ہے۔اگر ہم اِس پر عمل کر لیں تو اس آفت سے بچ سکتے ہیں۔"

"اچھا بابا میں جا رہی ہوں۔"

روحا علیحہ کو دیکھ کر اُس کی طرف متوجہ ہوئی اور کھڑے ہو کر اُس کے گلے لگی۔

علیحہ نے اُسے کال کر کے جانے کی اطلاع دی تھی اور آنے کا کہا تھا تو وہ اُسے الوداع کرنے آئی تھی۔

"بابا اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ اب امین بخش سے گلے مل رہی تھی۔

"میں نے کیا خیال رکھنا ہے تمھاری دوست ہے نہ ہر طرح سے خیال رکھتی ہے۔"

امین بخش کی بات پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی۔

"امی اتنا جذباتی ہونے کی کیا بات ہے بس ایک ہفتے کی تو بات ہے۔"

نصرین بیگم علیحہ کے گلے لگ کر رو رہی تھیں علیحہ نے ہتھیلی بڑھا کر اُن کے آنسووں صاف کیے۔

"جذباتی سینز ختم ہو گئے ہو تو کیا اب ہم چلیں؟"

روحہ مزے سے بولتی چل پڑی۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گا۔"

امین بخش نے روحا کی پیش قدمی کی۔

روحا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔وہ پیچھے نہیں تھا دوبارہ آگے دیکھا تو وہ اُس سے بھی آگے چل رہا تھا۔روحا سر جھٹکتے مسکرائی۔

"علیحہ چُپ کیوں ہو؟"

روحہ ونڈ سکرین کے پار سڑک پر نظریں جمائے اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"پاکستان چھوڑ کر جانے کا دِل نہیں کر رہا۔"

"اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو ایک ہفتے کے لیے جا رہی ہو ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہی ہو۔ تمہیں تو اس بات کی خوشی ہونی چاہیے کہ تمہیں دوبئ دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔" وہ روحا کی بات پر دھیرے سے مسکرائی۔

"دعا ہے تمھاری واپسی تک سب پہلے جیسا رہے۔"

ایئر پورٹ کے سامنے گاڑی روکے روحا اُسے الوداع کر رہی تھی۔

"بس یہی سے الوداع کر رہی ہو؟" وہ بھجھی بجھی نظر آ رہی تھی۔

"میں جذباتی نہیں ہونا چاہتی اور نہ تُمہیں کرنا چاہتی ہوں۔" روحا گاڑی کے شیشے سے گردن نکالے بیٹھی تھی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" روحا امین بخش کو گاڑی کا دروازہ کھولتا دیکھ کر بولی۔

"علیحہ کو چھوڑ کے آتا ہوں۔"

"پھر میں آپ کو یہاں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

امین بخش نے بُرا سا منہ بناتے دروازے سے ہاتھ پیچھے ہٹایا۔

علیحہ ہاتھ ہوا میں لہراتی مسکراتے ہوئے چل پڑی۔

روحا وہیں بیٹھے اُسے جاتا دیکھتی رہی پھر گاڑی آگے بڑھا لی۔

روحا نے سامنے سے آتی گاڑی دیکھ کر گاڑی روکی۔
سڑک تقریباً خالی تھی صبح جلدی کی فلائٹ تھی اور وہ زیادہ ہی جلدی نکل پڑے تھے۔
"کون ہیں یہ؟"
امین بخش نے سامنے گاڑی سے نکلتے تین آدمیوں کو دیکھ کر پوچھا۔روحا نے شانے اچکاتے ہوئے لا علمی کا مظاہرہ کیا۔
اُنہوں نے گاڑی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔
روحا اُن کی عجیب نظروں سے دیکھنے پر چوکنا ہوئی تھی۔
اُس نے گاڑی کا دروازہ نہیں کھولا تھا۔
وہ کُچھ بول رہے تھے مگر شیشے سے آواز اندر نہیں آ رہی تھی۔روحا کو اُن کی شکلوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اُن کے مقاصد ٹھیک نہیں۔
وہ اب دروازہ زیادہ قوت سے کھٹکھٹا رہے تھے۔
روحا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُن کی کاروائی دیکھ رہی تھی۔

ایک آدمی نے پاس پڑا پتھر اُٹھایا۔

روحا معاملے کی سنگینی سمجھ چکی تھی اُسے احساس تھا اگر پتھر سے شیشہ توڑنے کی کوشش کی گئی تو وہ زیادہ زخمی ہو سکتے ہیں۔

روحا امین بخش کو اندر بیٹھے رہنے کی تلقین کرتی دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

وہ دروازہ کھلتا دیکھ کر پیچھے ہو گئے تھے اور روحا کے باہر نکلتے ہی اُس پہ پستول تان لی تھی۔

"مُجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" روحا نے کاٹ دار نظروں سے اُسے دیکھا۔

"تُمہیں لے جانا چاہتے ہیں۔" اُس کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ عود کر آئی۔

"کہاں لے کر جانا ہے؟"

روحا کے دماغ میں پہلا خیال سلیم رضا کا آیا تھا۔اُسے اپنا ایک ہی دشمن لگتا تھا مگر وہ اپنے دشمنوں کی فہرست سے بے خبر تھی۔

"تُمھارے سوالوں کے جواب دینے نہیں آئے آرام سے ساتھ چلو ورنہ نقصان کی زمہ دار تُم خود ہو گی۔"

"نہیں جاؤں گی کیا کرو گے گولی چلاؤ گے؟

چلو چلاؤ۔"

روحا نے اپنی کنپٹی پر موجود پستول پر اپنے ہاتھ سے دباؤ بڑھایا پستول جلد میں مزید گھسی تھی مگر وہ آنکھوں میں سنجیدگی لئے سامنے کھڑے لحیم شحیم شخص کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔سامنے کھڑے شخص کو علم ہو گیا تھا کہ اُسے خوف زدہ کرنا مُشکل ہے۔

اُس کی نظر گاڑی میں بیٹھے امین بخش پر گئی تھی اور اس نے ساتھ کھڑے شخص کو اُسے گاڑی سے باہر نکالنے کا اشارہ کیا۔

"اُنہیں کُچھ نہیں کہنا۔"
روحا نے اُن کے ارادے بھانپتے ہوئے فکر مندی سے بولی تھی اور اس کی فکر مندی دیکھ کر سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔
وہ شخص امین بخش کی کنپٹی پر پستول رکھے اُسے گاڑی میں سے کھینچ کر لایا تھا اور روحا کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔
"اگر ہمارے ساتھ نہ گئی تو یہ نہیں بچے گا۔"
"میں چل رہی ہوں انہیں کُچھ مت کہیے گا۔" روحا نے بظاھر گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔
"ہمارے ساتھ ہوشیاری نہ کرنا تمھارے ساتھ کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔" اس نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
روحا اُس کے اشارے پر عمل کرتی چند قدم آگے چلی تھی پھر ٹانگ پیچھے کی جانب کھینچ کر پیچھے آتے شخص کی ٹانگ میں اٹکاتے آگے کی جانب کھینچی تھی۔
نیتجتاً وہ شخص توازن کھو کر گرا تھا ساتھ میں پستول بھی گری تھی جو روحا نے فوراً جھک کر جھپٹ لی تھی اور اِس انداز میں سامنے کھڑے لوگوں پر تانی تھی جیسے وہ چلانے میں اُن سے زیادہ مہارت رکھتی ہو۔

وہ لوگ اُس کی اِس قدر تیز رفتاری سے کی گئی کروائی پر دنگ رہ گئے تھے اور ہونک زدہ کھڑے تھے۔

”مزید ہوشیاری نہیں ورنہ میں گولی چلا دوں گی۔“ مقابل کھڑا دوسرا شخص اسی انداز میں پستول تانے بولا۔

روحا امین بخش کا بازو تھامے پیچھے کی جانب گاڑی کی طرف کھسک رہی تھی وہ گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی بھگا لینا چاہتی تھی۔

”ایک قدم اور بڑھایا تو اس بار واقعی گولی چلا دوں گا۔“ اُس نے دوبارہ دھمکی دی مگر روحا سادام کے سامنے ہر دھمکی بے سود تھی۔اُسے خوف زدہ کرنا آسان نہیں تھا۔

روحا نے مزید قدم پیچھے بڑھائے اور گاڑی کے پاس پُہنچ کر گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا تھا کہ مقابل کی پستول سے گولی نکل چکی تھی۔

روحا پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر اس کے آگے ڈھال بن کر کوئی کھڑا ہو گیا تھا۔

روحا نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے امین بخش کو دیکھا تھا جو اس کے حصے کے زخم خود کھائے کھڑا تھا۔

”یہ کیا کر دیا آپ نے؟“ علیحہ مُجھے آپ کی زمہ داری سونپ کر گئی تھی۔میں اُسے کیا جواب دوں گی؟“ اُس کی آواز بھرائی تھی۔وہ امین بخش کے زمین پر پڑے وجود کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی۔

”تمھارے بھی تو بہت احسان تھے۔“

امین بخش نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں اپنی زمہ داری نہیں نبھا پائی۔" روحا آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُس کے جسم سے بہتے خون کو دیکھتے ہوئے بولی۔

سامنے کھڑے شخص نے آگے بڑھ کر روحا کے ہاتھ سے پستول دبوچا اور اس کے دونوں بازوں کو دوسرے ہاتھ کی گرفت میں لیا۔روحا نے مزاحمت کی تھی مگر پکڑ مضبوط تھی۔

"وہ زخمی ہیں وہ مر جائیں گے۔"

روحا چلا رہی تھی مگر وہ سن رہے تھے۔امین بخش کی بند ہوتی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو لڑھک کر زمین پر گرے تھے۔

"کون کہتا ہے کہ احسان نہیں اتروائے جاتے ہمیں کہیں نہ کہیں اپنے احسانوں کے بدلے مل جاتے ہیں یا ہمیں لینے پڑتے ہیں۔احسان رائیگاں جانے والی چیز نہیں۔"

"چھوڑو مجھے وہ مر جائیں گے میں علیحہ کو کیا کہوں گی کہ میں اس کے باپ کو مرتا دیکھتی رہی۔" اُس آواز میں اذیت تھی تکلیف تھی مگر سننے والے بے حس تھے۔

پیچھے کی جانب سے اُس کے منہ پر پٹی باندھی گئی تھی۔پٹی دانتوں کے بیچ سے جبڑے کے گرد کس کر باندھی گئی تھی وہ چاہ کر بھی نہیں بول سکی تھی۔

اُنہیں بتائی گئی جگہ پر روحا کو پہنچا کر وہ اُسے کُرسی کے گرد باندھ رہے تھے وہ مزاحمت کر رہی تھی مگر بے سود تھی۔ ہمدان رؤف روحا کے سامنے آ کر بیٹھا تھا۔

روحا کی پیشانی پر بل پڑے تھے وہ ایک لمحے میں اُسے پہچان گئی تھی پاکستان میں کون تھا جو ہمدان رؤف کو نہیں جانتا تھا وہ اُسے جانتی تھی مگر وہ اُس کے اِس روپ کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ اُس نے اشارہ کر کے روحا کے پاس کھڑے اُسی لحیم شحیم آدمی کو منہ سے پٹی اُتارنے کا اشارہ کیا۔

"تُم لوگوں میں انسانیت ہے؟ تم لوگ کسی کو مرتا ہوا چھوڑ کر کیسے آ سکتے ہو؟ اگر انکل کو کُچھ ہوا میں تُم لوگوں کو چھوڑوں گی نہیں۔" وہ پٹی کھلتے ہی پھٹ پڑی تھی۔

اُس کے پاس کھڑے شخص نے اُس کی کرسی کو ٹھوکر لگائی تھی اور کُرسی لڑکھڑاتی ہوئی نیچے گری تھی۔ روحا کا سر زمین پر لگا تھا۔

اُس کی ہلکی سی کراہ نکلی تھی اور آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ ہمدان رؤف کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"یہ سب کرنے کے بعد مریان تُم لوگوں کو چھوڑے گا نہیں۔"

کُچھ فاصلے پر بندھا نقیب نے تاسف سے سر نفی میں ہلایا جیسے اُن کے انجام کا سوچ کر ان سے ہمدردی ہوئی ہو۔

"مُجھ سے ہمدردی نہ کرو تمھارا خود کا حال ایسا ہے کہ تُم سے ہمدردی کی جا سکتی ہے۔"

ہمدان رؤف اُس کے زخموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہتا کھڑا ہوا۔

نقیب دانت پیستے اُسے جاتا دیکھتا رہا۔

پھر نظر روحا پر ڈالی۔اُس کے سر سے خون نہیں بہہ رہا تھا مگر اُسے اندازہ تھا کہ گہری اندرونی چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے وہ فوراً ہوش کھو بیٹھی تھی۔اُسے اپنی بے بسی پر افسوس تھا وہ رسیوں میں بندھے بازوں کے ساتھ اُس کے لیے کُچھ نہیں کر سکتا تھا۔

....

مریان سامنے پڑی فائل پر شہادت کی اُنگلی رکھے علیحہ کو سمجھا رہا تھا۔

”سر آپ پریشان ہیں؟“

علیحہ نے اُس کے چہرے کی پریشانی بھانپتے

ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔“یک لفظی جواب آیا تھا۔

مریان کے موبائل کی بیپ بجی تھی وہ موبائل کان سے لگائے اُسے میٹنگ روم کی جانب جانے کا کہتا باہر نکلا۔علیحہ حیران سی اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

وہ خوف زدہ تھی کہ وہ میٹنگ کیسے کرے گی یہ اُس کا پہلا تجربہ تھا۔پہلے تجربے سے قبل ہر شخص خوف زدہ ہوتا ہے اور وہ بھی تھی۔اس سے سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ میٹنگ مریان اُس سے ہی کیوں کروانا چاہتا ہے۔

مریان باہر نکلا تھا اُسے زیام اندر داخل ہوتا نظر آیا وہ اُس کی نظروں سے بچتا آفس سے باہر نکلا اور کال پر موجود اپنے سیکرٹری سے زیام کو ڈائریکٹ میٹنگ روم میں بھیجنے کی تلقین کی۔

سیکرٹری رابطہ منقطع کرتے فوراً زیام کی طرف بڑھا تھا اور اُسے میٹنگ روم کے سامنے چھوڑ کر واپس مڑ گیا تھا۔زیام لاک کھولتے سر جھکائے اندر داخل ہوا۔

اُسے احساس ہوا تھا کہ وہاں کوئی اور بھی موجود ہے اُس نے سر اٹھایا اور سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر بے حس و حرکت ہو گیا۔وہ اُسے پہلے ہی دیکھ چُکی تھی اور بت بنے اُسے دیکھ رہی تھی۔زیام اُس کی آنکھوں میں اترتی نمی محسوس کر چکا تھا۔

"علیحہ تُم یہاں۔۔؟"

وہ اتنا ہی بول پایا تھا مگر وہ کُچھ نہیں بول پائی تھی جواب بھی نہیں دے پائی تھی۔وہ ساکت سی اُسے سنی جا رہی تھی۔

"علیحہ بیٹھ جاؤ ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"

زیام نے سنبھلتے ہوئے کُرسی کی جانب اشارہ کرتے اسے بیٹھنے کا کہا۔

مگر وہ بس یک ٹک اُسے دیکھ رہی تھی اس کی بھی نہیں سن رہی تھی۔زیام کی پریشان حال آنکھیں دیکھ کر وہ خاموش رہی۔

"علیحہ تُم سُن رہی ہو نہ؟" زیام نے اُسے سُن کھڑا دیکھ کر اُس کے بازو پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر پوچھا۔

وہ اُس کا بازو جھٹکتے زُبان سے ایک حرف بھی ادا کیے بغیر کمرے سے باہر نکلنے لگی۔اُس کا دماغ حقیقتاً الفاظ سے خالی ہو گیا تھا۔

زیام وہیں کُرسی پر ڈھ گیا تھا۔

دِل کہہ رہا تھا اگر وہ دوبارہ مل ہی گئی ہے تو اُسے روک لے۔مگر ابھی اُس کے پاؤں میں خود بہت سی زنجیریں تھیں جو اُسے قدم نہیں بڑھانے دے رہی تھیں۔

علیحہ کمرے سے باہر آئی کہ موبائل کی بیپ پر فون اُٹھایا۔

"جی امی۔۔"

"علیحہ واپس آ جاؤ میرے بچے واپس آ جاؤ۔"

نصرین بیگم کی آبدیدہ آواز اُبھری۔

"امی سب خیریت ہے نہ؟"

"نہیں تمھارے بابا کو گولی لگی ہے وہ ہاسپٹل میں ہیں۔"

"کیسے؟ بابا کو کیسے گولی لگی؟" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"وہ لوگ صبح سے تمھیں چھوڑنے گئے تھے مگر واپس نہیں آئے۔تھوڑی دیر پہلے روحا کے نمبر سے کال آئی تھی کسی راہگیر نے کی تھی مجھے ہسپتال آنے کا کہا تمھارے بابا کی حالت بہت خراب تھی با مُشکل بول پا رہے تھے اب ہوش میں نہیں ہیں آپریشن چل رہا ہے۔"

"اور روحا کہاں ہے؟" اُسے اگلا خیال روحا کا آیا۔

"وہ کہہ رہے تھے اُسے کوئی لے گیا ہیں۔"

"کون لے گیا ہے؟"

"کوئی غنڈے تھے شاید۔۔۔" علیحہ نے بے چینی سے موبائل اسکرین کو دیکھا۔

"میں سر سے بات کرتی ہوں۔" وہ مزید کو تسلی یا دلاسہ نسرین بیگم کو نہیں دے سکی تھی۔

علیحہ نے کال کاٹتے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ مریان کا نمبر ملایا۔

مریان گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا کہ میسج کی آواز پر اُس نے مڑ کر سیٹ پر پڑے موبائل کو دیکھا۔

آنے والی ویڈیو چلائی اُس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ پیدا ہوئی تھی۔

تمھاری زندگی میرے پاس ہے اور تمھاری زندگی کو میں کسی بھی وقت ختم کر سکتا ہوں۔

مریان نیچے لکھے الفاظ اور اُس حواس کھوئی لڑکی کو دم سادھے دیکھ رہا تھا۔چند منٹ ساکت نظریں اُس پر جمائے بیٹھا رہا۔

"اور تُمہیں کیا لگتا ہے ہمدان رؤف تُم میری زِندگی کو چھیڑو گے اور میں تُمہیں بخش دوں گا کبھی نہیں تُم میرے ہاتھوں سے مرو گے۔"

وہ ضبط کی انتہا پر تھا۔آنکھوں میں سُرخ لکیریں بنی تھیں۔

وہ موبائل پٹخنے لگا تھا کہ علیحہ کی کال آنے پر ہاتھ روکے۔

"ہاں بولو علیحہ۔۔"

وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اُس سے کر رہا تھا۔

”سر مجھے پاکستان جانا ہے۔“ اُس کی نمی گھلی آواز کانوں میں پڑی تو مریان کا ماتھا ٹھنکا۔
”کیوں جانا ہے؟ چند گھنٹے پہلے تو آئی ہو“ وہ سرد مہری سے بولا۔اُسے زیام کو دیکھنے کے بعد علیحہ کے ردِ عمل کا تو اندازہ تھا پر وہ ایک دم سے واپس جانے کا کہہ دے گی اس بات کی امید نہیں تھی۔
”سر میرے بابا ہاسپٹل میں ہیں اُنہیں گولی لگی ہے۔“
”لیکن کیسے؟“ اب کی بار وہ فکر مندی سے بولا تھا۔
”سر پلیز مُجھ پر آخری بار احسان کر دیں۔“ اُس کا لہجہ التجائیہ تھا۔مریان نے گہرا سانس لیا۔
”ٹھیک ہے میں تمھاری ٹکٹس کے لئے بات کرتا ہوں دعا کرو فوراً سے مل جائیں اور تُم آفس میں ہو؟“
”ہاں وہیں ہوں۔“
” ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں پریشان مت ہو۔“
وہ خود نہیں سمجھ پایا تھا وہ کیسے اُسے تسلی دے رہا تھا حالانکہ وہ اس سے زیادہ پریشان تھا۔

چند منٹوں میں وہ اس کے پاس کھڑا تھا اور وہ ہاتھوں پر چہرہ گرائے مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔
”علیحہ رونے کا فائدہ نہیں ہے مل گئی ہیں تمھاری ٹکٹس تین گھنٹوں بعد فلائٹ ہے۔“
مگر وہ ہنوز چہرہ گرائے رو رہی تھی۔
زیام میٹنگ روم سے نکلا تھا اور سامنے کا منظر دیکھ کر وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔
مریان دروازہ کھلنے کی آواز پر پلٹا تھا۔

اور زیام کے تاثرات بھانپتے ہوئے اُسے پکارا تھا۔
وہ ہاتھوں کو پینٹ کی جیبوں میں ڈالے سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتا اُس تک آیا تھا۔
"انہیں کیا ہوا ہے؟"
نزدیک آنے پر اُسے احساس ہوا تھا کہ علیحہ سسکیوں سے رو رہی ہے۔وہ مریان کی اُس کے پاس کھڑے ہونے کی وجہ سمجھ گیا تھا۔
اُسے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے رو رہی تھی۔پچھلی بار بھی تو اُس کی وجہ سے روئی تھی۔
"اِس کے بابا کے ہسپٹلائزیڈ ہونے کی خبر آئی ہے۔"
"کیا ہوا ہے اُنہیں؟" زیام کے ماتھے پر ابھریں لکیریں معدوم ہوئیں۔
"گولی لگی ہے۔"
"کیسے لگی؟ وہ اب کیسے ہیں؟" وہ چاہ کر بھی مریان کے سامنے اپنی فکرمندی نہیں چھپا سکا تھا۔
"میں نہیں جانتا بتایا نہیں مجھے تُم پوچھ لو۔
اِس کے پاس بیٹھو میں ابھی آتا ہُوں۔""ل وہ زیام کے کندھے پر ہاتھ رکھتا آگے بڑھ گیا۔
علیحہ نے مریان کی بات پر سر اُٹھایا۔وہ اُسے زیام کے حوالے کر گیا؟ لیکن کیوں؟ وہ اپنی سوجھی آنکھیں سے مریان کی پُشت دیکھتے سوچ رہی تھی۔
کون تھا جو اپنی زندگی کو موت کے پاس دیکھ کر دوسروں کے آنسوؤں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

کون تھا جو دوسروں کے احساسات تب بھی محسوس کر رہا تھا جب اُس کے احساسات روندے جا رہے تھے۔وہ مریان لکھانی تھا وہ دلوں میں رہنا جانتا تھا۔

اُس نے آفس میں جا کر میز پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں وہ فلحال اور کُچھ نہیں کر سکتا تھا۔
اُس کے موبائل پر ویڈیو کال آ رہی تھی وہی نمبر دیکھ کر اس نے فوراً اُٹھا لی تھی۔
"کیا بکواس کر رہے ہو کوئی تعلق نہیں میرا اُس سے میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"
روحا کی ہٹ دھرمی پر سامنے والے نے زناٹے دار تھپڑ اُس کے گلابی رخساروں پر رسید کیا تھا۔
مریان نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔اُس کی آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں۔وہ بے بس تھا اور اُسے اُس کی بے بسی کا ہی احساس دلایا جا رہا تھا۔
"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
الفاظ اُس کی سماعتوں سے ٹکرائے تھے اُس نے کال کاٹ دی تھی وہ مزید نہ دیکھ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا۔اُس کی آواز کانوں میں شور کرنے لگی تھی۔

"علیحہ تُم ٹھیک ہو؟" زیام کی تفکر بھری آواز پر اُس نے زیام کی آنکھوں میں جھانکا۔
"تُمہیں پوچھنے کا حق نہیں۔" اُس کے یوں دیکھنے پر اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔اُسے اگلا سانس لینے پر دشواری محسوس ہوئی۔
"میرے پاس تمھاری فکر کرنے کا بھی حق نہیں؟"

"نہیں فلحال تمھارے پاس کوئی حق نہیں ہے۔" علیحہ نے چہرے کا رُخ پھیر لیا۔

"فلحال؟؟" وہ حیرت سے بولا تھا۔

"بعد میں ہو گا کیا؟"

"نہیں تمھارے پاس کبھی بھی کوئی حق نہیں ہو گا سارے حق میرے پاس ہونگے۔"

مریان سینے پر بازوں لپیٹے دیوار کے ساتھ پاؤں ٹکائے ترچھا کھڑا اُنہیں دیکھ رہا تھا۔

"بعد میں تُم میرے پاس ہو گی؟"

علیحہ اس سوال پر خاموش ہو کر رہ گئی۔

مریان دونوں کو خاموش پا کر اُن کے پاس آیا تھا۔

"چلیں علیحہ۔۔"

"جی سر۔۔" وہ سر جھکائے آگے چل پڑی تھی۔

زیام آنکھوں میں حسرت لیے اُس کی پُشت دیکھنے لگا۔کتنی جلدی اُس نے مریان کی بات پر عمل کیا تھا۔

"مریان رکو۔"

زیام مریان کو چلتا دیکھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔علیحہ آگے بڑھ گئی تھی۔

"ہاں کہو۔۔"

"ایک سوال ہے جواب چاہیے۔" وہ متذبذب نظر آتا تھا۔

"میرے پاس بھی جواب نہ ہوا تو؟"

"نہیں تمھارے پاس ہو گا۔" زیام کا انداز یقین سے بھرا تھا۔

"دیکھ لیتے ہیں پھر۔۔" مریان نے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑیسے۔

"کیا دُنیا گھوم سکتی ہے اور آسمان پلٹ سکتا ہے؟"

مریان کے لب خود بخود مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"تمھارے ساتھ کسی نے گیم کھیلی ہے میرے دوست۔۔" مریان نے اُس کا کندھا تھپتھپایا۔

"کیسے؟" زیام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ دُنیا گھوم ہی رہی ہے اور آسمان روز پلٹتا ہے۔"

"آسمان پلٹتا ہے؟" وہ مزید متعجب ہوا۔

"نیلے سے پیلے، پیلے سے نارنجی اور نارنجی سے سیاہ رنگ کی طرف پلٹتا ہے۔

مطلب اِس میں ناممکنات والی بات نہیں۔ یہ تو روز کا معمول ہے۔"

"پھر اُس نے ایسا کیوں کہا کہ اگر زمین گھوم گئی اور آسمان پلٹ گیا تو مجھے وہ مل جائے گی۔" زیام نے سفید فرش پر نظریں جما کر خود کلامی کی۔

"مطلب تُمھیں وہ مل کے رہے گی کیونکہ زمین کا گھومنا اور آسمان کا پلٹنا طے ہے۔"

ایک اور سوال ہے۔

"تُم سوالوں کی دکان ہو؟" وہ مسکرایا تھا پر اس کی آنکھیں نہیں مسکرائی تھیں اُن میں نمی ٹھہری ہوئی تھی۔

"نہیں مجھے جوابوں کا بہتا دریا مل گیا ہے۔

تُم نے کہا تھا تُم ریت کی طرح ہو کسی کے ہاتھ سے نکل جاؤ تو دوبارہ ملتے نہیں ہو پھر مُجھے آج کیسے مل گئے؟"

"ریت ابھی تمھارے ہاتھ میں ہے۔" وہ جواب دیتا مڑا تھا۔

"یہ جواب لاجواب تھا۔"

زیام پیچھے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

مریان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

علیحہ نے گاڑی کے شیشے سے پار دیکھتے ہوئے پوچھا۔مریان اُس کے لہجے میں خفگی محسوس کر چکا تھا۔

"کُچھ سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔"

"اچھا۔"

وہ بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی تھی وہ واقعی سوال نہیں پوچھنا چاہتی تھی۔

"زیام کو کیسے جانتے ہیں؟"

"تُم اُسے کیسے جانتی ہو؟"

فوراً سے اُلٹا سوال آیا تھا۔وہ اپنی عادت پر لوٹ آیا تھا۔

"م۔می۔۔میں نہیں جانتی۔" وہ ایسے جھینپی تھی جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

"وہ خود کو بے بس محسوس کرتا ہے مگر مُجھ سے زیادہ بے بس نہیں ہے۔" مریان اُس کے لا علم بننے کو نظر انداز کر گیا تھا۔

"یکطرفہ محبت کے بعد اُس کے عذاب بھی جھیلنے پڑتے ہیں۔" اُس کی بات پر مریان نے سیدھی گردن اُس کی طرف موڑی تھی مگر وہ شیشے سے پار دیکھ رہی تھی۔

"دو طرفہ محبت بھی عذاب دیتی ہے اور دو لوگوں کو جھیلنے پڑتے ہیں۔"

وہ مریان کی بات کا مطلب سمجھ چکی تھی وہ دونوں واقعی دو طرفہ محبت کے عذاب جھیل رہے تھے۔

"محبت میں عذاب کیوں ہوتے ہیں؟"

"تُم دونوں کو اتنے سوال پوچھنے کی بیماری کیوں ہے؟" علیحہ کو اُس کی حاضر جوابی نے خاموش کروا دیا تھا۔

"محبت مسئلہ نہیں ہے۔مسائل محبت کرنے والے لوگ پیدا کرتے ہیں۔"

مریان اُس کے خاموش ہونے پر بولا تھا۔

"مسائل پیدا کیوں کرتے ہیں؟"

"تُم دونوں نے کیوں کیے؟"

"آپ جواب کی جگہ اُلٹا سوال کیوں پوچھتے ہیں؟"

"لا جواب کرنے کے لئے۔" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور وہ لا جواب ہو گئی تھی۔

"مسائل تب پیدا ہوتے ہیں جب ہم محبت کو نہیں سمجھ پاتے۔"

"محبت کیا ہے؟"

"سامنے والے کو سمجھنا اُس کے جذبات، احساسات، اچھائی بُرائی کو سمجھنا۔"

"آپ نے اُسے نہیں سمجھا؟"

"اُس نے مجھے غلط سمجھا۔"

وہ جانتا تھا وہ روحا کی بات کر رہی ہے۔وہ بھی جانتی تھی وہ جس سے مخاطب ہے وہ سب سمجھ جاتا ہے۔

"اور اگر وہ آپ کو سمجھ جائے تو؟"

"دیر ہو جائے گی۔" اُس نے مبہم سا جواب دیا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟"

"ریت زیادہ دیر ہاتھ میں نہیں رہتی اسے پکڑنے کے لئے مہارت چاہیے ہوتی ہے۔"

"وہ ہر چیز میں ماہر ہے۔"

"مجھے لگتا ہے ہم ایک دوسرے کے راز بخوبی جانتے ہیں۔" علیحہ اب مریان کی طرف رخ کیے بولی تھی۔

"پھر اس بات کو بھی راز رہنے دو۔"

مریان بغیر اُس کی طرف دیکھے بولا۔

"وہ خطرے میں ہے۔"

"نکل جائے گی خطرے سے وہ ہر چیز میں ماہر ہے نہ۔" مریان نے جتاتے ہوئے کہا۔

"آپ نکال لیں گے؟"
"جو خطرے میں ڈالے پتہ نہیں وہ خطرے سے نکال سکتا ہے یا نہیں۔"
"مریان لکھانی سب کر سکتا ہے۔" اس نے جیسے اصل سے روشناس کروایا۔
"ہاں اگر تمھاری طرح کوئی حوصلہ بڑھائے تو مریان لکھانی آسمان گھوما سکتا ہے اور زمین پلٹ سکتا ہے۔"
علیحہ کو الفاظ سنے ہوئے لگے تھے مگر الفاظ میں ردو بدل گیا تھا۔

"مجُھے یہاں کیوں بلایا تھا؟
بس آخری سوال ہے۔"
علیحہ مریان کے ماتھے پر پڑتی شکنیں دیکھ کر فوراً سے بولی۔
"تا کہ تُم اور زیام ایک دوسرے سے مل لو اُس کی باتوں سے مجُھے لگا تھا وہ تُم سے ملنا چاہتا ہے۔"
"اُس نے میرے بارے میں کیا بتایا؟" سرسری سا پوچھا۔
"نہیں اُس نے تمھارا نام نہیں لیا تھا بلکہ اس نے کسی لڑکی کا بھی نہیں کہا تھا۔میں نے تمہیں اور زیام کو ایک بار ساتھ دیکھا تھا اور بہت خوش دیکھا تھا اور جب تُم دونوں کو الگ الگ دیکھا تو اُداس دیکھا۔میں تُم دونوں کی اُداسی ختم کرنا چاہتا تھا۔"

"ہماری اُداسی ایسے نہیں ختم ہو سکتی تھی آپ کو مجُھے یہاں نہیں بلوانا چاہیے تھا۔

میں نہ آتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" اُس نے تھک کے گہری سانس لی۔
"تُم نہ آتی یقیناً پھر بھی ایسا ہی ہوتا۔
قسمت کے آگے ہماری کاش نہیں چلتی اسے چلانے کی کوشش نہ کیا کرو۔جو یہ سمجھتے ہیں کہ اچھے یا بُرے حالات کے پیچھے اُن کا ہاتھ ہے وہ سب سے زیادہ احمق لوگ ہوتے ہیں۔" مریان کی بات پر وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

بوٹنیکل گارڈن کے آہنی بینچ پر بیٹھی وہ سامنے کھیلتے ابراہیم کو پدرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اُس کی اسکائی بلو میکسی سکرٹ نیچے ڈھلکنے کی وجہ سے اس کے ہائی پلیٹ فارم کے جوتے میکسی کے نیچے چھپ گئے تھے۔اُس نے گود میں پڑے وضع دار سیچل پرنٹڈ بیگ کی زپ کھولی موبائل نکالا اور اُس میں مصروف ہو گئی۔
بینچ کے دوسرے سرے پر کسی کے بیٹھنے پر اُس نے چہرے کا رُخ اُس کی جانب کیا۔ تئیس،چوبیس سالہ لڑکا دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملائے سامنے کھیلتے ابراہیم کو سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا گود میں سُرخ گلاب دھرا پڑا تھا۔امل چہرہ سیدھا کرنے لگی کہ ایک لمحے کو ٹھہری نظر اُس کی آنکھوں پر ڈالی وہی لاجوردی آنکھیں۔۔پھر وہی کرتب باز؟
جارج نے اپنے بالوں کے بز کٹ کو جیل لگا کر سیٹ کر رکھا تھا۔گہرے سبز رنگ کی سویٹ شرٹ تلے نیلی جینز پہنے وہ آج نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔اُس کی شخصیت میں سب سے بڑی تبدیلی اُس کے ماسک کی غیر موجودگی تھی۔امل اُسے کبھی بھی نا پہچان پاتی اگر اُس نے اس کی لاجوردی آنکھوں میں

جھانکا نا ہوتا۔ سرد سی لاجوردی آنکھیں جنہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ آنکھیں کبھی روئی نہیں تھیں۔ وہ صرف مسکراتی تھیں، سنجیدہ ہو ہوتی تھیں یا ساکت ہو جاتی تھیں۔ اُس نے گود میں پکڑا سُرخ گلاب بینچ پر رکھ دیا۔ امل نے ایک ترچھی نگاہ اس سُرخ گلاب پر ڈالی پھر سامنے دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں؟" لاجوردی آنکھوں میں تعجب اُبھرا۔ وہ اُسے کیسے پہچان لیتی تھی اور کوئی اس پُر اسرار ماسک والے کرتب باز اور اس کے ساتھ بیٹھے شخص کو ایک نا سمجھتا پھر وہ کیسے سمجھ گئی تھی۔

"مجھے لگا آپ صرف آواز سے پہچان پائیں گی مگر آپ تو چہرے سے پہچان لیتی ہیں اور پارک کی طرف جاتا دیکھ کر میں نے واقعی آپ کا پیچھا کیا ہے۔"

"چہرے سے نہیں آنکھوں سے۔۔" امل کے تصحیح کرنے کے انداز پر وہ ہنسا تھا۔

"ماما گھر چلیں میں تھک گیا ہوں۔" امل نے ابراہیم کو اُٹھا کر اپنے اور جارج کے درمیان بینچ پر بیٹھا لیا تھا۔ اُس کے ماما کہنے پر جارج متحیر سا ان دونوں کی جانب دیکھنے لگا۔ بچے کی ماں تو وہ کہیں سے نہیں لگتی تھی پر جب وہ ماما کہہ رہا تھا تو شک کی بات کہاں رہ گئی تھی۔

"شادی شدہ ہیں آپ۔۔؟" جارج نے دِل کی تسلی کو پوچھنا لازم سمجھا تھا۔

"طلاق یافتہ۔۔" وہ ضرورت سے زیادہ صاف گو تھی۔

وہ اب اپنی باہم ملیں ہتھیلیوں پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا تھا۔ اُسے وہ لڑکی اچھی لگی تھی کیونکہ وہ مسلمان تھی اور اُسے مسلمان اچھے لگتے تھے۔

"میں چلتا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا اور ہاتھ امل کی جانب بڑھایا۔امل نے اُس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا پر ہاتھ اُس کی جانب نہیں بڑھایا۔

"میرے خیال سے مسلمان مرد تو غیر مسلموں سے ہاتھ ملا لیتے ہیں۔" اُس نے اب ابراہیم کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ابراہیم نے اپنا ہاتھ اُس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

"آوچ" ابراہیم اُس کی مضبوط گرفت پر کراہا۔

وہ دونوں بیک وقت مسکرائے۔

اُس نے بینچ سے سُرخ گلاب اُٹھا کر ابراہیم کی جانب بڑھایا تو اُس نے پہلے امل کی جانب دیکھا جس کے اشارے پر اُس نے جارج کے ہاتھوں سے گلاب تھام لیا اور جواباً مسکرا کر جارج کو شکریہ کہا۔امل کو وہ یہاں کے دوسرے مردوں کے نزدیک بہت زیادہ مہذب لگا تھا۔وہ جواب نا دینے پر اِسرار نہیں کرتا تھا، انکار کرنے پر بحث نہیں کرتا تھا اور ایک بار پیچھے ہٹنے پر دوبارہ پیچھا نہیں کرتا تھا۔وہ ارادی طور پر کبھی اُس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔ہاں اگر وہ اُسے کہیں نظر آ جاتی تھی تو وہ اس سے بات کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔اُسے یہاں دیکھ جارج کو اتنا یقین تو ہو گیا تھا کہ اُن کہ گھر قریب ہیں اور وہ واقعی وہاں کی رہائشی ہے۔

وہ اُٹھا اور جانے کے لیے قدم بڑھائے کہ اچانک مڑا جینز کی جیب سے گہرے سبز رنگ کا کاغذ نکالا۔ شاید اُسے یہ رنگ پسند تھا۔اُس پر کُچھ لکھا اور امل کی جانب بڑھا دیا۔امل نے بغیر تذبذب کہ فوراً پکڑ لیا ایک نظر اُس پر ڈالی جہاں ایک نمبر درج تھا جو یقیناً اُس کا ہی ہو سکتا تھا۔امل نے گود میں دھرے بیگ کی زپ دوبارہ کھولی کاغذ لپیٹ کر اُس میں رکھا اور زپ بند کر دی۔جارج اُس کے کاغذ

رکھ لینے پر مسکراہٹ اُس کی جانب اچھالتے مڑا۔اُس کے پُر اسرار مسکراہٹ والے ماسک کی بدولت اس کی مسکراہٹ بہت مختلف تھی کیونکہ وہ بہت دلکش تھی۔

~~

آذر ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی نبیہا کو دیکھتا ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا۔اس کے سامنے پڑے ریموٹ کو تیزی سے جھپٹتا پیچھے ہٹا اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے صوفے پر بیٹھ گیا۔اُس نے ریموٹ کے بٹن پر اُنگلی رکھی تھی کہ نبیہا چلا اُٹھی۔

”آذر تُم نے ریموٹ لے لیا ہے مگر تُم چینل نہیں بدلو گے۔“ نبیہا نے تنبیہ کی۔

”اور میں نے ریموٹ برگر سمجھ کر کھانے کے لئے لیا ہے اگر چینل ہی نہیں بدلنا۔“

”میرا پسندیدہ ڈرامہ لگا ہوا ہے تُم ماما بابا کے کمرے میں جا کر میچ دیکھ لو بلکہ روحا کے کمرے میں جا کر دیکھو۔“ نبیہا نے بازوں آگے کر کے ریموٹ پکڑنا چاہا پر آذر نے ہاتھ فوراً پیچھے کھسکا لیا۔

”دیکھوں گا تو اُس کے ساتھ ہی پر یہیں دیکھوں گا۔اُسے بلا کر لاؤ۔“

”وہ گھر نہیں ہے۔“

”اتوار کو کہاں گئی ہے؟“ اُسے تعجب ہوا۔

”علیحہ کے گھر گئی ہے۔“ نبیہا نے چمکتی آنکھوں سے بتایا۔

"ایک تو دو کام کے لوگ ہیں میری زندگی میں دونوں مُجھے نظر انداز کر کے علیحہ کے پیچھے لٹو ہوئے رہتے ہیں۔" آذر نے تاسف بھری سانس کھینچی۔

"اب تُم نہیں دیکھ رہے تو مُجھے ریموٹ واپس دے دو۔" نبیہا کا انداز التجائیہ تھا۔

"نہیں تُم بھی میرے ساتھ میچ دیکھو گی۔"

"مُجھے نہیں دیکھنا میچ ویچ۔"

نبیہا پھبرتے ہوئے بولی لیکن آذر کے گھورنے کے انداز میں دیکھنے پر خاموشی سے سیدھی ہو کر ٹی وی کی سکرین دیکھنے لگی تھی۔

"آذر تمھاری پڑھائی ختم ہو گئی ہے تو اب تُم آگے کیا کرو گے؟" نبیہا نے اُسے مسلسل خاموشی سے میچ دیکھتا دیکھ کر پوچھا۔

"کام کروں گا۔"

"کیسا کام؟؟"

"ہڈ حرامی کا۔" آذر ٹی وی کی سکرین پر نظریں جمائے مزے سے بولا۔نبیہا بُرا سا منھ بنا کر رہ گئی۔

موبائل کی بیپ کی آواز پر آذر نے میز پر پڑے نبیہا کے موبائل پر نظر ڈالی۔نبیہا نے موبائل پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا کہ آذر نے اُس سے پہلے موبائل پکڑ لیا تھا۔

"کس کی کال ہے؟"

"روحا کی ہے۔"

آذر نے پُر جوش انداز میں بتاتے کال اُٹھائی۔

مگر کال اُٹھاتے ہی سارا جوش ہوا ہو گیا تھا۔

چہرے پر موجود مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہو گئی تھی۔موبائل وہیں رکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا آذر؟" یکایک اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے پر نبیہا مضطرب سی پوچھنے لگی۔

"کسی نے علیحہ کے بابا کو گولی لگائی ہے اور وہ روحا کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔" وہ بولا تو اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"کون لوگ؟"

"میں فلحال کُچھ نہیں جانتا۔"

وہ قدرے اونچی آواز میں بولا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" نبیہا اُسے باہر کی جانب جاتا دیکھ کر اُس کے پیچھے لپکی۔

"ہاسپٹل جا رہا ہوں تُم چاچو اور چچی کو بتاؤ تُم اُن کے ساتھ آ جانا ایڈریس بھیج دوں گا۔"

نبیہا سر ہلا کر رہ گئی۔اُسے اپنا دِل ڈوبتا محسوس ہوا پر وقت کی نزاکت نے اُسے زیادہ سوچنے کا موقع نا دیا۔وہ فوراً ابتسام آفندی کو کال ملانے لگی۔

آذر کو دیکھ کر نسرین بیگم اُس کی طرف دوڑی آئی تھیں۔

"روحا کا پتہ چلا؟"

"نہیں پولیس میں رپورٹ کروانے ہی جا رہا ہوں آپ سے تفصیل لینے آیا تھا کہ وہ کون لوگ تھے۔"

نسرین بیگم نے سر جھکایا تھوڑی دیر پہلے آنکھوں میں جلنے والے اُمید کے جگنو بجھے۔
”پتہ نہیں امین بخش ہوش کھونے سے پہلے کہہ رہا تھا کوئی غنڈے تھے اغواء کار لگتے تھے۔“
”اُنہوں نے اُن کے بارے میں اور کُچھ بتایا؟“ نسرین بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔
”نہیں بس بار بار کہہ رہے تھے وہ رو رہی تھی اور وہ اُسے لے گئے۔“
آذر بال مٹھیوں میں جکڑے پاس پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔
”تُم پریشان نہ ہو وہ مل جائے گی اُسے کُچھ نہیں ہو گا وہ لوگ اُس کا کُچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ نسرین بیگم آذر کا کاندھا تھپتھپاتے اُسے حوصلہ دینے کی سعی کرنے لگیں اندر سے اُن کا اپنا دل لرز رہا تھا۔
آذر میں پولیس سٹیشن تک جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔اُس لانبی پلکوں والی لڑکی کی گمشدگی نے اُس سے اُس کی طاقت چھین لی تھی۔آنکھیں بھی جل رہی ہیں، جیسے کسی نے ان میں مرچیں جھونک دی ہوں اور جلن شدید ہو۔وہ سر جھکائے اپنی کنپٹیاں مسلنے لگا۔

....

نقیب مُسلسل بری طرح سے کھانس رہا تھا اُس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔روحا جو خود سر پر پٹی باندھے ہوئے تھی اُسے تشویش ناک انداز میں میں دیکھ رہی تھی۔
فاصلے پر لیٹا پہرے دار اُس کے کھانسنے کی وجہ سے لپک کر اُس کے پاس آیا تھا۔
نقیب کی حالت دیکھ کر وہ کونے میں پڑے کولر سے پانی کا گلاس بھر لایا اور اس کی طرف بڑھایا۔
نقیب نے اپنے بندھے ہاتھوں کی جانب اشارہ کیا تو اُس نے رسیاں قدرے ڈھیلی کر دیں۔

نقیب نے اپنی جانب بڑھایا ہوا گلاس تھاما اور بغیر سانس لیے گلاس ختم کر دیا۔

پہریدار نے گلاس پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ نقیب نے گلاس پر ہاتھ کی گرفت چھوڑ دی تھی گلاس پتھر کے فرش پر گرنے کا چھناکا ہوا اور شیشے کا گلاس چکنا چور ہو گیا۔

پہریدار کانچ سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

نقیب نے اپنے ہاتھوں کے گرد باندھی گئی رسی سے خود کو آزاد کروانے کی کوشش کی جو کامیاب رہی۔

پہریدار آگے بڑھنے لگا کہ نقیب نے جھک کر سیاہ و سفید پتھر کے فرش پر پڑا کانچ کا بڑا ٹکڑا اُٹھا کر اُس کی جانب اُچھالا۔جو ہوا میں اڑتا ہوا اُس کی جلد سے ٹکرایا تھا اور گہرا کٹ لگا گیا تھا۔

اُس کا خون دھاری کی صورت میں نکلنے لگا تھا وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے دباؤ سے خون روکنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

"احمق لوگ ہیں سید نقیب شاہ کی رکھوالی کے لئے ایک اناڑی شخص کا انتخاب کیا۔" وہ فخریہ کالر جھاڑتے اُٹھا پاؤں پر بندھی رسیاں برقی سے کھولنے لگا۔

اُس نے ڈھیلی ہوتی رسی کو ہاتھوں کی مدد سے کھینچ کر پھینکا پھر روحا کی رسیاں کھولنے لگا۔

روحا حیرت سے اُس کی ساری کارروائی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی وہ جو تھوڑی دیر پہلے اُس کی حالت دیکھ کر اُس پر ترس کھا رہی تھی اب اس کی اداکارئی پر عش عش کر اُٹھی تھی۔

نقیب نے اس کی نظروں میں ستائش دیکھتے اُنگلیوں کے پوروں سے فخریہ انداز میں بال پیچھے کیے تھے۔

"ویسے سیاستدان بہت بڑے اداکار ہوتے ہیں۔" روحا اپنے ہاتھوں کے آزاد ہوتے پاؤں کی رسیاں خود کھولنے لگی۔

"اسے میں تعریف سمجھوں؟"

"مجھے یقین ہے تُم اسے تعریف ہی سمجھو گے۔"

روحا کی بات پر اس کا فلک شگاف قہقہہ گونجا۔

روحا نے اُسے گھور کر دیکھا تھا اور اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا دروازے پر قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تھی۔اُس کے قہقہے نے اُنہیں پھسوا دیا تھا۔

روحا نے فوراً سے آگے بڑھ کر دروازے کو لاک کیا تھا پھر پیچھے مڑ کر کمرے کو جائزائی نظر سے دیکھا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" نقیب نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"وہ میں دروازہ۔۔"

روحا صاحبہ یہ کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں ہے کہ اس میں بیرونی دروازہ ہو گا اور ہم اُس پر دو چار لاتیں ماریں گے اور وہ کھل جائے گا اور ہم ٹہلتے ہوئے نکل جائیں گے۔نقیب روحا کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا۔"وہ کھڑکی ہے۔"

روحا کو نئی تجویز سوجھی۔

روحا میں کوئی ڈُبلا پتلا ہیرو نہیں ہوں جو اِس کھڑکی سے نکل جاؤں گا اور تُم بھی اتنی نازک نہیں ہو کہ اِس کھڑکی کو پار کر سکو۔

"پھر ہم کیسے نکلیں گے؟"
روحا نے پریشانی سے مسلسل بجتے دروازے اور پھر ہاتھ بازو پر جمائے پہریدار کو اپنے قریب آتا دیکھا۔
"ظاہری بات ہے دروازے سے جائیں گے۔"
"لیکن وہاں تو؟"
"وہاں باہر اِنسان ہی کھڑے ہیں نہ؟..اور انسانوں کا مقابلہ اِنسان کرتے اور جیتتے آئے ہیں۔"
نقیب نے آگے بڑھ کر پہریدار کی گردن پر مضبوط گرفت جمائی۔
"یہ کانچ کے ٹکڑے ہمارے بہت کام آنے والے ہیں۔
تُم وہ کونے میں پڑا لوہے کا راڈ پکڑ لو۔" راڈ کے نام پر روحا نے آنکھیں مکمل کھول کر اُسے دیکھا۔
"لیکن اس سے ماروں گی تو وہ مر جائیں گے۔"
"تُم کسی نازک اعضاء پر مت لگانا سر پر بالکل بھی نہیں اور زیادہ قوت سے بھی نہیں۔"
"اب یہ فلمی نہیں ہے؟"
روحا کے طنز بھرے لہجے پر وہ مسکرایا۔

""نہیں یہ ہماری ضرورت ہے کیونکہ ہماری جان خطرے میں ہے اور ہم وار کرنے کی بجائے بھاگ جائیں گے تو یہ ہماری بزدلی کی نشانی ہو گی۔

"نقیب سوچ لو۔۔" وہ سرگوشیوں میں بول رہے تھے۔پہریدار اپنی باہر ابلتی آنکھیں اُن پر جمائے اُن کی باتیں سمجھنے کی سعی میں تھا۔

"تُمہیں زیادہ ٹرٹر کرنی ہے تو پھر یہیں اِن کے چنگل میں رہو۔ تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

"تُم روحا سادام کو دھمکی دے رہے ہو؟" روحا نے کمر پر ہتھیلی جما کر تیز نظروں سے اُسے دیکھا۔

"میں صرف مریان کی وجہ سے تمھاری مدد کر رہا ہوں ورنہ میں اتنی بحث برداشت نہیں کرتا۔" نقیب نے اُسے بارآور کروایا۔

"سیاستدانوں والی خصلت ہے۔" روحا نے منھ بسورتے کہا۔

"چلو اپنا ہتھیار اُٹھاؤ اس سے پہلے کے یہ دروازہ توڑ دیں۔" نقیب تیوری چڑھاتے دروازے کی جانب مڑا۔

نقیب نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور ہاتھ میں موجود کانچ کے ٹکڑا سے سامنے کھڑے شخص کے بازؤں پر گہرا کٹ لگایا۔

دوسرے شخص نے نقیب کو گردن سے دبوچا تھا اُس کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں نقیب کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

وہ روحا کو کہنا چاہتا تھا کہ وہ کس چیز کا انتظار کر رہی ہے۔

اور وہ حیرت کا مجسمہ بنے اُنہیں دیکھتی رہی پھر ہاتھ میں پکڑے لوہے کے راڈ کو پوری قوت سے سامنے موجود شخص کی کمر میں مارا تھا اس کی بلند آواز کراہ نکلی تھی۔

پہلا شخص ایک ہاتھ اپنے زخمی بازو پر جمائے روحا کی طرف بڑھا تھا۔

نقیب اُسے پیچھے دھکیلتا اُس کے گلے میں موجود رومال کھینچتے روحا کا ہاتھ تھامے بھاگا تھا۔

"اِس رومال کا کیا کرو گے؟" روحا پھولی سانس کے ساتھ بولی۔

"دیکھتی جاؤں بس۔۔" نقیب چہرے کے سامنے ایسے رومال باندھا کہ چہرہ ڈھنپ گیا۔

"تم تھوڑی دیر کے لیے یہیں رکو میں آتا ہُوں۔"

"اور باہر اور لوگ ہوئے تو کیا کرو گے؟"

"وہ دیکھو باہر بس ایک چوکیدار ہے اور اُسے چکما دینا بہت آسان ہے۔"

نقیب نے دروازے کے پاس بیٹھے عمر رسیدہ شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"ہمدان رؤف نے ایک کوٹھی کے لئے سات آٹھ لوگ رکھنا کافی سمجھا ہو گا باہر کون سا اُس کی بتیس ہزار سپاہیوں کی فوج کھڑی ہو گی جن کا مقابلہ سید نقیب شاہ نہیں کر سکتا۔"

وہ فخریہ انداز میں کہتا باہر کی طرف نکلا۔

اور غیر متوقع طور پر اندر کی طرح باہر بھی کوئی نہیں موجود تھا۔

"اوہ سائیں بابا ہمیں باہر سے ذرا پان تو لا دے" وہ سندھی لہجے میں بولا۔

"نہیں ہم کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں۔"
بابا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی بندوق سیدھی کرتے اکڑتے ہوئے کہا۔
"ہم کو ہمدان بابا نے کہا ہے۔"
"لیکن وہ تو رات سے یہاں نہیں آئے۔"
وہ مجھے کہہ کر گئے تھے۔۔۔نقیب نے مٹھیاں بھیچی۔

وہ نقیب کو اُس کی توقع سے زیادہ پکا رہا تھا۔
وہ قمیض شلوار ہی پہنتا تھا اور چہرے پر اُن کی طرح رومال باندھ لینے سے وہ اُن کا ساتھی معلوم ہو رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ عمر رسیدہ شخص جس کی بینائی بھی اب پہلے سی نہیں تھی وہ شکلوں سے وہاں موجود لوگوں کو نہیں پہچانتا ہو گا اور وہ واقعی ہی اُسے نہیں پہچان پایا تھا۔
مگر اُس کا یہاں سے جانا ضروری تھا کیونکہ وہ اکیلا یہاں سے گزر سکتا تھا لیکن روحا کو گزارنا ناممکن تھا اور اگر وہ زبردستی اُسے یہاں سے ہٹاتا تو وہ شور کرتا جس کے نتیجے میں اور لوگ وہاں اکھٹے ہو سکتے تھے۔

"اچھا جا رہا ہوں مگر تُم میری جگہ پر بیٹھو گے۔"
اور نقیب اُسے جگہ سے اُٹھتا دیکھ کر فوراً اُس کی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔
نقیب کے لئے اُس کا حامی بھرنا ہی کافی تھا۔

نقیب نے اُس کے باہر نکلتے دروازہ بند کیا تھا اور روحا کو اندر سے باہر لے آیا تھا۔
نسوانی چیخ کی آواز پر روحا کے قدم رکے تھے۔
”یہ کس کی چیخ کی آواز ہے؟“ اُس نے گردن اٹھا کر اوپر بنے کمروں کی جانب دیکھا۔
”روحا چلو اِن کی کوٹھیوں میں ایسے غلط کام ہوتے رہتے ہیں ہمارے لیے اچھا موقع ہے وہ کسی اور معاملے میں اُلجھے ہیں تبھی ہمارے نکلنے کی اُنہیں خبر نہیں ہوئی۔“
مگر روحا غلط کام سے کیا مراد تھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

”یہاں اِن جھاڑیوں کی اوڑھ میں چھپ جاؤ وہ ڈھونڈنے نکلیں گے تو ہر جگہ ڈھونڈیں گے مگر آس پاس دھیان نہیں دیں گے۔“
نقیب ساتھ موجود کوٹھی کی عقبی جانب لگی بیلوں کی طرف اشارہ کرتے بولا۔
”اِنسان ایسے معاملوں میں دور تک سوچتا ہے اور پیشہ وارانہ مجرم ایسے ہی نظروں سے بچتے ہیں وہ معمولی جگہوں پر چھپتے ہیں جِن کے بارے میں بڑے ادارے سوچتے بھی نہیں۔“
”تُم مجرم ہو جو تُمہیں بچنے کے اتنے طریقے آتے ہیں؟“
نقیب روحا کی بات پر سر تا پیر سُلگ گیا تھا۔
”لازمی نہیں اِنسان صرف اس چیز کے بارے میں معلومات رکھے جو اس نے خود کرنی ہو۔“
روحا مزید کُچھ بولنے لگی کہ نقیب نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔
اُسے دور قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تھی۔

”نقیب ہمارے پاؤں نظر آ رہے ہیں۔“ روحا نے سرگوشی کی۔
”اگر تم ہلو گی نہیں تو اُنہیں نہیں پتہ چلے گا۔“
نقیب نے روحا کے کان کے قریب جاتے مدھم آواز میں کہا۔
وہ تیزی سے نظر دوڑاتے واپس مڑ گئے تھے۔
روحا نے اپنا روکا ہوا سانس بحال کیا.
”سانس بعد میں لینا فلحال یہاں سے نکلو۔“ وہ اُس کا بازو پکڑے بیلوں سے باہر کھینچ لایا۔

”لیکن کیسے نکلیں گے؟“
”یہ سامنے گاڑی کھڑی ہے نہ۔۔“
”تو ہم اِس گاڑی پر جائیں گے؟“
”نہیں اُسے گدھا گاڑی میں بدلیں گے پھر جائیں گے۔“ نقیب کوفت سے بولا۔
”لیکن یہ گاڑی لاک ہے اور ہم راستے میں پکڑے گئے تو گاڑی چوری کا الزام لگ جائے گا۔“ نقیب نے
”تُم اِس وقت کسی عام اِنسان کے ساتھ نہیں ہو جو ہمیں چوری کے الزام میں پکڑ کے لے جائیں گے۔ہمیں بس یہاں سے نکلنا ہے پھر گاڑی کہیں بھی ٹھکانے لگوا دوں گا۔“
”اور گاڑی کھولو گے کیسے؟“ روحا کی بات پر نقیب کا اپنا ماتھا پیٹنے کو جی چاہا تھا۔
”سید نقیب شاہ سب کر سکتا ہے۔“

وہ گاڑی کے پاس گیا تھا اور پانچ منٹ بعد پیچھے ہٹا ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"تُم مُجھے کوئی بہت بڑے مجرم لگتے ہو۔"

روحا نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"سیدہ روحا سادام شاہ تُم بدگمان بہت جلدی ہوتی ہو۔کوئی بھی کام بہت سے مقاصد کے لئے کیا جاتا مگر تُم صرف غلط مطلب نکالتی ہو۔"

روحا نے رُخ موڑ کر اُس کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں صرف سنجیدگی تھی۔

وہ اس کا نام جانتا تھا اس کی فطرت کے بارے میں جانتا تھا تو اور کیا کیا جانتا ہو گا۔

وہ اُسے دیکھتی سوچ رہی تھی۔

"میں نے تمھاری اِس لیے مدد کی کیونکہ مریان ہوتا وہ بھی ایسے ہی کرتا بلکہ میرے سے زیادہ کرتا مگر میں مریان لکھانی نہیں ہوں اور نہ ہی بن سکتا ہوں۔" اُس کا لہجہ الفت سے لبریز تھا۔

"تُمہیں مریان سے اتنی محبت کیوں ہے؟"

"وہ خود بخود دِلوں میں جگہ بنا لیتا ہے۔

تمھارے دِل میں نہیں بنا سکا؟"

روحا نے جواب دینے کی بجائے رُخ بدل لیا اور باہر کا منظر دیکھنے لگی۔

"باہر دیکھنے کی بجائے اپنے اندر دیکھو کہیں نہ کہیں وہ ہو گا۔"

"مریان لکھانی کو اتنا تلاش نہیں کرنا پڑتا۔"

وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔

"آ گیا ابتسام ولا۔۔" وہ گاڑی روکتے بولا۔

"روحا سادام محبتوں کی قدر کرنا سیکھو۔"

"میں دو لوگوں کی محبت قبول نہیں کر سکتی یقیناً کوئی میں محبتوں کی قدر کرتی ہوں مگر ایک ہی وقت بھی اِنسان نہیں کر سکتا۔"

نقیب اُسے جاتا دیکھتا رہا پھر سر جھٹکتے گاڑی ریورس کی۔

اُسے ابھی بہت سے کام کرنے تھے۔

....

"علیحہ اُترو۔"

مریان نے گاڑی ہاسپٹل کے باہر روکتے کہا۔

وہ پاکستان پُہنچے ہی علیحہ کو ہاسپٹل چھوڑنے آیا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ باہر نکلنے کی بجائے اُس کی جانب مڑی تھی۔

"ہمدان رؤف کے پاس۔۔"

"ہمدان رؤف ایچ ٹی پی پارٹی کے صدر۔۔؟؟"

"ہاں روحا اُسی کے پاس ہو گی۔" وہ رسانیت سے بولا۔

"کیا وہ آپ کی وجہ سے خطرے۔۔۔؟"

"شاید۔۔" مریان نے اُس کی بات مُکمل نہیں ہونے دی تھی۔

"اُسے کُچھ ہو گیا تو؟"

"تو میں سب ختم کر دوں گا۔" اُس کی آنکھوں میں سُرخی دوڑ آئی تھی۔ جیسے آنکھوں میں شعلوں کا رقص شروع ہو چکا تھا۔

علیحہ بغیر کُچھ بولے سر جھکائے گاڑی سے نکل گئی تھی۔

مریان نے گاڑی دوڑائی اور ہمدان رؤف کی کوٹھی سے سامنے روکی تھی۔

ہمدان رؤف کو اُن کے بھاگنے کی اطلاع دی جا چکی تھی۔

مریان اندر داخل ہوا تو وہ سرخ چہرہ لیے چکر کاٹ رہا تھا مریان پر نظر پڑتے ہی اُس کی طرف لپکا۔

"اب اپنی جیت کا جشن منانے آئے ہو؟" وہ حقارت سے بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" مریان ساکت کھڑا ہمدان رؤف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مریان لکھانی اب معصومیت کا ڈھونگ رچانے کی کیا وجہ ہے؟" وہ الفاظ چبا کر بولا۔

"تُم روحا اور نقیب کے بارے میں بتا رہے ہو یا نہیں؟" مریان نے اُسے گریبان سے پکڑتے سوال دہرایا۔

"چھوڑو میرا گریباں تمھاری محبوبہ تمھارے ہی دوست کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔"

مریان نے اُس کے جبڑے پر پوری قوت سے مکا لگاتے جھٹکے سے اُسے پیچھے کی جانب چھوڑا تھا۔

ہمدان رؤف لڑکھڑاتا ہوا پیچھے کی جانب گرا۔

”مریان تم نے ہمدان رؤف پر ہاتھ اٹھایا ہے اِس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور اُس کا نقصان تم برداشت نہیں کر سکو گے۔“ ہمدان رؤف کے لہجے میں غرور اور تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔
”تُم غنیمت سمجھو میں تمھاری زِندگی بخش رہا ہوں مُجھے نقصان پہنچانا تو بعد کی بات ہے۔“

”میں سیاست میں تمھارا نام و نشاں مٹا دوں گا۔
تمھیں سیاست میں آنا بہت بھاری پڑے گا تُم سیاست میں آنے کو اپنی زندگی کی سب سے بھی غلطی کہو گے۔“ ہمدان رؤف کی دھاڑ کمرے میں گونجی تھی۔

”میرا قصور سیاستدان ہونا نہیں ہے میرا قصور غلط کا ساتھ نہ دینا ہے اور میں تمہارا ساتھ دے کر بے قصور ثابت نہیں ہونا چاہتا تھا۔
تُم مُجھے سیاست سے ہٹا سکتے ہو لیکن لوگوں کے دلوں سے نہیں مریان لکھانی سے چھٹکارا حاصل کرنا نا ممکن ہے۔“ وہ تابیی نظروں سے اُسے دیکھتا مڑا۔

مریان واپسی کے لیے مڑا تھا کہ ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آئی تھی اور اُس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔
مریان نے اُس کی حرکت پر ناگواری سے اُس کی جانب دیکھا تھا۔
سولہ سترہ برس کی دبتی رنگت کی لڑکی پُر اُمید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے بچا لیں۔مجھے یہاں سے لے جائیں۔"
وہ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسوؤں گراتے بولی۔
ہمدان رؤف کا کارندہ اُس کی جانب بڑھا تھا۔
مریان نے حرا کی طرف اُس کا بڑھتا ہاتھ تھام لیا تھا اور دوسری جانب مروڑا تھا۔
"تمھارے سرغنہ کی یہ حالت کی ہے تو سوچو تمھیں جان سے مارنے سے پہلے لمحے بھر کو بھی نہیں سوچوں گا۔"
وہ مریان کے غضب ناک لہجے میں کہنے پر پیچھے ہٹا تھا۔

مریان چل پڑا تھا وہ اب بھی ویسے ہی پوری مضبوطی سے اُس کا بازو تھامے ہوئے تھی جیسے دُنیا میں اُس کے پاس واحد سہارا بس وہی تھا۔
اُسے اُس وقت مریان کی آنکھوں میں اپنے لیے نا جانے کون سی ہمدردی نظر آئی تھی جو وہ اُس سے ایسے آ چپکی تھی۔
ہمدان رؤف کے کارندے اُس کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔
"جانے دو اسے اِس کے ساتھ ہمارے کسی کام کی نہیں ہے۔" ہمدان رؤف کے حکمیہ انداز پر وہ سب سر جھکائے پیچھے ہٹ گئے۔
"اسے وہاں ماریں گے جہاں یہ ہاتھ پیر بھی نہیں مار پائے گا اور مارے گا بھی تو نہیں بچ پائے گا تب اس کا مقدر صرف موت ہو گی اور بھلا مقدر سے بھی کبھی کوئی لڑ سکا ہے۔"

"ہمدان رؤف صاحب مقدر کے آگے نہ ہاتھ پیر مارے جاتے ہیں اور نہ ہی ہاتھ پیر جوڑے جاتے ہیں اُس کے سامنے بس چُپ سادھ لی جاتی ہے۔پھر چاہے مقدر ہمیشہ کے لئے خاموش کروا دے مقدر کے آگے بے بس ہونا طے ہے۔"

مریان کی بات پر حرا کی اُس کے بازو پر گرفت ڈھیلی پڑی تھی جو وہ محسوس کر چُکا تھا۔

مریان اُس کا ہاتھ تھامے باہر نکلا تھا۔

مریان اُس کی حرکتیں بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ پُر شوق نظروں سے گاڑی سے چہرہ تھوڑا باہر نکالے دیکھ رہی تھی۔

اُس کی آنکھوں میں چمک تھی معلوم ہوتا تھا بہت عرصے بعد باہر کی رونق دیکھنے کو ملی ہے۔

"کیا نام ہے تمھارا؟"

یہ مریان کا پورے راستے میں اُس سے کیا جانے والا پہلا اور آخری سوال تھا۔

"حرا۔۔"

"غارِ حرا۔"

"نہیں حرا فاطمہ۔۔" اُس نے فوراً سے تصیح کروائی۔

مریان اِس بار مسکراہٹ دبا گیا تھا اور توجہ سامنے سڑک پر مرکوز کر لی تھی۔

" گاڑی سے اُترو۔"

مریان نے اپنے گھر کے سامنے گاڑی روکی

"آپ کے گھر میں کون کون ہے؟"

"کیوں؟" مریان کی آنکھوں میں تعجب اُبھرا۔

"مُجھے کسی نے واپس بھیجنے کا کہہ دیا تو آپ مُجھے واپس چھوڑ آئیں گے؟"

"بس میری دادو ہیں اور وہ بلکل بھی ظالم نہیں ہیں۔"

"آپکی طرح اچھی ہیں؟"

اس کے اگلے سوال پر مریان زیرِ لب مسکرایا۔

"فلحال وہ دبئ ہیں کل تک واپس آ جائیں گی پھر خودی طے کر لینا کہ کس کے جیسی ہیں۔"

"میں کیسے مان لوں کہ آپ سچ بول رہے ہیں؟"

مریان اُس کی بے اعتباری پر حیران ہوا تھا۔

"یہ میرے ساتھ آنے سے پہلے سوچنا تھا۔"

"مُجھے آپ شریف لگے تھے۔"

"اب بدمعاش لگ رہا ہوں؟"

"ن۔نہیں۔" وہ خجل سی ہوتی نظریں جھکا گئی۔

"سکینہ بی اس کے لئے کھانا لگائیں اور اسے کپڑے بھی دیں۔"

مریان نے اُس کے حلیے پر نظر ڈالی بازو سے قمیض پھٹی ہوئی تھی وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے اپنا بچاؤ کرنے کے لئے کیا کُچھ سہا تھا۔

"حرا تُم محفوظ ہو؟"

حرا اُس کے سوال کی وجہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کس چیز کے محفوظ ہونے کا پوچھ رہا تھا۔

"جی۔۔"

یک لفظی جواب آیا تھا مگر وہ مریان کو مطمئن کر گیا تھا۔

مریان مزید کُچھ کہے بغیر پورچ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا وہ جانتا تھا اُسے اب کہاں جانا ہے۔

حرا گاڑی پر ایک نظر ڈالتی سر جھکائے سکینہ بی کے پیچھے چل پڑی تھی۔

مریان دروازے پر رکا تھا دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا اور خلافِ توقع وہ کھلتا چلا گیا تھا۔

اندر وہ متلاشی نظروں سے دیکھنے لگا تھا اور صوفے پر لیٹے شخص پر نظر پڑنے پر اس کی تلاش ختم ہو گئی تھی۔

مریان سینے پر ہاتھ باندھے اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

نقیب کے چپس کے پیکٹ میں جاتے ہاتھ لمحے کو رکے تھے اور وہ پھر سے اپنی دھن میں کھانے لگا تھا۔

مریان نے اُس پر نظر دوڑائی۔

بازو پر پٹی بندھی تھی چہرے اور ہاتھوں پر جگہ جگہ سے جلد جلی معلوم ہوتی تھی مگر اُس کے چہرے کا اطمینان بلاں کا تھا لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی خاطر وہ ابھی موت کی دھمکیاں دے اور وصول کر کے آیا ہے۔

”میں نے سوچا تُم ہمدان رؤف کو ذرا سیدھا کر ہی آؤ اِس لیے اپنے بھاگنے کی اطلاع نہیں دی۔“

وہ پُر سکون انداز میں بولا۔

”روحا کہاں ہے؟“

مریان نے گھر میں نظر دوڑائی۔

”ابتسام ولا میں جہاں اُسے ہونا چاہیے۔“ نقیب کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔

مریان جواب سن کر صوفے پر دھپ سے بیٹھا۔

”لگتا ہے ایک بار پھر ملاقات کی اُمید ٹوٹ گئی۔“

نقیب افسردہ لہجے میں بولا مریان اُس کے انداز میں شرارت محسوس کر چُکا مگر جواباً بولا کُچھ نہیں۔

کیا خوب میرے پیار کا بدلہ دیا ہے دوست
ہجراں کی سخت دھوپ میں جھلسا دیا ہے دوست

یہ حال ہے کہ دشت نوردی کے شوق میں
خود کو ہی میں نے راہ سے بھٹکا دیا ہے دوست

اس سے امید چارہ گری کس لیے کریں
ویران پیڑ نے کبھی سایہ دیا ہے دوست؟

قائم کروں میں اس سے تعلق تو کس طرح
میں ہوں ہوائے تند وہ جلتا "دیا" ہے دوست

یہ میں ہی جانتا ہوں کہ سوزِ فراق میں
کس دل سے میں نے دل کو دلاسہ دیا ہے دوست

خواہش ملن کی اس کے بھی دل میں نہیں رہی
میں نے بھی خوابِ وصل کو دفنا دیا ہے دوست

راہیں تلاش کرتی ہیں خود اپنی منزلیں
منزل نے آج تک کسے رستہ دیا ہے دوست

اب ڈر ہے موت کا نہ ہمیں خوفِ حشر ہے

ہم کو تو زندگی نے ہی لرزا دیا ہے دوست

چھوڑا گیا ہے بے سر و سامان ہجر میں
جام و سبو نہ ساغر و بادہ دیا ہے دوست

”دیکھو تُم خبروں کی زینت بنے ہوئے ہو۔“
نقیب نے سامنے چلتے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔
”یہ کہہ رہے ہیں کہ مریان لکھانی نے خود استعفیٰ دیا ہے کیونکہ اُنہیں پاکستان میں دلچسپی نہیں وہ باہر رہنا پسند کرتے ہیں۔“
نقیب نے نیچے چلتی پٹی پر لکھے الفاظ اُسے پڑھ کر سنائے۔
”ویسے مریان لکھانی کو پتہ ہے کہ وہ استعفیٰ دے چکا ہے؟“
”مریان لکھانی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا استعفیٰ قبول کر لیا گیا ہے اور وہ اب کراچی کا میئر نہیں رہا۔“ مریان اپنی لاعلمی پر ہنسنا چاہتا تھا مگر نہیں ہنس پایا تھا۔
”ویسے مریان میں نے تمھارے جیسا بے خبر سیاستدان آج تک نہیں دیکھا۔“
”میں اب سیاستدان نہیں ہوں۔“ مریان نے اُسے ٹوکا۔
”تُم سیاستدان ہی ہو۔“
”کہاں کا سیاستدان میں کسی پارٹی سے منسوب نہیں ہوں۔“

”تُم ایم ایل پارٹی کے صدر ہو۔“

”کیا؟ کس پارٹی کا صدر؟“ مریان تقریباً چلایا تھا۔

”ویسے مجھے اپنی پارٹی میں کیا مقام دو گے؟“

”یہ کب بنی؟“ مریان کو یہ انکشاف ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

”یہ ابھی ابھی چپس کھاتے میں نے سوچا ہے کہ ہم اپنی پارٹی بناتے ہی۔ں میں ویسے بھی استعفیٰ دے آیا ہوں اب کوئی نہ کوئی کام تو کروں گا نہ اور سیاست کیے بغیر اب میں رہ نہیں سکتا تو مجھے یہ ہی ایک حل ملا کیونکہ صرف تمھاری پارٹی ہی مُجھے برداشت کر سکتی ہے۔“

”لیکن میں کوئی پارٹی نہیں بنانا چاہتا۔“

”تم میرا مشورہ ماننے سے انکار کر رہے ہو؟“

نقیب نے صدمے سے پوچھا۔

”میں خود کو صحیح ثابت کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ مُجھے خود پہ غُصہ آنے لگتا ہے جب مُجھے بھی غلط لوگوں کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا کوئی میری مخلصی نہیں دیکھتا ان کے نزدیک سب سیاستدان ایک سے دھوکے باز ہیں۔ میں لوگوں کی سوچ بدلنے آیا تھا میری خود کی سوچ پہلے سی نہیں رہی۔ حق کی بات کروں تو دبا دی جاتی یا سارا جہاں میرے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے۔

یہاں بُرے لوگ اچھے لوگوں کو بھی دبا دیتے ہیں۔

یہاں برے لوگ اچھے لوگوں کو چھپا دیتے ہیں اور وہ چاہ کر باہر نہیں آ پاتے بس بُرے لوگ کبھی اچھے اور کبھی بُرے بن کر لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔کسی شخص پر لوگوں کا اعتبار قائم ہی نہیں رہنے دیتے۔" اُس کا انگ انگ غمزدہ دیکھائی دیتا تھا۔

"ہم یہ جنگ جیت جائیں گے۔"

نقیب کا لہجہ امید بھرا تھا۔

"نقیب مُجھے لگتا ہے اچھے اور بُرے لوگوں میں جنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جنگ میں بھی اچھائی دیکھا ہی دیتے ہیں۔وہ جیت جائیں تو ہارنے والے کو اُس کی ہار کا احساس نہیں دلاتے اور ہار جائیں تو ہار مان لیتے ہیں ہارنے کے بعد بھی خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ خاموش ہو جاتے ہیں۔" وہ ہولے سے بولا۔

"لیکن اچھے لوگوں کی اچھائی رائیگاں نہیں جاتی اُنہیں اُس کا نتیجہ اچھا ہی ملتا ہے چاہے کتنی ہی دیر سے کیوں نہ ملے۔بُرے لوگوں کی برائی اور اچھے لوگوں کی اچھائی ایک نہ ایک دِن ثابت ہو کے رہتی ہے۔

"اچھے اور بُرے لوگوں میں جنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جنگ میں بھی اچھائی دیکھا ہی دیتے ہیں۔وہ جیت جائیں تو ہارنے والے کو اُس کی ہار کا احساس نہیں دلاتے اور ہار جائیں تو ہار مان لیتے ہیں ہارنے کے بعد بھی خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ خاموش ہو جاتے ہیں۔" مریان اُس

کے ساتھ صوفے پر بیٹھا اور گردن صوفے کی پُشت کے ساتھ ٹکا دی اور اُداسی سے سکرین پر چلتی اپنے نام کی پٹی دیکھنے لگا۔

"بُرے لوگوں میں غلط کو غلط کہو گے تو آپ کو ہی غلط کہا جائے گا کیونکہ اُنہیں صحیح کی پہچان ہی نہیں ہوتی۔"

مریان کے الفاظ نے نقیب کو خاموش کروا دیا تھا۔

~~

زیام پچھلے دو گھنٹے سے ساتھ پڑی خالی کُرسی کو گھور رہا تھا۔وہ جا چُکی تھی مگر وہ نہیں جا پا رہا تھا۔پچھلی بار وہ خود اُسے چھوڑ آیا تھا اُس بار اُسے جانے دیا تھا۔نتیجہ جُدائی ہی تھی ربط اور شناسائی کے بیچ کا فاصلہ باقی تھا۔

وہ اپنے اندر بھی خالی پن محسوس کر رہا تھا وہ اُسی خالی پن کو ساتھ لیے وہاں سے اُٹھا اور چل پڑا۔

اُسے ایک ہی منزل نظر آ رہی تھی۔

"پاکستان۔۔"

اُسے اپنا سکون دُنیا کے اِس خطے میں نظر نہیں آ رہا تھا۔وہ پاکستان کی سیٹ بک کروا چکا تھا مگر ابھی وقت تھا مزید چند گھنٹے یہاں گزارنے پڑنے تھے اور اُنہیں وہ صرف جومیرہ ساحل پر ہی گزارنا چاہتا تھا۔

اُداسی کا بہترین حل ساحل کی ریت پر چلنا خود کو ہاتھوں کی گرفت سے نکلنے والی اور پاؤں پر چپکنے والی ریت سمجھنا۔

اِنسان کی بھی ریت سی فطرت ہے جو ہمیں اپنے ہاتھوں میں بھرے پھرتے ہیں اُن کے ہاتھوں میں رہتے نہیں ہیں اور جو پاؤں کے نیچے دباتے ہیں اُن کی کے پاؤں چومنے لگتے ہیں۔

گرے ہو تو اٹھائے جانے کی چاہ اور اُٹھا لیے جائیں تو دوبارہ گرنے والی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔

اُس کے اندر سمندر کی لہروں سا خالی پن تھا جو ایک کنارے تک آتی تھیں مگر وہاں زیادہ دیر رہ نہیں پاتی تھیں پھر واپس لوٹ جاتی تھیں کوئی منزل نہیں تھی بس وقتی ٹھہراؤ تھا وہ بھی تو وقتی طور پر ہی ایک کنارے تک جاتا تھا پھر ویسے ہی سمندر میں ڈوبنے اُبھرنے لگتا تھا۔

وہ کب کوئی فیصلہ کر پا رہا تھا، کر بھی چُکا تھا تو کب قائم رہ پا رہا تھا۔ہر بار واپس جانے لگتا تھا اُسی سیاہ پتھر پہننے والی لڑکی کی طرف کھینچنے لگتا تھا۔

"کب تک سید زیام شاہ تُم پانی میں ڈوبتے اُبھرتے رہو گے کب تُمہیں کوئی کشتی بچانے آئے گی؟ کب تمھارے ڈوب جانے کے خطرات ختم ہونگے؟"

وہ سامنے چلتی کشتی پر نظریں جمائے خود سے سوال کر رہا تھا۔

سوالوں کے جوابات بہت جلد ملنے والے تھے۔

کشتی خود ڈوبتے وجود تک پُہنچے والی تھی۔

....

زیام داہنے ہاتھ سے بریف کیس پکڑے گھر میں داخل ہوا۔
سیدہ سعدیہ کو اُسے دیکھ کر تعجب ہوا تھا وہ اتنی جلدی کیسے لوٹ آیا تھا۔
"کیا اُسے خبر ہو گئی تھی یا اُسے خبر دی گئی تھی؟" وہ خود سے پوچھ رہی تھیں مگر جواب اُن کے پاس کہاں تھے۔
زیام سیدہ سعدیہ کے چہرے پر پریشانی پڑھ چُکا تھا مگر کچھ پوچھ نہیں پایا تھا صرف اُن سے مل کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔
کمرے میں قدم رکھا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔" وہ اُس کی آواز پر چونکا۔مڑ کر دیکھا سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر رُخ پھیرا۔
"کینیڈا؟" اُس نے صرف اتنا پوچھا۔
"ہاں۔۔"
"کب جا رہی ہو؟" اُسے یہ جاننے میں دلچسپی نہیں تھی پھر بھی مروتاً پوچھ رہا تھا۔
"ابھی جانے لگی تھی سوچا تھا تُم سے دوبئی مل کر جاؤں گی مگر تُم خود آ گئے لگتا ہے تُمہیں الہام ہوتے ہیں۔"

”نہیں مُجھے میری اُداسی یہاں کھینچ لائی۔
ویسے تُم کیوں مُجھ سے مل کر جانا چاہتی تھی میرے لیے اتنی محبت کب سے جاگنے لگی؟“
”تمھارے لیے کوئی محبت نہیں جاگ سکتی تُم سے بات کر کے جانا اہم تھا اسی لیے ملنے کا سوچا۔“
”کون سی بات؟“
زیام نے سوالیہ انداز میں دائیں ابرو اُٹھاتے پوچھا۔

فاطمہ چند منٹ گومگو کی حالت میں خاموش کھڑی زیام کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اُنگلی سے انگوٹھی اُتار کر زیام کی ہتھیلی پر رکھ دی۔
زیام نے حیرت سے پہلے فاطمہ کو پھر ہتھیلی پر موجود انگوٹھی کو دیکھا۔
”یہ کیا ہے؟“
”تمھارے اور میرے بیچ کا تعلق ختم ہو گیا میں مزید تمھارے ساتھ بندھ کے نہیں رہ سکتی۔“
”لیکن۔۔؟“
”لیکن کیا؟۔۔میں تُم جیسی عام سی شکلوں صورت والے لڑکے کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔
تُم میں ایسا کچھ بھی نہیں کہ میں ساری زندگی تمھارے ساتھ گزاروں۔میری ماما کی حماقت تھی جو اُنہیں اپنی بہن کی وجہ سے صرف تُم نظر آئے۔
مگر میں اُن جیسی نہیں ہوں چند کاغذ کے ٹکڑوں کی خاطر اپنی ساری زندگی برباد نہیں کر سکتی اپنی خوشیوں کے آگے خود بندھ نہیں ڈال سکتی۔

ایک سانولی رنگت کے عام سے مرد ہو تُم صرف تمھارے پاس اِس خاندان کی دولت کے سواہ اور کُچھ بھی نہیں ہے کہ تُمھیں پسند کیا جائے۔
تُم جیسوں سے کسی کو مُحبت بھی نہیں ہو سکتی سب تمھارے وہم ہیں۔"
"کیا اِس فیصلے کے پیچھے صرف یہی وجہ ہے؟" زیام نے اتنا سب سننے کے باوجود بھی لہجہ ہموار رکھا تھا۔
"کیا مطلب؟"
فاطمہ کو زیام کے اِس سوال پر تعجب ہوا تھا اُس کا ردِ عمل اُس کی توقعات کے برعکس تھا۔
"مطلب تُمھیں مُجھ سے کوئی ہمدردی تو نہیں ہوئی؟"
"مُجھے کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے میں اپنا فیصلہ کر چُکی ہوں میں مزید اپنی ماما کے فیصلے کے ساتھ نہیں چل سکتی۔
تمھارے سے بہتر آپشنز میرے پاس ہیں پھر تُم ہی کیوں۔" وہ نخوت سے بولی۔

"تو تُم میری رنگت کی وجہ سے مُجھے ٹھکرا رہی ہو؟"
"تو کیا تُم مجھے صرف ذات کی وجہ سے ٹھکرا رہے ہو؟"
علیحہ کے الفاظ ذہن میں آئے تھے جنہیں اُس نے جھٹکا۔
فاطمہ جواباً خاموش رہی تھی۔
"میں اپنی رنگت کے حوالے سے ضرور وضاحت دیتا لیکن مجھے ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔

مُجھے اپنی رنگت پر اعتراض نہیں ہے مُجھے اپنے بنانے والے کی تخلیق پر اعتراض نہیں ہے۔
وہ سیاہ بنائے سفید بنائے اُس کی مرضی ہے۔
اعتراض تو وہ بھی نہیں کرتے جِن کو نہ وہ مرد بناتا ہے نہ عورت وہ بھی خود کو اِنسان مان لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سب سے پہلے ایک انسان ہی پیدا کیا ہے۔
ہمیں کس چیز سے نوازنا ہے کس سے محروم رکھنا ہے وہ بہتر جانتے ہیں۔
میں نے اُنہیں بھی شکر ادا کرتے دیکھا ہے جو جسمانی اعضاء سے محروم ہوتے ہیں۔
آنکھوں سے دیکھ نہیں پاتے مگر ان آنکھوں کو بنانے والے سے شکوہ نہیں کرتے کیونکہ اُنہیں بنانے والے پر یقین ہے اُس کی حکمت مان لیتے ہیں اُنہیں بنانے والے سے محبت ہے وہ اُس کی بنائی تخلیق میں عیب نہیں ڈھونڈھتے۔
میں کس منھ سے خود کی تخلیق پر ناشکری کروں؟
مُجھے اپنے تخلیق کار سے اتنی محبت تو ہے کہ اس کی تخلیق میں عیب نہ ڈھونڈوں۔
میں خود کی ذات پر ناشکری کیسے کروں جبکہ اپنے اعضاء کے مکمل ہونے پر میرا شکر کرنے کو دِل چاہتا ہے۔
میں کیسے کسی کی شکل پر اُس کی جنس پر
جملوں کس سکتا ہوں جبکہ میں بنانے والے کی اُس تخلیق کے پیچھے کی وجہ نہیں جانتا میں بس اتنا جانتا ہوں اِس دنیا میں کوئی چیز بے مقصد نہیں بنائی گئی۔

وہ ذات ہر چیز بہترین طریقے سے بنا رہی ہے اُسے چلا رہی ہے ہمیں بس اِس بات کو سمجھنا ہے پھر اپنے آس پاس کے اور اپنے وجود سے مطمئن ہو جائیں گے۔

کیا صرف کتابی چہرہ ،غزالی آنکھیں ،بے داغ سرخ و سفید رنگت ہی پر اثر محسور کن شخصیات کے ضامن ہیں؟
کیا حُسن نظر آنے کے لیے لمبے لمبے چمکیلے بال، سنہری رنگت ،نازک اور چھرہرا بدن ہی ضروری ہے؟

نہیں۔۔۔صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے اصل خوبصورتی تو نیک جذبات سے لبریز دل کی ہوتی ہے مثبت سوچوں سے بھرپور دماغ کی اپنے رب کے حضور صبر اور تشکر سے بھرپور جسم کی ،جو چہرے سے خود بخود چھلک اٹھتے ہیں چہرے اور جسم کا ہر لحاظ سے مکمل ہونا ہی حُسن نہیں ہے۔کسی بھی انسان کے مثبت جذبات و احساسات اور رویہ اس کی شخصیت میں کشش اور جاذبیت پیدا کردیتے ہیں۔
چہرہ انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ہی اس کے جذبات و احساسات اور دلی کیفیات کا عکاس ہوتا ہے۔
صبر، حوصلہ، ہمت ،اعتماد اور یقین نہ صرف اللہ کی ذات پر بلکہ خود اپنی ذات پر بھی نہایت ضروری ہے یہ اعتماد ہی ہے جو ہماری شخصیات کو چار چاند لگاتا ہے اور دوسروں سے نمایاں کرتا ہے۔

سامنے کھڑی لڑکی ہونق زدہ سی اُسے دیکھ رہی تھی وجہ اُس کے الفاظ سے زیادہ اُس کے چہرے سے متواتر بہتے آنسوؤں تھے۔

اُس کے آنسوؤں کب سامنے والے کے پاس الفاظ چھوڑتے تھے۔

فاطمہ مڑی بغیر پیچھے کی جانب چلنے لگی تھی پھر رُخ موڑ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اور زور دار طریقے سے دروازہ بند کیا۔

زیام آنسوؤں پونچھتے ہوئے بند دروازے کو تکتا رہا۔

پھر سر جھکائے سامنے بالکونی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

وہ نیچے گھر کے لان میں موجود سبزہ دیکھنے لگا تھا۔

تو کیا واقعی زمین کے گھومنے اور آسمان کے پلٹنے کی طرح اُسکا ملنا بھی طے تھا؟

اُس نے دھتکارا تو دھتکار اُس کے نصیب میں بھی تھی۔

وہ ذات کو آڑے لایا تھا تو اُس کی رنگت کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

اُس نے جہالت دیکھائی تھی تو اُس کے مقدر میں بھی جاہل ہی تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیسے مکافات عمل نے اُسے اتنی جلدی سب دیکھا دیا تھا۔

”کیا اب میں اُسے حاصل کر سکوں گا یا پھر سے وہی سب ہو گا؟

میں دوبارہ اُسے اُمید نہیں دلاؤں گا دوبارہ اُسے نہیں تکلیف دوں گا۔“

وہ دِل میں تہیہ کر رہا تھا۔
وہ خود سے کی گئی باتوں پر قائم رہنا جانتا تھا۔
وہ سید زیام شاہ تھا دوسروں سے الگ سوچتا تھا مگر دوسروں کے خلاف نہیں سوچتا تھا۔
وہ لوگوں کی توقعات پر پورا نہیں اُتر پاتا تھا مگر دوسروں کی توقعات خود نہیں توڑتا تھا۔
کسی کو اس سے تکلیف پہنچتی تھی تو اُس میں اُس کی مرضی شامل نہیں ہوتی تھی۔

....

مریان موبائل کان سے لگائے گھر میں داخل ہوا سامنے صوفے لیٹی لڑکی کو دیکھ کر نا جانے کیوں اُسے روحا کا خیال آیا تھا۔چہرے پر مسکراہٹ لئے وہ اُس کے ساتھ والے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔
حرا اُسے دیکھ کر جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟" حرا نے ہچکچاتے ہوئے بات شروع کی۔مریان اُس کے سوال کرنے پر سوچوں کو جھٹکتا اُس کی طرف متوجہ ہوا۔
"ہاں پوچھو۔"
"یہ جو ٹی وی میں آ رہے ہیں آپ ہیں؟" وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

مریان نے ٹی وی کی سکرین کو دیکھا اُس کے متعلق خبریں چل رہی تھیں اور اُسے یقین تھا مزید ایک ہفتہ چلنے والی تھیں۔ میئر کراچی کا اچانک بغیر وجہ سے استعفیٰ دینا عام بات نہیں تھی۔

"ہاں میں ہی ہوں۔" مریان نے تصدیق کی۔

"یہاں آپ زیادہ پیارے لگ رہے ہیں۔"

مریان نے پہلی بار غور سے خود کو سکرین میں دیکھا تھا ساتھ میں وہ ہنس پڑا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟"

"کیونکہ مجھے سکرین میں اپنی شکل میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔"

"ویسے یہ روحا کون ہے؟"

مریان نے اس کے سوال پر بغور حرا کا چہرہ دیکھا جہاں بلاں کا تجسس تھا۔

"زندگی۔۔"

مریان نے یک لفظی جواب دیا۔

"کس کی؟"

"مریان لکھانی کی۔۔"

حرا کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مریان کے جواب پر مُکمل کھلیں۔

مریان نے جھینپ کر نظریں ٹی وی پر جما لیں اُسے اندازہ ہو گیا تھا وہ غلط اِنسان کے سامنے غلط بات کر بیٹھا ہے۔

"حرا تمھاری کتنی عمر ہے؟"

"سولہ سال۔۔" وہ فوراً سے بولی۔

"مطلب میرے اندازے سے بھی چھوٹی ہو۔"

"ہاں بس گھر کے حالات ایسے تھے زندگی اتنی دشوار کے عمر زیادہ لگنے لگی۔ آپ نے مُجھ سے میرے بارے میں کچھ پوچھا نہیں؟" وہ اب مُکمل مریان کی جانب گھوم گئی تھی۔

"کیا پوچھتا یہ کہ کیسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو؟، کہاں رہتی ہو؟ یہاں تک کیسے پہنچی اُن کے چنگل میں کیسے پھنسی اور کیسے خود کی عزت بچائی؟"

"تو کیا یہ اہم سوالات نہیں ہیں؟"

"میرے لیے بلکل بھی نہیں ہیں۔" اس کا لہجہ بالکل عام سا تھا۔

"کیوں؟" اُس نے ایک ابرو اچکا کر پوچھا۔

"تُمھیں دیکھ کر اندازہ کر چُکا تھا کہ کسی غریب مگر با عزت گھرانے سے ہو۔ اُن تک کیسے پہنچی یہ اہم نہیں ہے یہ اہم ہے کہ تُم اُن کے چنگل سے نکل آئی ہو اور مُجھے یقین ہے تمھاری عزت محفوظ ہے۔"

"آپ کو لوگوں کی اتنی پہچان کیسے ہے؟"

"لوگوں کا نمائندہ رہا ہوں اُن کی پہچان سیکھی ہے۔ کوئی بھی اچھا سیاستدان اپنے آس پاس کے لوگوں کو پہچاننے کی اُنہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے پھر ہی وہ اُن کے مسائل کو سمجھ سکتا اور اُن کے حل ڈھونڈ سکتا ہے۔"

"اگر آپ لوگوں کو سمجھتے ہیں اُن کے مسائل کے حل نکال سکتے ہیں تو پھر آپ نے استعفیٰ کیوں دیا پیچھے کیوں ہٹ گئے؟"

مریان کو یہ سوال چبھا تھا مگر جواب اُسے ابھی اپنے آپ سے ڈھونڈھنا تھا وہ پیچھے کیوں ہٹ کر بیٹھ گیا تھا؟

"میں نے استعفیٰ نہیں دیا زبردستی دلوایا گیا ہے۔" اُس کی آواز میں افسردگی اور آنکھوں میں ایذا پھیلی۔

"مطلب آپ کو راستے سے ہٹایا گیا ہے؟

میں بھی گھر میں اپنی سوتیلی ماں کو اپنی بہن کو مارنے سے روکتی تھی نہ تو میری سوتیلی ماں نے مُجھے گھر سے نکال دیا تھا وہ معذور تھی چار سال کی تھی وہ اُن کا کوئی کام نہیں کر سکتی تھی اِس لیے وہ اُسے مارتی تھیں۔"

"تو تُم یہاں ہو تو وہ کہاں ہے؟"

مریان کو اُس کے بارے میں سُن کر واقعی دکھ ہوا تھا۔

"وہ تو دو ماہ پہلے مر گئی۔"

مریان کو دھچکا لگا تھا وہ اتنی سفاکی سے اپنی چار سال کی بہن کے مرنے کا بتا رہی تھی۔نا آنکھوں میں آنسو نا چہرے پر تاسف۔۔

"تمھیں اُس کے مرنے کا افسوس نہیں ہے؟"

"اچھا ہوا مر گئی روز مار کھاتی تھی اتنا روتی تھی مُجھے تب زیادہ تکلیف ہوتی تھی اب اللہ تعالیٰ پاس سکون میں ہو گی اُسے وہاں مار تو نہیں پڑتی ہو گی۔ اُس کے غیر مندمل زخموں پر نئے زخم تو نہیں دیئے جاتے ہونگے۔
میری سہیلی کہتی تھی کہ ایسے لوگ جنت میں جاتے ہیں تو وہ بھی وہاں خوش ہو گی۔"

"اور تمھاری ماں؟" مریان اب اس کی کہانی میں دلچسپی لے رہا تھا۔
"وہ رمشا کے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھیں۔"
"تو تُم اب اپنے گھر نہیں جانا چاہتی؟"
"مُجھے بیچنے کے بعد میرے ابا اور دوسری اماں وہ گھر چھوڑ گئے تھے۔"
"اور تمھیں یہ کیسے پتہ؟"
"میں نے آخری رات اُنہیں باتیں کرتے سنا تھا کہ وہ چند دنوں میں وہ گھر چھوڑ دیں گے۔"
وہ مل گئے تو آپ مُجھے اُن کے حوالے کر دیں گے؟" اُس نے بجھی بجھی نظروں سے مریان کو دیکھا۔
"نہیں تُم یہاں ہمیشہ کے لئے رہ سکتی ہو میں ایسے لوگوں کے حوالے تُمھیں کبھی نہیں کروں گا جو ایک بار بیچ سکتے ہیں وہ دوسری بار بھی ایسا کر سکتے ہیں۔" حرا کی آنکھوں کے بجھتے دیے پھر ٹمٹمانے لگے۔
"ویسے تُم نے میرے لیے یہ مثال کیوں دی تھی؟"

”جیسے مجھے صحیح بات کرنے پر گھر سے نکال دیا ایسے آپ کو صحیح کام کرنے پر سیاست سے نکال دیا۔“

میں دوبارہ گھر چلی گئی تھی آپ دوبارہ سیاست میں چلے جائیں۔“

مریان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔

”تُم ذہین ہو بڑی ہو کر سیاست دان بنو گی۔“

”لیکن میں تو آپ کی طرح پڑھی لکھی نہیں ہوں۔“

”چلو میں تمھاری پڑھائی دوبارہ سے شروع کروا دوں گا۔“

”لیکن میں تو ایک جماعت بھی نہیں پڑھی۔“ مریان چند لمحے اُس کے اُترے چہرے کی جانب دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔

”کوئی بات نہیں میں تمھارے لیے ٹیوٹر کا انتظام کرتا ہوں گھر آ کر تمہیں پڑھا دیا کرے گا۔“ وہ سب کے مسئلوں کا حل نکال لیتا تھا۔

”آپ یہ کیوں پہنتے ہیں؟“

وہ مریان کے ہاتھ میں پہنی سیاہ پتھر کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

”انگوٹھی؟؟“

”نہیں سیاہ انگوٹھی۔۔“ وہ لفظ سیاہ پر زور دے کر بولی۔ مریان نے چاندی کی انگوٹھی میں جڑا سیاہ عقیق اپنی آنکھوں کے سامنے کیا۔

”یہ سیاہ پتھر مجھے پسند ہے۔“

"کیوں؟"

"پتہ نہیں کیوں مجھے سوالوں کی شیٹ جیسے لوگ ملتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

مگر سامنے بیٹھی لڑکی اُس کی بڑبڑاہٹ نہیں سن پائی تھی۔

"یہ کشش پیدا کرتا ہے۔" اُس نے گہرا سانس لیا اور کافی دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"کس کے درمیان؟"

مریان چند لمحے اُسے دیکھتا رہا وہ سوال کی نوعیت سمجھ رہا تھا سوال بہت گہرا تھا۔

اگر یہ کشش پیدا کرتا تھا تو کن کے درمیان کرتا تھا؟

"اِنسان اور اللہ تعالیٰ کے گھر کے درمیان کشش پیدا کرتا ہے۔" وہ ذرا تامل کے بعد بولا۔

"وہ کیسے؟"

"یہ سیاہ پتھر مجھے اُس سیاہ پتھر کی یاد دلاتا ہے جس میں ایسی کشش ہے کہ دُنیا میں سب سے زیادہ لوگ اُس پتھر کے شیدائی ہیں اُس کے گرد گھومنے والوں کی تعداد کروڑوں میں ہے وہ سیاہ پتھر کتنے ہی لوگوں کو خود سے اور آپس میں جوڑے ہوئے ہے۔"

"آپس میں کیسے؟" وہ پوری توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"دُنیا میں سب سے زیادہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کو جاننے کا وہیں موقع ملتا ہے سب سے زیادہ مسلمان اُسی مقام پر اکھٹے ہوتے ہیں اور ایسے اکھٹے ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے کی نسل رنگت ذات سب بھلا دیتے ہیں اُسے بحثیتِ مسلمان قبول کر لیتے ہیں۔"

"ہم عام زِندگی میں پھر ایسے کیوں نہیں کرتے؟"

”اللہ تعالیٰ کے گھر میں ایسا سحر ہے کہ وہاں اور کوئی چیز سوچنے پر ہم دھیان ہی نہیں دے پاتے سیاہ پتھر کی کشش ہر جگہ تو نہیں ہو سکتی نہ۔۔“

”مُجھے بھی سیاہ پتھر چاہیے۔“

”تمہیں بھی لا دوں گا۔“ حرا کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔مریان مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔

”آپ میرے سوالوں سے اُکتا گئے ہیں؟“

”نہیں اگر میں جوابوں کا بہتا دریا ہوں تو لوگوں کو مُجھ سے فیض یاب ہونا چاہیے۔“ زیام کی بات اُس کے ذہن میں اُمڈ آئی تھی۔

”کیا میں اپنی زندگی بچانے والے کی اور اُسے سنوارنے والے کی زندگی سے مل سکتی ہوں؟“

حرا کے اِس سوال پر مریان کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

”کوشش کی جا سکتی ہے۔“

مریان پینٹ کی جیب سے موبائل نکالتا کسی کا نمبر ملانے لگا۔

حرا غور سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”علیحہ تُم ہاسپٹل میں ہو؟“ اُس نے کال اٹھائے جانے پر پوچھا۔

”جی وہیں ہو۔“

”تمھارے ساتھ کون ہے؟“ وہ اُس سے ڈائریکٹ روحا کے بارے میں نہیں پوچھ سکتا تھا۔

"امی اور روحا ہیں۔ کیا آپ ہاسپٹل آ رہے ہیں؟"

مریان نے بغیر جواب دیئے کال کاٹ دی تھی۔

"کیا ہم اُن سے ملنے جا رہے ہیں؟"

مریان نے مستعدی سے سر ہلایا۔

حرا کے چہرے پر خوشی عیاں تھی۔

"آپ ایسے جائیں گے؟"

حرا نے اُس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ایسے کیا مطلب؟"

مریان نے اُس کی بات سمجھتے ہوئے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"آپ تیار ہو کر جائیں گے تو اُنہیں اچھے لگیں گے وہ خوش ہونگی۔"

مریان کا فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔

"میں کسی ملک کا شہزادہ بھی ہوتا پھر بھی اُسے اچھا نہ لگتا اور مُجھے رتی برابر اُمید نہیں کہ وہ مُجھے دیکھ کر خوش ہو گی۔"

"وہ آپکو پسند نہیں کرتیں؟"

اُس کے اگلے سوال کا جواب دیئے بغیر وہ چل پڑا تھا جواب اُس کے پاس تھا ہی نہیں۔

مریان نے غور کیا تھا حرا اِس بار گاڑی میں پچھلی بار سے زیادہ خوش تھی۔

وہ اُس سے چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔

”ہم ہاسپٹل سے واپسی پر شاپنگ کرنے جائیں گے اور باہر کھانا بھی کھائیں گے ہماری واپسی تک شاید دادو بھی آ جائیں۔“

مریان نے اُسے مزید خوش کرنے کی کوشش کی اور وہ ہو بھی گئی تھی۔

”روحا آپی بھی ہمارے ساتھ کھانا کھانے جائیں گی؟“ حرا کے پوچھنے پر مریان نے رُخ موڑ کر اُسے دیکھا۔

”وہ تو اب ایسی کسی آفر پر ڈائریکٹ مجھے ہی زہر کھلا دے۔“

”کیا؟“ حرا اُس کے آہستہ آواز میں بولنے پر سن نہیں پائی تھی۔

مریان نے غور کیا تھا اُس کے سننے کی حس کم تھی۔

روحا ٹانگ پر ٹانگ جمائے ماتھے پر زخم لیے پُر سکون انداز میں بیٹھی تھی۔

چہرے سے تھکن صاف نظر آ رہی تھی مگر اُس نے ہاسپٹل آنا ضروری سمجھا تھا۔

اُس نے گھر پہنچتے ہی ہاسپٹل آنے کی ضد کی تھی آذر اور ثمینہ بیگم کے لاکھ روکنے پر بھی وہ آ گئی تھی۔

”مُجھے خوشی ہے کہ تُم میرے سامنے صحیح سلامت بیٹھی ہو۔“ امین بخش ہوش میں آ چکا تھا اور روحا کے عیادت کے لیے آنے پر وہ بیڈ پر اُٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

”روحا سادام کو قید رکھنا آسان نہیں۔“
نقیب اُس کی باتیں سُن لیتا تو اُس کا کھڑکی سے بھاگنے والا مشورہ ضرور بتاتا اور اس کے لیے سب سے تعریف بھی وصول کرواتا۔
”مُجھے یقین تھا میں ٹھیک ہوں تو آپ بھی ٹھیک ہونگے۔“
”میں کیسے تمھاری جان چھوڑ سکتا تھا۔“
امین بخش پھیکی مسکان لئے بولا۔
”بابا ایسے مت کہیں۔“
علیحہ امین بخش کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔
”روحا میں تُم سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ سیگریٹ نہیں پیوں گا۔“
”آپکا شکریہ نہیں ادا کروں گی میں جانتی ہوں یہ میری باتوں کا اثر ہے۔“ وہ مزے سے بولی تھی۔

روحا موبائل کی بیپ پر چونکی۔
”یہ تو میرا موبائل ہے۔“
روحا کی نظر نسرین بیگم کے پاس پڑے موبائل پر پڑی۔
”ہاں جو امین بخش کو یہاں لایا تھا اسی نمبر سے اُس نے فون کیا تھا پھر مُجھے دے گیا تھا۔وہ روحا کو موبائل پکڑاتے بولیں۔
روحا کال کرنے والے کا نام دیکھ کر کال اُٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

"کیا ہوا کزن اتنے عرصے بعد میری یاد کیسے آ گئی؟" روحا نے پُر شکوہ انداز میں کہا۔
"کیسی ہو تُم؟" زیام شرمندہ ہوا۔
"روحا سادام کو کچھ نہیں ہو سکتا۔" وہ زیام کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا کُچھ ہو چکا ہے۔
"کیوں نہیں کُچھ ہو سکتا؟"
کیونکہ میں روحا ہوں، زِندگی ہوں۔"
"ختم تو زِندگی بھی ہو جاتی ہے۔" زیام نے اُسے چھیڑنا چاہا۔
"زِندگی ختم ہو جاتی ہے مگر روحا نام تو نہیں ختم ہوتا نا۔"
"تو تمھارے کہنے کا مطلب ہے کہ تمھاری زندگی ختم ہو بھی گئی تو کوئی اور روحا تو اس دُنیا میں موجود ہو گی۔"
"سید زیام شاہ کیوں مُجھے مارنے پر تُلے ہو؟" روحا نے نروٹھے سے کہا تو دوسری جانب زیام کی ہنسی کی آواز گونجی۔
"نہیں بس تمھارے فلسفانہ انداز میں بات کر رہا تھا۔"
"جس میں تُم بری طرح ناکام ہوئے ہو۔ویسے کال کیوں کی تھی؟" وہ گھوم کر اسی بات پر آ گئی۔
"علیحہ کے والد کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اب کیسے ہیں وہ؟"

"میں سمجھی میری خیریت معلوم کرنے کے لئے کی ہے مگر تُم تو سنگدل نکلے۔ویسے اُن کے بارے میں تمھیں کس نے بتایا؟"

"مریان نے۔۔"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"کس نے؟؟"

روحا نے بے یقینی سے دوبارہ پوچھا تھا وہ اس کے آس پاس کے لوگوں سے اتنا قریب کیوں تھا اُس کے لیے ذہن میں سوال اُبھرا تھا۔

"سابق میئر کراچی مریان لکھانی نے ویسے مُجھے بھی حیرت ہوئی تھی یہ جان کر کہ وہ علیحہ کو جانتا ہے۔"

"تُم اُسے کیسے جانتے ہو؟" اُس کا لہجہ الجھن سے بھرا تھا۔

اُسے اپنے پیچھے کسی کے کھنکھارنے کی آواز آئی تھی۔وہ پیچھے مڑی تھی اور مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی تھی۔اس نے جلدی سے کال کاٹی۔

"علیحہ کدھر ہے؟" مریان نے مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔بھوری آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

وہ دلفریب مسکراہٹ کا مالک تھا کسی کو بھی نظریں ہٹانے میں مُشکل ہو سکتی تھی سامنے کھڑی لڑکی کو بھی ہوئی تھی۔

"وو۔۔وہ۔۔سامنے کمرے میں ہے۔"

اُس نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے رخ موڑ لیا تھا۔

"آپ بھی سیاہ پتھر پہنتی ہیں؟"

اُس نسوانی آواز پر روحا نے مریان کے پیچھے کھڑی حرا پر نظر ڈالی پھر اپنے ہاتھ میں موجود دو سیاہ پتھر کی انگوٹھیوں پر نظر ڈالی۔

سامنے کھڑے شخص کی نظریں وہیں جم گئی تھیں ساتھ میں مسکراہٹ گہری ہوئی تھی ہلکا ڈمپل گہرا ہوا تھا۔

روحا کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا کہ اس نے کیوں یہ انگوٹھی نہیں اتاری تھی۔

"نہیں یہ دوسروں کے چرا کر پہنتی ہیں۔" مریان نے جواب دیا تھا۔

وہ دونوں انگوٹھیاں پہچان گیا تھا۔

اپنی بھی اور علیحہ کی بھی جو اس نے علیحہ سے پہلی ملاقات میں اُس کے ہاتھ میں پہنی دیکھی تھی۔

چرائی ہوئی نہیں دوسروں کی اُتار کر پھینکی ہوئی۔ روحا تڑخ کر بولی تھی۔

"روحا آپی مریان بھائی کہہ رہے تھے یہ کشش پیدا کرتی ہے۔"

"یہ تو سب کہتے ہیں۔" روحا نے کہتے ہوئے شانے اچکائے۔

"جھوٹ کہتے ہیں؟"

"کہتے ٹھیک ہیں مگر توقعات غلط رکھ لیتے ہیں۔"

"کیسے؟"

"کہتے ہیں یہ کشش پیدا کرتا ہے اور توقعات حاصل کر لینے کی ہوتی ہیں۔"

مریان نے حیرت سے اُس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"تو کیا وہ اُسے سمجھنے لگی تھی؟"

"آپ بھیا جیسی باتیں کرتی ہیں۔"

"اور تُم زیام جیسی۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

مریان کو اُس کی بات سے سو فیصد اتفاق تھا وہ زیام کی طرح دوسروں کو الجھانے والی باتیں کرتی تھی۔

"وہ کون ہیں؟"

"بتاتا ہوں۔" مریان اُس کا ہاتھ پکڑتا چل پڑا تھا اس سے پہلے کہ اُس کا نیا سوال نامہ شروع ہوتا۔

"اور سیدہ روحا سادام روحا کا مطلب صرف زِندگی نہیں ہے روح بھی ہے زندگی ختم ہو سکتی ہے مگر روحیں ہمیشہ رہنے کے لئے بنی ہیں۔" مریان اُس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

مریان پلٹتے ہوئے بولا اور روحا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

چند لمحے وہیں کھڑی رہی پھر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ اندر داخل ہوئی تھی مریان نے زمین پر جھکی نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا اُس کے چہرے کی تھکن اُسے محسوس ہو گئی تھی۔

اُس کے سر پر بندھی پٹی اور آنکھوں کے گرد حلقوں سے وہ جان گیا تھا وہ اس کی وجہ سے بغیر کسی غلطی کے سزا کاٹ کر آئی ہے۔

مگر شکوہ کیا اُس نے تو احساس بھی نہیں دلایا تھا کہ وہ قصور وار ہے اُس کی وجہ سے وہ سب بھگت کر آئی ہے۔اُسے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا۔

روحا نے اُس کی جانب دیکھا تھا لمحے بھر کو نظریں ٹکرائیں تھیں پھر مریان نے نظریں جھکا لی تھی اس بار آنکھوں میں دیکھنا مُشکل تھا اُسے اپنا آپ قصور وار لگنے لگا تھا۔

~~~

"نقیب یار بس کر جاؤ پورا کمرہ مہک رہا ہے۔"

نقیب جو خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کرنے میں مصروف تھا مریان کی آواز پر پلٹا۔

"میں یہی تو چاہتا ہوں آج ساری دُنیا مہک اُٹھے۔"

وہ مریان کی بات نظر انداز کرتا آئینے میں اپنا عکس دیکھتے مسکرایا اور پھر سے پرفیوم کا چھڑکاؤ شروع کر دیا۔

"اتنا بن ٹھن کے کہاں جا رہے ہو؟" مریان کے لبوں کو شرارتی مسکان نے چھوا۔

"بنے ٹھنے تو تم بھی ہوئے ہو میں نے تو نہیں پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔" نقیب اُلٹا اُسے دھر لیا۔

"میں ہمیشہ سے ہی ایسا ہوں اور کہیں جا نہیں رہا تھا یہاں آ رہا تھا۔جیسے تُم اُجڑے ہوئے رہتے ہو اِس تیاری پر کوئی بھی حیران ہو سکتا ہے۔
~~~

ویسے تُم نے آج یہ پینٹ کوٹ کیوں پہنا ہے؟" مریان نے اس کے مقابل کھڑے ہوتے تنقیدی نظروں سے اُسے دیکھا پھر کوٹ کا آخری بٹن کھول دیا۔

"تا کہ سامنے والے پر اچھا تاثر جائے۔"

"کیا سامنے والی کوئی لڑکی ہے؟" مریان اب اپنی ہتھیلیوں پر جیل لگا کر اُس کے بالوں میں اوپر کی جانب ہاتھ چلانے لگا تھا۔

"ہاں لڑکی ہے۔"

"تو اُسے اچھا تاثر کیوں دینا چاہ رہے ہو؟"

"عینی کو پرپوز کرنے جا رہا ہوں۔"

مریان کے اُس کے بالوں میں چلتے ہاتھ رکے وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا تھا اُسے نقیب سے اُمید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اصل بات اُگل دے گا۔

"عینی کون ہے؟"

"ایک خوبصورت لڑکی۔"

"مُجھے معلوم ہے عینی لڑکی کا نام ہے اور سید نقیب شاہ کو خوبصورت لڑکی ہی پسند آ سکتی ہے۔"

"پھر کیا اگلوانا چاہتے ہو؟" نقیب سینے پر باندھے کھڑا ہو گیا۔

"یہ ہی کہ تمھیں کہاں ملی؟ مُجھے یقین نہیں آ رہا تمھیں کوئی لڑکی اتنی پسند آ گئی ہے تُم اُسے شادی کرنے کا سوچ رہے ہو۔" اُس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔

"پچھلے مہینے مال میں ملی تھی اور تُمہیں یقین دلانے کے چکروں میں مُجھے دیر ہو سکتی ہے۔"

نقیب نے اُسے لمبی تفصیلات بتانے سے گریز کیا تھا۔

"تُم ایسے ہی ایک ملاقات کے بعد کسی لڑکی سے شادی کا سوچ رہے ہو تمھارے گھر والے مان جائیں گے؟" مریان کو تشویش ہوئی۔

"اُسکا نام سیدہ قرۃالعین شاہ ہے۔"

"اوہ۔۔۔تو تمھیں سید لڑکی مل گئی۔" مریان نے لب گول کیے۔

"ویسے تُم اچھے لگ رہے ہو مگر ہو سکتا اُس نے تمھیں شلوار قمیض میں پسند کیا ہو۔" مریان نے ایک بار پھر اسے سر تا پیر تک دیکھا۔

"میں نے کب کہا اُس نے مُجھے پسند کیا ہے۔"

"مطلب تُم خوش فہم ہو رہے ہو حال تمھارا بھی میرے والا ہے۔"

"نہیں اُس نے مُجھے خود بلایا ہے۔"

"تُم سیاستدان ہو شاید اُسے تُم سے کوئی کام نکلوانا ہو؟" مریان کو شازین والا واقعہ یاد آیا تھا۔لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"وہ نہیں جانتی کہ میں سیاستدان ہوں۔"

"تو پھر شاید امیر زدہ سمجھ کر کوئی کام کروانا ہو۔" نقیب نے ایک خفگی بھری نظر اُس پر ڈالی۔

"وہ خود اچھی خاصے امیر گھرانے کی لگتی تھی اور امیر زدہ لگنے سے تمھارا کیا مطلب ہے میں امیر زدہ ہی ہوں۔"

"لگنے کو تو کوئی بھی امیر لگ سکتا ہے اپنی مثال لے لو لگنے میں تو تُم غریب لگتے ہو۔"

مریان مسکراہٹ دباتے بولا۔

نقیب نے آئینے سے چہرہ موڑ کر مریان کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔

”ویسے مریان لکھانی تُم اتنی جلی کٹی باتیں کیوں کر رہے ہو؟“

وہ روحا کے انداز میں لفظ لکھانی پر زور دیتے بولا۔مریان کا قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔

”میں تمہیں حقیقت سے روشناس کروا رہا ہوں۔“

”ایسی تلخ حقیقت اپنے پاس رکھو۔ویسے تُم کس لیے آئے ہو؟“

نقیب کو اتنی دیر بعد اس کی آمد کی وجہ دریافت کرنے کا خیال آ ہی گیا تھا۔

”میں نے پارٹی بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”اچھا۔“ نقیب نے خلافِ توقع کوئی پُر جوشی نہیں دیکھائی۔

”تمھیں خوشی نہیں ہوئی؟“

”خوش ہونگا تو دیر ہو جائے گی۔“

نقیب کنگا بالوں سے ہٹاتا اب دوبارہ خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کرنے لگا تھا۔

مُریان نے اِس قدر خوشبو سے بچنے کے لئے پاس پڑا تکیہ چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔

”تُمہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے؟“ مریان نے پرفیوم اُس کے ہاتھ سے چھپٹا تھا۔وہ مزید خوشبو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

”عینی نے چار بجے کا وقت دیا ہے۔“

”مگر ابھی تو دو ہی بجے ہیں۔“ مریان نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔

”اتنی ٹریفک ہوتی ہے راستے میں وقت لگے گا۔“

”دو گھنٹے لگیں گے؟“

”میں نے راستے میں سے پھول بھی لینے ہیں۔“

”اُس میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔“ مریان کا حساب پکا تھا۔

”میں نے انگوٹھی بھی لینی ہے۔“

”کیسی انگوٹھی؟“

”یہ جیسی تُم پہنتے ہو ایسی تو نہیں۔“

”میں تو اپنی والی کو ایسی ہی سیاہ انگوٹھی دوں گا۔“ مریان نے اپنی سیاہ پتھر کی انگوٹھی پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

”تمھارے والی تو تُمہیں اِس جنم میں نہیں ملے گی۔“ نقیب نے طعنہ کسا۔

”مسلمانوں کا ایک ہی جنم ہوتا ہے۔“

”نہیں مسلمانوں کے دو جنم ہوتے ہیں۔“

نقیب کمرے سے باہر نکلتا قدرے اونچی آواز میں بولا تھا تا کہ مریان تک اُس کی آواز پُہنچ سکے۔

”اور مسلمان بیویاں جنت میں بھی اپنا شوہر ہی دوبارہ مانگتی ہیں تو تمھارا کہیں بھی کوئی چانس نہیں۔ تُم ویسے بھی بوڑھے ہو گئے ہو کوئی اور لڑکی بھی تُمہیں نہیں ملے گی۔“

مریان اُس کی باتوں میں بے نیازی سے ہنسنے لگا۔

”میں بوڑھا ہو گیا ہوں؟“

مریان شیشے کے سامنے کھڑے کر خود کلامی کی۔
"شیشہ جھوٹ نہیں بولتا میں ابھی بھی نوجوان ہو۔" مریان نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے شان سے کہا۔

....

نقیب ریستوران میں بیٹھا کب سے عینی کا انتظار کر رہا تھا وہ واقعی جلدی آ پُہنچا تھا۔
اُس نے میز پر سر رکھے آنکھیں موند لی تھیں۔
کسی نے اُسے بازو سے جھنجھوڑا تو وہ بوکھلاہٹ میں ادھر اُدھر لگا۔
"تُم یہاں سونے آئے ہو؟"
عینی سینے پر بازو لپیٹے کھڑی اُس سے پوچھ رہی تھی۔عینی کو دیکھتے ہی اُس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔
نقیب نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔بروکیڈ پیٹرن کی کُرتی کے نیچے جینز اور سنہری سیکوئنڈ بلاک ہیل کے ساتھ سفید سنیڈل پہن رکھے تھے۔چہرہ ہلکے میک اپ کے ساتھ زیادہ پُر رونق لگ رہا تھا۔
"اب تُم اتنا لیٹ آؤ گی تو بندہ سوئے گا ہی نہ۔۔"
"میں عین وقت پر آئی ہوں۔" عینی نے اُنگلی اُس کی گھڑی کے شیشے پر رکھی۔نقیب نے اس کے اشارے کے باوجود گھڑی پر نظر نہیں ڈالی وہ جانتا تھا وہ ہی جلدی آیا تھا۔
"کیوں بلایا تھا؟"
نقیب نے سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھتے پوچھا۔

"زیام کو تُم جانتے ہو؟" عینی اُس کے مقابل پڑی کُرسی کھینچتے بیٹھی۔

"ہاں جو اُس دن ملا تھا۔ کیا ہوا اُسے؟"

"میں اُسے پسند۔۔"

"ہاں تو تُم اُسے پسند کرتی ہو؟" نقیب نے اُس کی بات کاٹی۔

"نہیں۔۔ کرتی تھی۔"

"تو اب تُم اُس سے بدلہ لینا چاہتی ہو؟

دیکھو میں ایسے کام نہیں کرتا میں اپنی ہیرو گری صرف مُشکل وقت میں دیکھاتا ہوں۔" نقیب نے ہاتھ ہوا میں بلند کیے۔

"میں نے اس سے کوئی بدلہ نہیں لینا۔" اب کی بار عینی چڑ کر بولی تھی۔

"پھر اُس کے روگ لے کر زِندگی گزارنی ہو گی پہلی محبت کب بھولتی ہے۔" نقیب افسردگی دیکھاتے بولا۔ عینی نے اُس کے پُر سکون چہرے کو دیکھا۔ اُس شخص کے لیے کوئی بھی بات مسئلہ نہیں تھی۔

"سیدہ قرۃالعین شاہ کے عقد میں آؤ گے۔"

"ہیں ہیں ہیں؟؟" نقیب نے آنکھیں سکیڑے عینی کی جانب دیکھا۔

"ہاں ہاں ہاں۔۔۔"

مریان نقیب کے منہ میں سامنے پڑے کیک کا ٹکڑا ڈالتے بولا۔

"یہ کیوں کھلا رہے ہو اور تم کہاں سے ٹپک پڑے ہو؟" نقیب نے غُصیلی نظریں مریان پر جمائیں۔ عینی بھی مریان کو اچانک دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔

”مبارک ہو۔“ مریان نے کیک اب اپنے منہ میں ڈالا تھا۔
”یہی تو پوچھ رہا ہوں کس بات کی مبارک دے رہے؟“
”جو عینی نے کہا تمھیں سنائی نہیں دیا؟“
”مُجھے سمجھ کب آئی تھی کہ تم ٹپک پڑے۔“
”یہ کہہ رہی ہے کہ یہ سید نقیب شاہ سے شادی کرنے کے لئے راضی ہے۔“
”لیکن میں نے تو ابھی پرپوز کیا ہی نہیں تھا۔“
”تو اُس نے تمھیں کر دیا نا۔“ مریان نے پُر جوشی سے جواب دیا۔
”کب؟“ نقیب کے بے تکے سوال پر اُسے تاؤ آیا پر وہ مصلحتاً خاموش رہا۔

”عقد کا مطلب نکاح ہوتا ہے احمق۔۔!!“ مریان نے نقیب کے کان میں سر گوشی کی۔نقیب کے رُخسار سُرخ پڑے تھے۔
”سوری میری اُردو اتنی اچھی نہیں ہے۔میں بچپن سے سندھی بولتا آیا ہوں۔“ نقیب کان کھجلاتے بولا۔
عینی نے منھ بنایا وہ جو اُردو میں رٹے لگا کر آئی تھی سب بیکار گئے تھے۔
”یہ آپ کے لئے انگوٹھی لایا تھا۔“ مریان خود سے کُرسی کھینچ کر اُن کے درمیان بیٹھا۔اُسے یقین تھا اُسے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔
”بیٹھو مت چلو۔“
نقیب اُسے بیٹھتا ہوا دیکھتے بولا۔

"ہاں چلو۔" مریان اُس کا بازو پکڑا۔

"میں کیوں جاؤں؟" اُس کا اُٹھ کر جانے کا قطعی ارادہ نہیں لگتا تھا۔

"میں نے پریس کانفرنس ارینج کروائی ہے اور تمھارا ساتھ ہونا ضروری ہے۔"

مریان نے دانتوں کی نمائش کی۔

نقیب کو مریان کی مسکراہٹ سُلگا گئی تھی مگر وہ خاموشی سے انگوٹھی کی ڈبیا عینی کی جانب بڑھاتا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پہنا بھی دو۔"

مریان کے کہنے کی دیر تھی کہ اس نے فوراً سے ڈبیا میں سے انگوٹھی نکال کر عینی کی طرف بڑھائی تھی۔ عینی جھینپ کر مسکرائی پھر خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لی تھی۔

"تُم مُجھے پہلی نظر میں پیاری لگی تھی ہمیشہ میرے لیے ویسے ہی انمول رہو گی۔

سید نقیب شاہ اپنی پسند کے معاملے میں بہت پائیداری دیکھاتا ہے۔" عینی کا دِل خوش گوار انداز میں دھڑکنے لگا۔

دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی اور اِس مسکراہٹ میں بھی پائیداری تھی یہ بھی ہمیشہ رہنے والی تھی۔

لازمی نہیں ایک شخص کی خاطر ساری مسکراہٹیں کوئی قبر کھود کر اُس میں دبا دی جائیں اور حالات اور وقت بدلنے کا انتظار کیا جائے۔

جب تک آپ خود کو اندر سے نہیں بدلیں گے کُچھ نہیں بدلنے والا یہ اُداسی سالوں پر محیط ہوتی جائے گی اپنے لیے خوشیاں خود تلاش کریں۔
زِندگی آپ کو مسکرانے کے بہت سے مواقع دے گی بس اُن کو ہاتھ سے مت گنوائیں۔

......

وہ چند رپورٹرز کے سامنے مُکمل اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اب نہ مئیر کراچی ہے اور نہ ہی ایچ ٹی پی پارٹی کا ممبر ہے وہ ایک نئے اغاز کے لئے کھڑا ہے۔
ایسا آغاز جسے بہت آگے جانا تھا جس میں بہت سے لوگوں نے کردار ادا کرنا تھا۔
"مریان لکھانی کیا آپ اپنی الگ حکومت قائم کرنے کے لئے یہ پارٹی بنا رہے ہیں؟ کیا استعفیٰ دینے کی اور ایچ ٹی پی پارٹی کو خیر باد کرنے کی وجہ یہ ہے؟" رپوٹر نے سوال پوچھتے مائیک اُس کے قریب کیا۔
"میں الگ حکومت نہیں الگ سیاست قائم کرنا چاہتا ہوں آج کی سیاست سے الگ سیاست جس کا مقصد صرف عوام کی فلاح ہو۔"
"یہ تو سب ہی کہتے ہیں۔" خاتون رپورٹر کی بات پر مریان نے رُخ موڑ کر اُس کی جانب مسکراہٹ اچھالی۔
"سب اِس لیے کہتے ہیں کیونکہ سیاست کا صرف یہی مقصد ہے مگر یہاں آ کر لوگ مقصد بھول جاتے ہیں اور جس چیز کا مقصد بھلا دیا جائے وہ کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔"

"تو آپکی الگ سیاست میں کیا الگ ہو گا کوئی ایک ایسی بات جو لوگوں کو آپ کو ووٹ دینے پر مجبور کرے۔"

"مجھے کوئی ووٹ نہیں چاہیں مجھے حکومت میں آ کر کچھ نہیں کرنا مجھے اُس سے پہلے کچھ کر کے دیکھانا ہے تا کہ لوگ مجھے لانے پر خود مجبور ہو جائیں مجھے الیکشن کے قریب آنے پر شکل دیکھا کر بھکاریوں کی طرح ووٹ نہیں مانگنے۔ مجھے ایسا کام کرنا ہے کہ لوگوں کو اور کوئی چوائس نظر نہ آئے اُنہیں بس یہ لگے کہ یہی وہ سب کر سکتا ہے جو ہمیں چاہیے۔" بہت سے چہروں پر حیرت در آئی۔

"تو آپ اپنی رقم لوگوں پر خرچ کر کے اُنہیں استعمال کریں گے؟" ایک رپورٹر کے سوال پر مریان نے گہرا سانس کھینچا۔

"نہیں میں لوگوں کے جذبات کے ساتھ کھیلوں گا نہیں اُنہیں سمجھوں گا۔" مریان نے ہنوز پُر سکون انداز میں جواب دیا۔

"اِس کا مطلب ہے کوئی معمولی اِنسان سیاست میں اپنا مقام نہیں بنا سکتا اُسے آپکی طرح رئیس ہونا چاہیے پھر ہی وہ آپکے طریقے پر عمل کر کے کچھ الگ کر سکتا ہے۔" اگلا سوال زیادہ تنقیدی تھا پر مریان کے چہرے کے سکون میں فرق نہیں آیا تھا۔

"آپ نے کہاں دیکھا ہے کوئی ریڑھی والا اُٹھ کر سیاست میں آ کر بڑے بڑے جلسے کروانے لگا اپنی پارٹی بنا لی اور چاہ گیا اور اگر کوئی اور آئے گا تو وہ اپنا طریقہ ساتھ لائے گا اُسے مریان لکھانی کے طریقے کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

”آپ سیاست میں بگاڑ لانے والی بات کر رہے ہیں۔“

”میں نے سیاست میں بگاڑ لانا ہوتا تو کبھی سیاست میں نہ آتا۔سیاست میں بگاڑ لانا مُشکل نہیں ہے سدھار لانا مُشکل ہے اور مُجھے مُشکل کام پسند ہیں۔سیاست میں بگاڑ ہم سیاست سے باہر رہ کر بھی لا سکتے ہیں جیسے کہ ہم لا رہے ہیں بِلا وجہ کی نتنقد کر کے، حکومت کے بنائے گئے اصول نہ مان کر، کرپشن کر کے، بدعنوانی پھیلا کر اور خود کو ہر چیز سے بری الزمہ کر کے حکومت کو قصور وار ٹھہرا کر ہم ایسا ہی کر رہے ہیں۔مگر سیاست میں سدھار لانے کے لئے ہمارا سیاست میں جانا ضروری ہے دور سے تماشائی بن کر دیکھنے سے کوئی حل نہیں نکلے گا کسی چیز میں سدھار نہیں آئے گا۔

یہ جس معجزے کی آپ کو تلاش ہے نہ یہ کبھی نہیں ہو گا یہ آپ لوگوں کی کوشش کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔معجزوں کو بھی اُن لوگوں کی تلاش ہوتی ہے جو اُس کے قابل ہو۔

اکثر جدوجھد سے چند سالوں میں سب بدل جاتا ہے ملک میں سدھار آ جاتا ہے اور اکثر صدیوں کی محنت بے سود جاتی ہے جیسے آج کل جا رہی ہے۔“

”کیوں ایسا ہو رہا ہے؟“ مریان سوال پر مسکرایا۔

”ہم کوشش لگن سے نہیں کرتے جو لگن سے کوشش کرتے ہیں وہ کبھی تھک کر پیچھے نہیں ہٹتے وہ منزل پا کر رہتے ہیں اُنہیں لمبے صبر کمزور نہیں کرتے وہ ہمت ہارنے والے نہیں ہوتے۔

کبھی سوچا یہ ملک بناتے وقت ہمت ہار جاتے تو کیا ہوتا؟ آدھے راستے میں تھک جاتے تو کیا ہوتا؟ مارے جاتے؟ نہیں مارے تو بہت سے گئے تھے۔

اگر وہ لٹے پٹے اپنے آدھے سے زیادہ خاندان کے افراد ملک پر وار کر آئے قافلے پاکستان نہ آتے تو کیا ہوتا؟ یہ پاکستان کا وجود بننے سے پہلے ختم ہو جاتا آزادی اُنہیں ملی جو آخری دم تک لڑے۔

آپ لوگ زندگی کی ہر آسائش سے مزئین کمرے میں بیٹھے ٹی وی پر آتی خبروں سے لطف اندوز ہوتے گالیاں نکال رہے ہوتے ہیں۔

ہر آسائش حاصل کرنے کے بعد غریب عوام کو لوٹنے کے بعد کس بات کی گالیاں؟

کروڑوں کے ٹیکس کھا کر گالیاں نکالنے کے تنقید کرنے کے کم از کم آپ لوگ تو حق دار نہیں ہیں۔

حق اُن کا بنتا ہے جو سارا دن آپ لوگوں کی چاکری کرتے ہیں اور وہ رات کو اللہ تعالیٰ کو اپنے دکھ سنا کر اپنی زندگی میں آسانیاں مانگتے تکیہ بھگوتے سو جاتے ہیں۔

دراصل ملک میں چلنے والا پلڑا برابر نہیں ہے۔

کن لوگوں کے پاس زیادہ وہ نہیں چاہئیں گے کہ یہ پلڑا کبھی بھی برابر ہو وہ یہ پلڑا کبھی بھی برابر نہیں ہونے دیں گے۔اِس پلڑے کو کسی قوت کو کھینچ کر برابر کرنا پڑے گا۔

"اور وہ قوت آپ ہونگے؟"

""کوئی بھی ہو سکتا ہے آپ بھی ہو سکتی ہیں۔"

مریان سامنے مائیک پکڑے کھڑی رپورٹر کی طرف اشارہ کرتے بولا۔

"کوئی بھی شخص قوت بنا سکتا ہے۔کوئی بھی شخص اپنے ساتھ پانچ ہاتھ مزید کھڑا کر لے وہ قوت بنا سکتا ہے کیونکہ وہ پانچ مزید پچیس ہاتھ کھڑے کروائیں گے تو آپ اقلیت سے اکثریت بن جائیں گے اکثریت ہی قوت ہوتی ہے۔

جس دن یہ غریب لوگ خود کو اکثریت سمجھ کر قوت بن کر پلڑے پر زور دیں گے یہ برابر ہونے لگے گا۔"

"آپ بہت بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔"

"ایک بہت بڑی اور دلکش عمارت بنانے سے پہلے بھی کاغذ پر اُس کا خاکہ ہی بنتا ہے پھر ہی وہ عمارت آہستہ آہستہ تشکیل میں آتی ہے۔"

"اُمید ہے آپ ایک الگ سیاست بنائیں گے۔" رپوٹر نے کہتے ہوئے مائیک پیچھے ہٹایا۔

وہ لوگوں کا بھروسہ جیتتا اپنی جگہ سے پیچھے ہٹا تھا مگر اصل میں وہ آگے بڑھا تھا آگے جانے کے لیے وہ قدم اٹھا چکا تھا۔

"چاہ گئے ہو میرے شیر۔۔"

نقیب نے بازوں مریان کی گردن کے گرد لپیٹے۔

"میں تمہیں اسی لیے پچھلی سیٹ پر نہیں بیٹھاتا۔تمہاری اس حرکت سے سانس بند ہونے لگتا ہے۔ آگے آکر بیٹھو۔" مریان نے اُس کے بازو پیچھے کرتے اُسے ہلکا سا ڈپٹا۔

"میں آج بہت خوش ہوں۔" نقیب سرشار سا بولا۔

"میں بھی تمھاری وجہ سے بہت خوش ہوں۔"

مریان نے اُس کے آگے جھکے سر کے بال بکھیرے۔

"میں تو تب یقین کروں گا جب تُم ڈانس کر کے دیکھاو گے۔"

"لوگ ہمیں ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں گے تو پاگل سیاست دان ٹھہرا دیں گے۔"

"ڈی ایچ اے کے لوگ بہت اکڑوں ہیں یہ ایسی باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔"

"ہاں ہوتے تو اکڑو ہی ہیں۔" مریان کو روحا کا خیال آیا تھا۔ کس بات پر اُسے اس کا خیال نہیں آتا تھا۔

"چلو پھر باہر تو نکلو۔" نقیب گاڑی سے باہر نکلتا اب آگے بیٹھے مریان کو باہر کھینچ رہا تھا۔

"نقیب میں باہر نہیں آؤں گا۔" مریان نے ڈھیٹائی دیکھائی۔

"تُم بہت بورنگ اِنسان ہو۔" نقیب نے منہ بناتے اُس کا بازو چھوڑا۔

سائیکل کی گھنٹی پر دونوں نے سامنے دیکھا تھا۔

سامنے موجود لڑکی نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"تُم دونوں بعد میں بحث کر لینا فلحال راستہ صاف کرو۔" وہ ناک چڑاتے بولی۔

نقیب آرام سے کھسکتا مریان کے ساتھ سامنے والی سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا۔

مریان گاڑی سے باہر نکلتا روحا کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔

"راستہ دو۔" وہ مزید اکڑتے بولی۔

مریان نے اُس کی سائیکل کو کھینچ کر سائڈ پر کیا تھا۔

"یہاں سے آپ گزر سکتی ہیں اتنی جگہ سے چار، پانچ سائیکل گزر سکتے ہیں آپ کو بس کھڑے ہو کر دوسروں کے بیچ کے معاملات دیکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔"

مریان آنکھوں پر لگی عینک درست کرتے مڑا تھا۔

روحا سر تا پیر سُلگ کر رہ گئی تھی۔

"بوڑھا۔" وہ پیچھے سے بڑبڑائی۔

"تمھاری زُبان سے سب سے پیارا یہ لفظ لگتا ہے۔"

وہ آہستہ آواز میں بولا تھا مگر مڑتی ہوئی روحا تک آواز پہنچ چکی تھی وہ وہیں رک گئی تھی اور گاڑی میں بیٹھتے مریان کو دیکھنے لگی تھی۔

مریان نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے کا اُس پر قائم سحر ٹوٹا وہ پیر پٹختی پیچھے ہٹی تھی اور مریان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی گالوں پر ڈمپل نمودار ہوئے تھے مگر روحا کو اپنی تذلیل کے بعد اُس کی دلکش مسکراہٹ بھی اِس وقت زہر لگ رہی تھی۔

"اتنا اکڑنے کی کیا ضرورت تھی؟" نقیب نے شکوہ کیا۔

"سامنے والے کو اُسی کے انداز میں جواب دیا ہے۔" مریان شانے اچکا دیئے۔

مریان اور نقیب گھر میں داخل ہونے کے بعد سیدھا ڈائننگ روم کی طرف گئے تھے وہ جانتے تھے اِس وقت کھانا لگا ہو گا۔

اُنہیں دیکھ کر صبیحہ بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔

"میں نے تُم لوگوں کا کھانا بھی لگا دیا تھا مُجھے اندازہ تھا کہ تُم لوگ کھانے کے وقت آ ٹپکو گے۔"

"ہمیں پتہ ہے آپ اتنے دنوں کے بعد آنے پر اچھا کھانا بنوائیں گی تو ہم یہ موقع کیسے گنوا سکتے تھے۔" مریان نے کہتے اپنی سیٹ سنبھالی۔

"پھر مریان لکھانی الگ سیاست کی بُنیاد رکھ آئے ہو؟" صبیحہ بیگم نے بریانی کی ڈش اُس کی جانب بڑھائی جو اُس نے فوراً تھام لی اور اپنی پیلٹ میں بریانی ڈالنے لگا۔

"میں جب سیاست میں آیا تھا تبھی الگ سیاست کی بُنیاد رکھی گئی تھی۔"

"تمھارا باپ بھی یہی کہتا تھا کہ پاکستانی سیاست میں اِنقلاب لائے گا مگر کام ادھورا چھوڑ کر چلا گیا۔"

صبیحہ بیگم حسبِ معمول بیٹے کے ذکر پر افسردہ ہوئیں۔

"دادو ادھورا کب چھوڑ کر گئے ہیں وہ اِس کام کے لئے اپنے مریان کو چھوڑ گئے تھے۔"

"بھیا آپ نے آج بہت اچھی باتیں کی ہیں میں آپ سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔"

حرا نے پانی کا جگ میز پر رکھتے کہا۔

"واقعی میں بھی آج مریان سے بہت متاثر ہوا ہوں پہلے میرے گھر ٹپکا میری تیاری خراب کی پھر مجھے عینی کے ساتھ تھوڑا وقت بھی نہیں گزارنے دیا سارا ماحول خراب کر دیا پھر پریس کانفرنس میں یہ تک نہیں کہا کہ پارٹی بنائے کا مشورہ میرا یعنی کہ سید نقیب شاہ کا تھا اور آخر میں تمھاری دیکھائی گئی بہادری نے میرے دِل میں تمھاری دھاک بٹھا دی ہے۔"

مریان نے اپنی اِس قدر تعریف پر نقیب کو آنکھیں دیکھائیں۔ مگر وہ اپنا کام کر کے اب کھانے میں مشغول ہو چُکا تھا۔

"مریان کیا نقیب سچ کہہ رہا ہے؟" صبیحہ بیگم نے تصدیق چاہی۔

"نقیب کب سچ نہیں کہتا؟"

جواب کی بجائے اُلٹا سوال آیا تھا اور صبیحہ بیگم کو اسی قسم کے جواب کی اُمید تھی۔

مریان لکھانی سوالوں کے جواب ہی نہیں سوالوں کے بدلے سوال دینا بھی جانتا تھا۔

وہ ہر طرح سے سامنے والے کو خاموش کروانا جانتا تھا۔وہ مریان لکھانی تھا ریت سا کسی کے ہاتھ نہ آنے والا۔۔۔

~~~

زیام ریلنگ پر سر جھکائے لان کا منظر دیکھ رہا تھا۔بھیگی ہوئی شام کی دہلیز پر بیٹھا سلگتے دل کا سبب سوچ رہا تھا۔

"زیام تُم ٹھیک ہو؟"

سیدہ سعدیہ کی آواز پر اُس نے چہرہ ترچھا کر کے اُنہیں دیکھا پھر چہرہ سیدھا کر کے سامنے دیکھنے لگا۔

"جی ٹھیک ہوں ویسے ماما ایک بات ہے۔"

"کیا بیٹا؟" وہ اُسے بولتا دیکھ کر ہمہ تن گوش ہوئیں۔سیدہ سعدیہ کو وہ سنجیدہ لگ رہا تھا خوفناک حد تک سنجیدہ۔۔

"اکثر ماں باپ کے فیصلے بھی غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔"
~~~

"زیام بیٹا۔۔" انہوں نے تڑپ کے اسے پُکارا۔

"ماما آپ سے شکوہ نہیں کر رہا بس کوئی میری رنگت پر سوال اٹھائے مُجھے اچھا نہیں لگتا۔ مُجھے لگتا ہے وہ اُس تخلیق کار کی تخلیق پر سوال اٹھا رہا ہے۔

"ہم نے تمہارے ساتھ غلط کیا۔" آج وہ اقرار کر گئی تھیں۔

"آپ نے ذات کو بیچ میں لا کر غلط کیا تھا۔

آپ بھی جانتی ہیں اسلام ہمیں یہ نہیں سیکھاتا اسلام تو ہمیں کچھ اور بتا رہا ہے جس پر ہم آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اﷲ کے نزدیک تم میں زیادہ با عزّت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اﷲ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔"

(الحُجُرَات، 49: 13)

اس آیت کریمہ میں ایک بڑی اور عالمگیر گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جس سے دنیا میں ہمیشہ گمراہی پھیلی ہے اور جس سے ظلم و زیادتی کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں۔ یعنی نسلی، قومی، وطنی، لسانی اور رنگ کا تعصب۔ قدیم زمانے سے انسانوں نے انسانیت کو چھوڑ کر اپنے اردگرد کچھ دائرے کھینچے ہیں جن کے اندر بسنے والوں کو اس نے اپنا اور باہر والوں کو بیگانہ سمجھا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی یا اخلاقی بنیاد پر

نہیں بلکہ اتفاقیہ پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ مثلا، ایک قبیلے یا خاندان میں پیدا ہونا۔ کسی خاص خطہ زمین پر پیدا ہونا، کوئی خاص زبان بولنا، کسی خاص رنگ و نسل سے متعلق ہونا وغیرہ۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی اگر اس میں صرف یہ ہوتا کہ اپنوں سے نسبتاً زیادہ محبت ہوتی، ان سے زیادہ ہمدردی ہوتی، ان سے زیادہ حسن سلوک کیا جاتا تو بات بری نہ تھی۔ مگر اس تمیز نے دوسروں سے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین صورتیں اختیار کیں۔ اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے، مذہب ایجاد ہوئے، قوانین بنائے گئے، اخلاقی اصول وضع کئے گئے، قوموں اور سلطنتوں کی اس پر بنیاد رکھی گئی، صدیوں تک اس پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہودیوں نے اسی بناء پر بنی اسرائیل کو خدا کی برگزیدہ مخلوق ٹھہرایا۔ اور مذہبی معاملات تک میں دوسری قوموں کو اپنی قوم سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں درم آشرم کو اسی خیال نے جنم دیا، جس کی رو سے برہمنوں کو باقی قوموں پر برتری حاصل ہوئی۔ اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان ہیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے۔

شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کو تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں ہر شخص ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ یورپ والوں نے امریکہ میں ریڈ انڈین نسل کے لوگوں سے جو سلوک کیا اور ایشیا و افریقہ کے اکثر ممالک پر تسلط قائم کر کے ان پر جو مظالم ڈھائے اور جس طرح ان کے مادی وسائل کا استحصال کیا اور سامراج کا چھوٹی قوموں سے جو ظالمانہ رویہ ہمیشہ رہا ہے، اس سے کون واقف نہیں؟

فلسطینی مسلمانوں پر اور ہندوستان میں اقلیتوں پر جو مشق ستم جاری ہے اس سب میں ایک ہی سبب کار فرما ہے کہ اپنی قوم کے سوا سب کا مال، جان اور عزت مباح ہے، جیسے چاہو پا مال کرو۔ اپنی قوم کے سوا سب کو غلام بنا لو، ضرورت محسوس ہو تو نیست و نابود کر دو۔

مغربی دنیا میں پچھلی دو عظیم جنگیں ہو چکی ہیں۔ ان کے پیچھے بھی نسلی برتری کا یہی تصور موجود تھا۔ ان حقائق کو نظر میں رکھ کر اگر اس آیت کریمہ پر غور کیا جائے تو انسان بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کتنی بڑی گمراہی ہے جسے کی اصلاح کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں تین نہایت اہم اصولی باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ہم نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ ان تمام قوموں اور نسلوں کی ابتداء صرف ایک آدم اور حواء سے ہوئی ہے۔ اس تمام سلسلہ میں کوئی بنیاد اس اونچ نیچ کے لئے نہیں جس میں لوگ مبتلا ہیں۔ ایک خدا پیدا کرنے والا۔ ایک مادہ منویہ سے سب کی پیدائش، ایک طریقہ تخلیق کے ماتحت تمام انسان پیدا کئے گئے۔

دوم یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پورے روئے زمین کے انسانوں کا ایک ہی خاندان یا ایک ہی علاقہ یا ایک جیسا رنگ یا ایک ہی زبان تو نہ ہوئی تھی۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ خاندان بڑھیں۔ مختلف

علاقوں میں آباد ہوں۔خاندانوں سے قومیں بنیں اور کسب معاش کے لئے مختلف پیشے اختیار کریں اور تمدن کی بنیاد رکھیں۔

ان فطری اختلافات کو تو ظاہر ہونا ہی تھا، اس میں کوئی خاندانی خرابی نہ تھی بلکہ ان سے قوموں میں اور انسانوں کے مختلف طبقات میں تعارف پیدا ہوا جو ناگزیر تھا۔مگر اس فطری فرق و امتیاز کا ہر گز مقصد یہ نہ تھا کہ اس امتیاز پر انسانوں میں اونچ نیچ، شریف کمین، برتر اور کمتر اور چھوٹے بڑے کے امتیازات قائم کئے جائیں۔ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے۔

ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کی تحقیر کریں اور ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو۔خالق نے مختلف اقوام اس لئے بنائیں کہ باہمی تعارف و تعاون ہو۔ایک دوسرے سے محبت ہو لوگ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں۔

سوم کسی قوم اور برادری میں پیدا ہونا کسی کی بزرگی یا سعادت کی بنیاد نہیں۔بزرگی و شرافت کی اصل بنیاد اخلاقی فضیلت ہے۔کسی شخص کا کسی قوم میں پیدا ہونا اس کے لئے اتفاقی امر ہے۔اس کا اپنا اس میں کوئی اختیار نہیں لہٰذا شرف بزرگی کا اصل سبب قوم و قبیلہ سے متعلق ہونا نہیں بلکہ اس کی ذاتی اخلاقی خوبیاں ہیں۔جو شخص خدا سے زیادہ ڈرتا ہے، اس کے احکام کا پابند ہے، اس کی رضا کا متلاشی ہے، وہ عظیم ہے، شریف ہے، بزرگ ہے اور قابل تکریم و تعظیم ہے، اور جو شخص خدا کا باغی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ہے وہ ذلیل ہے، نیچ ہے، حقیر ہے۔

اور ہم تیسری کیٹیگری میں آتے ہیں خود کو بزرگ اور اعلیٰ سمجھتے ہیں جبکہ یہ ایک اتفاقی امر ہے خود کو توپ سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں معین کو سمجھاؤں گی تُم علیحہ سے شادی کر سکتے ہو۔" سیدہ سعدیہ شرمندگی سے سر جھکائے بولیں۔اُس نے اِس انداز میں سمجھایا تھا کہ وہ اعتراض نہیں اُٹھا سکی تھیں۔

"نہیں آپ بابا سے بات نہیں کریں گئیں میں نہیں چاہتا اُسے دوبارہ ٹھکرایا جائے وہ بار بار ٹھکرائے جانے کے قابل نہیں ہے۔میں اُسے اِس لیے اپنائوں کیونکہ مجھے بھی ٹھکرایا گیا ہے مُجھے سبق مل گیا ہے؟

"بیٹا سبق سے ہی سیکھا جاتا ہے۔"

وہ رنجیدہ ہو رہی تھیں۔

"ماما جو حقیقی سیکھنے والے ہوتے ہیں اُنہیں ٹھوکروں کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"تُم اب اُس کے ساتھ زیاتی کر رہے ہو۔" وہ آنسوؤں کے بیچ میں بولیں۔احساسِ شرمندگی سے آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"میں اُس کے ساتھ پہلے ہی بہت زیاتی کر چکا ہوں مزید نہیں کروں گا۔"

"تُم اُس سے پوچھ لو شاید وہ بھی یہی چاہتی ہو۔"

”میں چاہتا ہوں اُسے میرے جیسا نہیں مریان لکھانی جیسا شخص ملے جو ہمیشہ ہر مقام پر اُس کے ساتھ کھڑا رہ سکے۔“

”ایسا تُم بھی کر سکتے ہو۔“ وہ نمناک لہجے میں اُسے سمجھا رہی تھیں۔

”لیکن میں ماضی میں ایسا نہیں کر سکا۔“

”بھلا دو ماضی اپنا حال برباد مت کرو۔“

”ماضی کبھی نہیں بھولتا کہیں نہ کہیں جا کر ہم پیچھے مڑ کر ضرور دیکھتے ہیں اور ہمیں تب ویسی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسی پہلی بار ہوئی تھی۔

کون کہتا ہے وقت نہیں پلٹتا ماضی یاد آنے پر سب پلٹ جاتا ہے وقت، مسکراہٹ، اذیت، تکلیف سب پلٹ کر واپس آ جاتا ہے تب ہم سب محسوس کر پاتے ہیں۔اور آپ کو اب ملال محسوس ہو رہا ہے کیونکہ آپ کو اب ٹھوکر لگی ہے آپ کی بہن کی بیٹی آپ کو اور اُس کے بیٹے کو اُن کی اوقات دیکھا گئی ہے اُن کی آنکھیں کھول گئی ہے۔مُجھے اِس سبق کو سیکھنے کے لئے کسی ٹھوکر کی ضرورت نہیں تھی میں تب سے یہ ملال سہہ رہا ہوں۔میں جانتا تھا میں نے غلط کیا میں چاہتا ہوں میں دوبارہ غلط نہ کروں۔عقل مند لوگ غلطی نہیں دہراتے۔محبت کرنے والے محبوب کو تکلیف دینے کا سبب نہیں بنتے میں ایک بار دے چُکا ہوں دوبارہ نہیں دوں گا کیونکہ میں محبت کا کُچھ حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔

اُس کی سنبھلی ہوئی زندگی میں ہل چل نہیں چاہتا۔“

مریان کا علیحہ کی جانب بڑھایا ہوا ہاتھ اُس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا کرب سے آنکھیں بند کیں۔

"سید زیام شاہ اگر وہ بڑھایا ہوا ہاتھ تھام لیتی تو کیا تُم سہہ پاتے؟ جب وہ حقیقت میں اُس کا ہاتھ تھام لے گی تو کیا تُم سہہ پاؤ گے؟

اُس نے تکلیف سہی ہے تُمہیں بھی سہنی چاہیے۔

وہ خود پر سزا عائد کر رہا تھا جسے سہنا بہت مُشکل تھا۔

سیدہ سعدیہ بے بسی سے زیام کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

جیسے لکڑی کو جلانے میں ایندھن اہم کردار ادا کرتا ہے ایسے ہی اِنسان کو جلانے کے لئے پچھتاوا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اِنسان کا اندر ختم کرتا جاتا ہے اور اِنسان اِس آگ سے بھاگتا ہے مگر ایندھن اپنا کام کر چُکا ہوتا ہے وہ آگ لگا چُکا ہوتا۔

پچھتاوے کی آگ کو بجھانے کے لئے مداوئے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی یہی کرنا چاہتی تھیں۔

اُس کے آئے دن نواحی علاقوں کے چکر اور ان کے لئے ترقیاتی منصوبوں کی تعداد بڑھ رہی تھی جو حکومت اور دوسری سیاسی جماعتوں میں ہل چل مچانے کے لئے کافی تھا۔

وہ دوسرے سیاست دانوں کے لیے گلے کی ہڈی بن رہا تھا جسے نہ وہ نگل پا رہے تھے نہ نکال کے کہیں پھینک سکتے تھے۔ چاہتے وہ اُسے اُٹھا کر پھینکنا ہی تھے مگر یہ کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کسی سیاستدان کو ٹھکانے لگانا اتنا آسان نہیں ہوتا اور خاص طور پر تب جب وہ عوام میں مقبول ہو جاتا ہے۔ لیکن اُسے مقبول ہوتا دیکھ کر برداشت کرنا اور بھی مُشکل ہوتا ہے۔ مریان اُن سب کو مُشکل میں ڈال چُکا تھا۔

وہ ایم ایل ٹرسٹ کے افتتاح کے بعد خطاب کر رہا تھا۔

"آپ لوگ سیاست اور سیاستدانوں پر بہت تبصرے کرتے ہیں اور اکثر تبصرے تنقید تک پُہنچ جاتے ہیں۔ مگر مُجھے لگتا ہے آج کل سیاست پر صرف ایک ہی تبصرہ ہونا چاہیے۔

پاکستانی سیاست میں بہتری کیوں نہیں آ رہی اور کیسے آئے گی۔"

اُس نے بولنا شروع کیا۔

"ہماری قومیت گم ہوگئی ہے، محبت کا جو جذبہ ہم اپنے بچپن اور جوانی کے دور میں دیکھا کرتے تھے وہ بھی ناپید ہوگیا ہے؛ ہم دوبارہ اس قوم کو وحدت میں پرونا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک کو مسلمانوں کی اُمیدوں کے مطابق بنانا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں کچھ جرات مندانہ کام کرنے پڑیں گے اور کچھ احتیاطیں برتنی پڑیں گی۔ ہمیں سنجیدہ ہو کر اس ملک میں جاری نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔ کیوں؟ اس لیے کہ پاکستانی قوم کو بے شعور بنا دیا گیا ہے۔ اِنصاف اس وقت مقتدر طبقات کی لونڈی ہے، جمہوریت ان کی عیاشی ہے، اِنتخاب اِن کا کاروبار ہے اور عوام ان کے غلام ہیں۔ 5 سال کے بعد

انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔جمہوریت کے نام پر جو کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے یہ کسی طرح بھی جمہوریت نہیں ہے۔نہ یہ حقیقی نظامِ اِنتخاب ہے اور نہ ہی اس طریقے سے کبھی تبدیلی آئے گی۔آپ اگر تبدیلی چاہتے ہیں تو اس کا راستہ الگ ہے۔

مُجھے لگتا ہے ہمارا ملک میں کُچھ مہلک قومی اَمراض میں مبتلا ہے۔

ہم ایک منتشر اور پارہ پارہ قوم بن چکے ہیں۔ہمیں اِتحاد و یگانگت کی سخت ضرورت ہم چاہتے ہیں یہ عوام دوبارہ وحدت کے رشتے میں پروئی جائے۔مگر یہ کیسے ممکن ہے؟

اس کے لیے تبدیلی چاہیے۔

قوم مایوس ہوچکی ہے۔میں اس قوم کو مایوسی سے نکال کر امید کی نعمت اور یقین کے نور سے بہرہ مند دیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ قوم مایوسی سے کیسے نکلے اور امید اور یقین کا نور ان کے چہروں پر کیسے پلٹ کے آسکتا ہے؟ اس کے لیے بھی ایک بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ قوم بدقسمتی سے بے مقصدیت کا شکار ہوگئی ہے۔اس قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہیں رہا، جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو جانے والے جتھوں کو جوڑ کر ایک اکائی میں دوبارہ بحال کر سکے، جو قوم کے کروڑوں لوگوں کو باعزت جینے اور مرنے کا سلیقہ سکھا سکے۔ہم اس قوم کو دوبارہ مقصد کا شعور اور آگہی دینا چاہتے ہیں۔اس بے مقصد قوم کو اب مقصد اور آگہی کا شعور کیسے ملے گا؟

اسی طرح یہ قوم بے سمت ہوگئی ہے۔
کراچی سے خیبر پختونخواہ تک اور کشمیر سے چمن کی سرحدوں تک من حیث القوم اس کی کوئی سمت نہیں رہی۔
اس کی سوچیں، وفاداریاں، بولیاں، مفادات، ترجیحات اور ایجنڈے سب متضاد ہیں۔یہ ایک بے سمت قوم بن چکی ہے۔
سترہ کروڑ بے ہنگم عوام کا ہجوم ایک قوم بن کر، ایک وحدت اور اکائی بن کر، ایک مقصد کے ساتھ ایک سمت کی طرف چل پڑے، لیکن یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اس کے لیے ایک ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت ہے اور وہ تبدیلی نظام میں تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔

پاکستان کے عوام اس بنیادی تبدیلی کے آرزو مند ہیں، لیکن ہر چار پانچ سال کے بعد تبدیلی کے نام پر انہیں دھوکہ دیا جاتا ہے۔
اس کرپٹ سسٹم، نااہل قیادتوں اور غیر شفاف نظام اور غیر مؤثر حکومتوں کے نتیجے میں اس قوم پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔لوگ بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو کر خودکشیوں پر مجبور ہیں۔
جان و مال کی ہلاکت، قتل وغارت اور لوٹ مار اِن کا مقدر بن چکا ہے۔
لوگ بجلی، سوئی گیس اور پانی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں، بے روزگاری نئی نسل کو چور ڈاکو بننے کی ترغیب دے رہی ہے۔

نسلی، علاقائی، لسانی تعصبات نے ملک کا وجود خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہاں المیہ یہ ہے کہ لوگ پانچ سال تک اِس نظام کے خلاف اپنی نفرتوں اور غیظ و غضب کو پالتے رہتے ہیں اور اپنے دشمن کو پہچاننے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ آئندہ ان سے نجات حاصل کریں مگر بد قسمتی سے جوں ہی چار یا پانچ سال پورے ہوتے ہیں، اُن کا وہی دشمن نئے انداز سے دوستی، وفاداری، ہم دردی اور محبت کا لباس اوڑھ کر اور یہی ان کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ کا روپ دھار کر سامنے آجاتے ہیں۔ اپنے دشمن کی پہچان نہ رکھنے والی بے سمت، تباہ حال اور بدنصیب قوم پھر اُنہی کو دوست اور مسیحا سمجھ کر اگلے پانچ سال کے لیے منتخب کرلیتی ہے۔

اِس طرح وہ تمام نفرت اور غیظ و غضب جو ان کی گزشتہ پانچ سالوں کی لوٹ مار کے باعث لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں ان کی آنکھوں سے پردے اٹھ رہے تھے اور وہ حقائق سے آگاہ ہو رہے تھے سب بے کار چلا جاتا ہے اور شعور کا چراغ پھر بجھ جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قوم کا وہ دشمن کون ہے جس نے دائماً اِنہیں پچھلے 64 برس سے تبدیلی اور خوش حالی سے دور رکھا ہوا ہے۔ ہم ملک کے سترہ کروڑ عوام کو اس دشمن کی شناخت کروانا چاہتے ہیں جس نے ان کو باعزت زندہ رہنے کے حق سے محروم کر رکھا ہے حتی کہ اس قوم کو اپنی شناخت سے بھی محروم کر دیا ہے۔ وہ دشمن کون ہے؟

آج اِس اجتماع میں اسی دشمن کی پہچان کروانا لازمی ہے تاکہ قوم کے بیٹے بیٹیاں، قوم کی آئندہ نسلیں اپنے مستقبل کو سنوارنے اور محفوظ رکھنے کے لیے صحیح سمت پر جد و جہد جاری رکھ سکیں اور

اس کے خلاف ایک پُرامن جنگ لڑنے کے لیے صف آرا ہو سکیں۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں تمہاری دشمن ہے، اسی طرح بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کا نام لے دیتے ہیں جس سے سیاسی گروہ یا جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتی ہیں اور عوام اس جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی جماعت آپکی حقیقی دشمن نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی جماعت یا قیادت بھی عوام کی حقیقی دشمن نہیں تو دشمن کون ہے؟

وہ کون ہے جس نے اِس قوم کو کچل رکھا ہے؟ اِس قوم کو محرومی کی آگ میں جھونک رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو تباہی اور ہلاکت کی راہ پر گامزن کر رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو اس کے تمام بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے؟ کس نے اِس قوم کو خودکشیوں کی راہ پر ڈالا ہے؟

یاد رکھیں! آپ کا دشمن یہ کرپٹ اور اِجارہ دارانہ نظامِ انتخاب ہے؛ وہ نظامِ سیاست جو گزشتہ چھ دہائیوں سے مخصوص لوگوں کو اس ملک میں پال رہا ہے، مخصوص اجارہ داریوں کے نیچے جس کی پرورش ہو رہی ہے، جس نے اس قوم کے ننانوے فیصد عوام کو حقیقی جمہوریت سے محروم کر رکھا ہے اور جس نے ایک فی صد سے بھی کم پر مشتمل مخصوص طبقے کو حکومت کا پیدائشی اور موروثی حق دے رکھا ہے۔ اگلے سال پھر انتخابات کا اِمکان ہے اور اس کی تیاریاں بھی شروع ہوگئی ہیں۔ یہی وہ کرپٹ اِجارہ دارانہ نظامِ انتخاب ہے جس کے اردگرد ملک کی پوری سیاست گھومتی ہے اور جس کے نتیجے میں اس ملک میں ایک جعلی جمہوریت جنم لیتی ہے۔ موجودہ پاکستانی سیاست اِس اِجارہ دارانہ نظامِ

اِنتخاب کے گرد گھومتی ہے اور اس نام نہاد اجارہ دارانہ نظام کے نتیجے میں جو حکومتیں وجود میں آتی ہیں بد قسمتی سے ان حکومتوں کا نام جمہوری حکومت رکھ دیا جاتا ہے۔

یہ سیاست میں بھی دھوکا ہے اور اس نام نہاد جمہوریت میں بھی دھوکہ ہے۔

آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ ہم اس نظام کو کرپٹ کیوں کہہ رہے ہیں؟ اِس نظام کو اِجارہ دارانہ کہنے اور کرپٹ قرار دینے کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ان دلائل میں سے بعض کا تعلق تاریخی شواہد کے ساتھ ہے اور بعض کا عملی کارکردگی کے ساتھ۔آپ 1934ء کے زمانے کا مطالعہ کریں جب سندھ بمبئی کا حصہ تھا تو جو لوگ اس بمبئی کی حکومت کے وزیر تھے، سندھ کی سیاست اس دن سے لے کر آج تک کم و بیش اسی ڈگر پر چل رہی ہے۔انہی خاندانوں کی اجارہ داری میں رہی اور انہیں کو منتقل ہوئی۔

پارلیمنٹ کا بہت بڑا حصہ آج تک انہی کے ہاتھ میں ہے۔لوگ پہلے سے ان اجارہ دار خاندانوں اور سیاست دانوں کو جانتے ہیں، بہاول پور میں جو لوگ 1906ء میں وزیر اعلیٰ تھے اُنہی کے خاندان کے پاس آج تک سیاست و اِنتخابات کی اجارہ داری ہے۔تاجِ برطانیہ کے دور میں ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں جو بڑے بڑے خانوادے آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے مسند اقتدار پر فائز تھے، جن کے پاس 1930ء کے اقتدار کی مسند تھی، آپ کو اُن ہی شخصیتوں کی نسلیں اقتدار پر بیٹھی نظر آئیں گی۔یعنی اِقتدار نسل در نسل اُنہی کو منتقل ہوتا نظر آئے گا۔اس دوران میں الیکشن ہوتے رہے، حکومتیں بدلتی

رہیں، جمہوریت کے نام پر اَدوار بدلتے رہے، کبھی فوجی آمریتیں آئیں اور کبھی سیاسی آمریتیں، مگر اسمبلیاں اور اقتدار ان خانوادوں سے باہر کبھی نہیں گیا اور گیا بھی تو شاذو نادر ہی گیا۔

اس کے بعد جب شہر آباد ہوگئے تو شہروں کی حصہ داری بھی سیاست میں شروع ہوگئی۔ چنانچہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور تاجر سیاست اور اقتدار میں جاگیرداروں کے شیئر ہولڈرز بن گئے۔ وہ لاہور ہو یا فیصل آباد، سرگودھا ہو یا گوجرانوالہ، سیال کوٹ ہو یا راول پنڈی، کوئٹہ ہو یا حیدر آباد یا پشاور اور کراچی جہاں چلے جائیں آپ کو بیس بیس حلقوں تک مخصوص لوگ ہی براجمان نظر آئیں گے، دیہی علاقوں میں جاگیردار ہیں اور شہری علاقوں میں سرمایہ دار۔

اس نظام انتخاب کو قائم رکھنے میں موجودہ الیکشن کمیشن بھی بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے حقیقتِ حال سے لاتعلق ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ آج قومی اسمبلی کا الیکشن دس سے بیس کروڑ روپے سے کم سرمائے سے نہیں لڑا جا سکتا جبکہ اس ملک کے نام نہاد الیکشن کمیشن نے پانچ لاکھ سے دس لاکھ کی حد مقرر کی ہوئی ہے۔ الیکشن کمیشن اس معاملے میں پچھلے چالیس سال سے نابینا چلا آرہا ہے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، انتخاب میں تین لاکھ روپے تک خرچ کرنے کی حد ہوتی تھی جب کہ تین کروڑ روپے خرچ ہوتے تھے، کبھی کوئی شخص نااہل نہیں ہوا۔

کاروباری سیاست دان کس کی نمائندگی کرتے ہیں؟

نام نہاد انتخاب کے نام پر لوگ منتخب ہو کر آتے ہیں، لہٰذا وہ کہتے ہیں ہمیں عوام نے منتخب کیا ہے۔ عوام ہی ہماری طاقت کا سرچشمہ ہیں حالانکہ اس ملک میں جمہوریت کی غرض و غایت اور جمہوریت کا تعلق عوام سے صرف اتنا ہے کہ انہیں ہر پانچ سال کے بعد اقتدار کے ان وارثوں کو منتخب کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔یہ ہے عوام کی طاقت!

پانچ سال کے بعد دوبارہ ایک میلہ لگتا ہے، کروڑوں روپے خرچ کرنے والے پھر وہی خانوادے، کبھی ان کے بیٹے، کبھی بیٹیاں، کبھی بھتیجیاں اور کبھی بھانجے بھانجیاں یعنی تھوڑے سے پلس مائنس کے فرق کے ساتھ یہی لوگ شامل ہوتے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ جو کروڑوں لگا کے اسمبلی میں آئے گا وہ عوام کا پیٹ بھرے گا یا اپنا پیٹ بھرے گا؟

وہ پہلا خرچہ برابر کرنے کے بعد اگلے الیکشن کے لیے کروڑوں کیوں نہیں بنائے گا؟ کیونکہ اس نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے لوگوں کو آٹے کے تھیلے بھی دینے ہیں۔اس نے سڑکیں بھی بنانی ہیں، کھمبے بھی لگانے ہیں، نالیاں بھی بنوانی ہیں، لوگوں کے گھر اناج بھی بھیجنا ہیں اور سب سے بڑھ کر کرپشن بھی کرنی ہے تاکہ اپنی اولادوں اور نسلوں کا مالی تحفظ بھی ہو جائے۔کیا خبر کل ملک کی حالت کیا ہو، بیرونِ ملک اکاؤنٹ بھی کھلوانے ہیں اور جائیدادیں بنانی ہیں۔وہ پورے ملک کو لوٹے گا نہیں تو اور کیا کرے گا؟

مجھے بتایئے ایک ایک شخص جب کروڑوں روپے لگا کر پارلیمنٹ میں پہنچے گا تو کیا وہ آپ کا نمائندہ ہو گا؟ وہ اس ملک کے محنت کشوں کا نمائندہ ہو گا؟ وہ طلبا کا نمائندہ ہو گا؟ وہ غریب عوام کا نمائندہ

ہو گا؟ وہ کسانوں کا نمائندہ ہو گا؟ وہ تاجروں کا نمائندہ ہو گا؟ کس کا نمائندہ ہو گا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے مفادات اور اپنی ذاتی ترجیحات کا نمائندہ ہو گا۔

انتخابی ڈرامہ عوام کا سب سے بڑا دشمن ہے

"تو آپ کروڑوں روپے دے کر آئے ہیں؟"

رپوٹر نے سوال اٹھایا۔

"نہیں میں وراثتی طور پر آیا ہوں۔" مریان نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"جب آپکے آباؤ اجداد اسی نظام میں رہے ہیں تو آپ نظام کیوں بدلنا چاہتے ہیں؟"

"اگر میں صحیح سمجھ رہا ہوں تو آپ کا اشارہ انتخابی نظام ختم کروانے کی طرف ہے۔" رپوٹر نے سر اثبات میں ہلایا۔

" نہیں میرا ارادہ یہ نظام ختم کروانے کا نہیں ہے بلکہ خود ختم کرنے ہے کوئی اور وہ کام نہیں کر سکتا جو آپ چاہتے ہیں۔"

"آپ ایک نئی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں؟

آپ وہ کرنا چاہتے ہیں جو آج تک سوچا بھی نہیں گیا۔"

"میں اصل تبدیلی چاہتا ہوں اور اُمید ہے اُس تبدیلی کے بارے میں اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔" وہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹا۔

تالیوں کی آواز اُس کے کانوں میں گئی مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

”چھا گئے ہو مریان لکھانی یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں جو تُم کہہ آئے ہو۔کیا بات ہے مطلب ہم بلا مقابلہ آئیں گے۔“

”بالکل کیونکہ کسی کا ہمارے ساتھ مقابلہ نہیں ہے۔“ اُس نے فخریہ کالر جھاڑا۔

”ہو سکتا ہے کوئی ہم سے بہتر طریقہ نکال لائے۔“

”وہ لا کے دیکھائے۔“

وہ فخریہ انداز میں بولا تھا۔

نقیب شانے اچکا کر خاموش ہو گیا تھا۔

”اُسے خود پر اعتماد تھا تو وہ کیا کہہ سکتا تھا۔“

”سر مریان لکھانی کے خلاف بہت کام کی چیز ہاتھ لگی ہے مگر اُس چیز کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو محنت کرنی پڑے گی۔“ ہمدان رؤف کے سامنے سر جھکائے کھڑے شخص کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

”مریان سے بدلہ لینے کے لیے میں کسی کے پاؤں بھی پڑ سکتا ہوں۔“

ہمدان رؤف نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں مسلیں

” پھر ابتسام آفندی کے پاؤں پڑنے کا وقت آ گیا ہے۔“

سامنے کھڑا شخص ہمدان رؤف کی طرف شاطرانہ نظروں سے دیکھتا بولا۔

"اُس کے پاس ایسا کیا ہے؟"

"مریان نے اُسے پراپرٹی کی آفر کی تھی اس کے پاس اُس کے کاغذات ہیں مگر۔۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

"مگر کیا؟"

"مگر ہمیں اُن کاغذات کو ابتسام آفندی سے حاصل کرنا پڑے گا اور انہیں غیر قانونی ثابت کرنا پڑے گا۔

ہم میڈیا پر کاغذات دیں گے اور مریان پر غیر قانونی قبضے اور پھر وہ پراپرٹی بیچنے کا الزام لگائیں گے۔"

"پلین تو بہت دم دار ہے لیکن اس سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟"

"مریان لکھانی کی حراست، اُس کے خلاف کیس اور اُس کی ہر طرف بدنامی وہ آج کل جو سب کی نظروں میں اچھا سیاستدان بنا بیٹھا ہے اس کی ساری کارکردگی دھری کی دھری رہ جائے گی اور کوئی سیاستدان عوام کا بھروسہ توڑے اُن کا بھروسہ دوبارہ قائم کرنے میں بہت محنت اور وقت لگتا ہے۔ہم کوشش کریں گے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر قید میں رہے تا کہ اس پر لگائے گئے الزامات صحیح لگیں۔ ہماری عوام یہی تو سمجھتی ہے کہ جو سیاستدان جیل میں ہوتا ہے وہ غلط ہوتا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک جیل میں جانا گناہ ہے اور وہاں گنہگار ہی جاتے ہیں۔"

ایسے فسادات برپا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے بھی اُس کا لہجہ حد درجہ عجیب اور پر اطمینان تھا۔

”مریان لکھانی سے بڑا گنہگار کون ہو سکتا ہے پاکستانی سیاست میں ایسی اچھائی دیکھانا گناہ نہیں گناہِ کبیرہ ہے۔“

ہمدان رؤف کے چہرے پر خباشت عود آئی۔

”تم بہت شاطر ہو کراچی کے اگلے مئیر تُم ہو گے۔

سیاست میں رہنے کے لیے ایسا ہی شاطر ہونا چاہیے۔“ اُس نے جواباً مودبانہ انداز میں سر خم کیا۔

مگر کون جانتا تھا اگلا مئیر کون ہونے والا تھا کون سمجھ سکتا تھا کہ اِس سیاست نے کیسے کیسے پلٹے کھانے تھے اور کون تھا جسے اُس کی مخلوق کی فلاح کے لئے چنا جانا تھا۔

”ارے ہمدان رؤف آپ یہاں کیسے؟

ابتسام آفندی اُسے کمرے میں اچانک داخل ہوتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے چہرے پر حیرت در آئی تھی۔

”مجھے اپنی مجبوری میں تمھارے پاس آنا پڑا ورنہ میں کبھی بھی یہاں نہ کھڑا ہوتا۔“ ہمدان رؤف کے چہرے پر نا مطبوعی عیاں رہی۔

”کیسی مجبوری؟“ وہ اُلجھن کا شکار ہوئے۔

”تم سے بہت اہم کام پڑ گیا اور وہ تمھارے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔“

ہمدان رؤف نے ایک چیک اُن کی طرف بڑھایا۔ابتسام آفندی چیک دیکھ کر وہ متحیر اور مبہوت تھے۔

"آپ کو صرف پیسہ عزیز ہے آپ اُس کی خاطر اپنی اولاد کو داؤ پر لگا سکتے ہیں"

نبیہا کے الفاظ اُن کے کانوں میں گونجے

اُنہوں نے چیک واپس ہمدان رؤف کی طرف کھسکا دیا۔

وہ کسی بھی صورت دوبارہ اپنی اولاد کا بھروسہ نہیں کھونا چاہتے تھے۔

"مجھے خریدنے کی کوشش مت کیجئے۔" ابتسام آفندی نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے یہ مت رکھو مگر تُم سے پراپرٹی کے کاغذات چاہیں۔ اُس کے بدلے کُچھ بھی مانگ سکتے ہو اُتنی ہی پراپرٹی تُمھیں ملے گی مگر اس کے علاوہ بھی جو چاہو مانگ سکتے ہو۔"

اُن کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے وہ اُن سے کیا چاہتے ہیں۔

"کون سی پراپرٹی کی بات کر رہے ہیں؟

"یہ ہر کوئی مُجھے کیوں ایسی آفرز کرتا ہے؟"

ابتسام آفندی سوچ کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کُچھ لوگوں کو آزماتے ہیں اور اِنسان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ کسے چُنتا ہے اور کیا فیصلہ کرتا ہے۔

اِس آزمائش پر پورا اترنا مُشکل ہوتا ہے خود کو بکنے سے بچانا بہت دشوار ہوتا ہے۔

"مگر میں نے تو وہ پراپرٹی لینے سے انکار کر دیا تھا اور مریان وہ پیپرز یہاں سے لے جانا بھول گیا تھا اور پاکستان سے چلا گیا تھا۔ وہ اس کی امانت ہے اب وہ واپس آ گیا ہے تو وہ میں اُسے ہی دوں گا۔"

”تمہاری کتنی بیٹیاں ہیں دو؟ ہیں ناں؟
اور تُمہیں کُچھ ہو گیا تو اُن کا کوئی محافظ نہیں بچے گا۔“
ابتسام آفندی نے تھوک نگلا۔اُن کی پیشانی پسینے سے تر ہونے لگی۔وہ کچھ نہ سمجھ پا رہے تھے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔
”اللہ تعالیٰ سے بہتر بھی کوئی محافظ ہو سکتا ہے؟“
”مگر یہ دُنیا اور یہاں کے لوگ میری طرح بہت خراب ہیں۔“
ہمدان رؤف تمسخرانہ ہنسی ہنستے بولا۔
”جن کے حوالے اللہ تعالیٰ اختیارات دیتے ہیں وہ خود کو خُدا سمجھنے لگتے ہیں۔وہ سمجھنے لگتے ہیں سب اُن کی مرضی سے ہوتا ہے جب اُن کی مرضی چلنا بند ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی چلتی ہے تب اُنہیں احساس ہوتا ہے اُن کے پاس سب وقتی تھا ہر چیز اصلی حاکم کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔“

”پراپرٹی کے کاغذات دو ورنہ تمھاری بیٹی کو دوسری بار بھی اغواء کروا سکتا ہوں۔اِس بار زخمی نہیں لوٹے گی بلکہ اُس کی لاش لوٹے گی اور مریان لکھانی کی زندگی چلی گئی تو اس کے پاس باقی کُچھ بھی نہیں بچے گا۔
دھمکی مت سمجھنا اُس دن نقیب کی وجہ سے ہماری قید سے نکل گئی ورنہ اُس کی لاش ہی واپس آنی تھی۔“

ابتسام آفندی کے دماغ میں جھماکے ہونے لگے تھے۔اس بات سے انہیں سخت رنج ہوا۔اس رنجیدگی کے اثرات ان کے چہرے پر محسوس ہو رہے تھے۔

"وہ سوتیلی صرف نام کی تھی ورنہ بائیس سال جِس بچے کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی جائے کیسے مُمکن تھا اُس سے محبت نہ ہو۔

"میری روحا میری زندگی ہے اُسے کُچھ مت کرنا۔ابتسام آفندی کے لہجے میں بے بسی اور بے چارگی تھی۔اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے تھے ہمدان رؤف کی بات پر دِل تڑپ اٹھا تھا۔وہ اُسے تکلیف میں مبتلا کیسے کر سکتے تھے۔وہ ایک لمحے کے لیے رکے جیسے کُچھ سوچنے لگے ہو پھر اٹھ کر الماری سے کاغذات نکال کر کانپتے ہاتھوں سے ہمدان رؤف کی جانب بڑھائے تھے۔

وہ اب بھی غلطی کر بیٹھے تھے اپنی بیٹی کے ساتھ وہ کسی اور کو بھی کڑی آزمائش میں ڈال رہے تھے۔

"تم اِس پراپرٹی کا کیا کرو گے؟" انہوں نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔

"مریان لکھانی کے خلاف استعمال کروں گا۔" ہمدان رؤف اتنا کہتے اُٹھ کھڑا ہوا۔

ابتسام آفندی سر تھامے بیٹھ گئے۔اُن کے چہرے پر پژمردگی پھیل گئی تھی۔

"یا اللہ مُجھے معاف کر دیجیے گا والدین اولاد کی خاطر بے بس ہو جاتے ہیں میں بھی ہو گیا پھر چاہے اولاد سگی ہو یا سوتیلی ہوتی تو اولاد ہی ہے۔"

وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بڑبڑائے تھے۔وہ بے آواز رو رہے تھے۔

روحا ہوتی تو یقین ہی نہ کر پاتی کہ اُس کا وہی باپ جِس کو کبھی اُس کی کسی بات سے اتفاق نہیں ہوا وہ اس کی خاطر اِس طرح آنسوؤں بہا رہا ہے۔

مگر ہر بات پر اتفاق ہونا ضروری نہیں ہوتا دِل میں موجود محبت ضروری ہوتی ہے پھر چاہے وہ چھپی ہی کیوں نہ ہو۔

~~

ابتسام آفندی گھر میں داخل ہوئے تو معمول سے زیادہ شور محسوس ہوا۔سامنے احتشام آفندی اور ہاجرہ آفندی کو دیکھ کر چہرے پر مسکراہٹ گھسیٹی۔

”بھائی صاحب آپ کا کیسے آنا ہوا؟“

وہ اُن کے پاس پہنچے تو احتشام آفندی کھڑے ہو اُن کے گلے لگے۔

”بہت اہم بات کرنی ہے۔“

”جی کہیں۔“

احتشام آفندی نے اُن کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُنہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میرا بیٹا کہتا ہے کہ اُس کی پڑھائی ختم ہو گئی ہے تو اب اُسے شادی کرنی ہے۔“ احتشام آفندی نے بغیر کسی تمہید کے بات کا آغاز کیا۔

”تو یہ وجہ ہے آپ کے آفس سے جلدی آنے کی مُجھے تو اعتراض نہیں اور نہ ثمینہ کو ہو گا مگر۔۔“ ابتسام آفندی لحظے بھر کو رکے۔

”مگر؟؟“ احتشام آفندی نے اُلجھی نظروں سے دیکھا۔

"مگر آپ اپنے بیٹے کی خواہش پر یہاں آئے ہیں تو میں بھی اپنی بیٹی کی خواہش پوچھنا چاہوں گا وہ ابھی پڑھ رہی ہے اُسے کوئی اعتراض نہ ہو۔"

صوفے پر ساتھ بیٹھی ثمینہ بیگم نے حیرت سے ابتسام آفندی کی جانب دیکھا۔وہ کب سے روحا کے بارے میں اتنا سوچنے لگے تھے۔

"شادی کا پڑھائی پر اثر نہیں ہو گا وہ کون سا کسی اور گھر جا رہی ہے۔"

"پھر بھی بھائی زمہ داریاں پڑتی ہیں اور پڑھائی میں بھی خلل پڑا ہے چاہے سسرال جتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔"

احتشام آفندی روحا کے لئے ان کی اتنی فکر مندی پر مسکرائے۔

"ابتسام سُسرال والی بات تو نہ کرو روحا مُجھے تُم سے زیادہ عزیز ہے اُس کی خاطر میں تُم سے لڑائیاں مول لیتا رہا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ اس کا خیال نہ کروں۔

ہاجرہ کی بیٹی ہوتی پھر بھی وہ اُس سے اُتنی محبت نہ کرتی جتنی روحا سے کرتی ہے اور آذر کو تو ویسے بھی روحا کے علاوہ کچھ دیکھائی نہیں دیتا۔"

ابتسام آفندی خاموش ہو گئے تھے کیونکہ اُن کا بھائی حرف بہ حرف ٹھیک کہہ رہا تھا۔

روحا کو کوئی بھی مسئلہ ہوتا تو وہ سب ڈھال کی طرح روحا کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔

روحا ہاتھوں پر چہرہ گرائے سوچو میں منہمک بیٹھی تھی جب آذر اُس کے ساتھ جا کر بیٹھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"پتہ نہیں۔۔" اُس نے بے توجہی سے جواب دیا۔

"ہوتا ہے اکثر کہ ہم یہ بھی نہیں سمجھ پاتے کہ کیا سوچ رہے ہیں سوچتے سوچتے کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں پھر یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ کون سی بات پر سوچنا شروع کیا تھا۔"

روحا مسکرائی۔وہ واقعی اُس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا اور کامیاب رہتا تھا۔

"کیا کرنے آئے ہو؟"

"تمہیں لینے۔۔" وہ روحا کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"چلو۔۔کہاں جانا ہے؟ شاپنگ کرنے جانا ہے؟" وہ فوراً سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہمیشہ کے لئے لے جانے آیا ہوں۔"

"ایک دن چلا ہی جانا ہے۔"

وہ دوبارہ بیٹھتے مدھم آواز میں بولی۔

"کس دن؟" آذر نے شریر ہوتے پوچھا۔

"مقررہ دن اور تاریخ پر چلی جاؤں گی۔"

"تمہیں جلدی شادی سے اعتراض تو نہیں؟"

"پتہ نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی تمھارے لیے مُشکل نہیں کرنا چاہتا نا سوال نہ زندگی۔۔بس اتنا بتا دو ہاں یا ناں؟"

"ناں۔۔"

یک لفظی جواب آیا تھا جو آذر کو خاموش کروا گیا تھا۔

اُس نے جواب کا اختیار روحا کو دیا تھا مگر وہ یہ جواب سننا نہیں چاہتا تھا۔

”میں اِنتظار کر لوں گا۔“

”میں جانتی ہوں تُم مُجھے سمجھتے ہو اسی لیے بلا جھجھک تُمہیں سب کہہ دیتی ہوں۔“

”روحا میں کسی معاملے میں بھی زور زبردستی کا قائل نہیں ہوں یہ خود کو اور دوسرے کو بے سکون کرنے والی بات ہے۔جب کوئی اپنے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوتا تو پُر سکون نہیں رہتا اور اگر آپ بھی کسی کا فیصلہ اپنے مطابق بدلوا کر سکون حاصل نہیں کر سکتے۔

اِس لیے سب کو وہ کرنے دیتا ہوں جو وہ کرنا چاہتے ہیں اِس سے وہ اور میں دونوں پر سکون رہتے اور سکون مُجھے بہت عزیز ہے۔“

روحا اُس کے لہجے کی سنجیدگی بھانپ گئی تھی وہ روٹھتا نہیں تھا مگر سنجیدہ ہو جاتا تھا۔

”تائی جان نہیں آئیں؟“

روحا نے بات بدلی۔

”بابا بھی آئے ہیں۔“

”پہلے کیوں نہیں بتایا؟“

وہ اُٹھی اور نیچے کی جانب دوڑی آذر نے اُسے جاتا دیکھا پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور روحا کے انداز میں چہرہ ہاتھوں پر گرائے مسکرانے لگا۔

وہ روحا کے چہرے پر خوف محسوس کر چُکا تھا اور محظوظ ہوا تھا۔وہ جانتا تھا وہ اُس سے محبت کرتی ہو یا نہ ہو اس کے والدین سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔وہ اُسے انکار کر سکتی تھی پر اُس کے والدین کو نہیں۔

روحا سب سے پہلے احتشام آفندی سے ملی تھی پھر ہاجرہ بیگم نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔
"بیٹا ہمیں تُم سے ایک بات پوچھنی ہے بغیر کسی دباؤ کے جواب دینا۔"
"جی پوچھیں تایا جان!" وہ ہولے سے بولی۔
"آذر ہم سے کہہ رہا تھا کہ اب اُسے شادی کرنی ہے میں نے ابتسام سے پوچھا تو اس نے کہا کہ تُم پڑھ رہی ہو تو تمھیں کوئی اعتراض نہ ہو۔
دیکھو تُم ہماری محبت جانتی ہو تُمہیں لگتا ہے کہ ہم شادی کے بعد تمھاری پڑھائی یا کسی چیز میں رکاوٹ بن سکتے ہیں پھر بھی میں نے سوچا ہے کہ ہم نکاح کر لیتے ہیں رُخصتی چند سالوں بعد کر لیں گے اِس طرح سے کسی کو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔
تُمہیں اگر پھر بھی کوئی اعتراض ہے تو ہم ایسا نہیں کریں گے جتنی آذر کی خواہش اہم ہے اُتنی ہی تمھاری ہے۔"
روحا کا سر نفی میں ہلا تھا۔
وہ دِل سے چاہے مُکمل مطمئین نہیں تھی مگر انکار کا جواز اِس بار بھی کب مل رہا تھا۔وہ اِن شفیق لوگوں کا دِل کیسے توڑ سکتی تھی۔وہ تو محبتوں کی قدر کرنا جانتی تھی۔

اُن کی محبت اور خلوص پر شک کیا ہی نہیں جا سکتا تھا جبکہ وہ یہ مانتی تھی وہ لوگ اُسے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اکثر خلوص کے آگے الفاظ نہیں رہتے اور ایسے خلوص کے آگے انکار کرنے کی ہمت نہیں رہتی تب تو بالکل بھی نہیں جب آپ کے پاس انکار کی ایک وجہ بھی درکار نہ ہو۔

"مبارک ہو۔"

ثمینہ بیگم نے اُس کے منہ میں مٹھائی کا ٹکڑا ڈالا تھا۔

روحا نے بغور اپنی ماں کا چہرہ دیکھا تھا جہاں بلاں کا اطمینان تھا۔

روحا نے بھی اپنے اندر اطمینان محسوس کیا ان کا مطمئین ہونا ہی اہم تھا کیونکہ روحا کے اِس خاندان سے تعلق کی وجہ صرف وہ تھیں۔

خونی رشتہ نہیں مگر اِس خاندان سے اُس کا محبت کا رشتہ تھا یہاں نہ صرف رشتے ملے تھے بلکہ اُن کا بھرپور پیار بھی ملا تھا۔

روحا لیپ ٹاپ پر برق رفتاری سے اُنگلیاں چلا رہی تھی جب علیحہ اُس کے پاس آکر بیٹھی۔"کیا کر رہی ہو؟"

علیحہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر جھکی۔

"اسائمنٹ بنا رہی ہوں آج آخری دن ہے اور مُجھے یاد ہی نہیں تھا۔"

"کب تک کر لو گی؟"

"کوئی بات کرنی ہے؟"

روحا سکرین پر نظریں ہٹاتے بولی۔

"ہاں بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"بس دس منٹ پھر باہر گراؤنڈ میں چلتے ہیں۔" روحا نے دوبارہ سکرین پر نظریں جمائیں اور برقی سے ٹائپ کرنے لگی۔

"نہیں گراؤنڈ میں نہیں وہ برگد کا پیڑ اب مُجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"تم ایک شخص کو ہر جگہ محسوس کرو گی تو یہی ہو گا۔"

"وہ کہیں نہیں گیا وہ وہیں ہوتا ہے۔" وہ فسوں کے عالم میں بولی۔

"علیحہ تُمہیں آگے بڑھنا پڑے گا بعد میں افسوس کرو گی۔"

"مجھے لگتا ہے سب تھم گیا ہے جب وہ ساتھ چلے گا تبھی سب چلنے لگے گا۔لوگ پسندیدگی کے اصول بتاتے ہیں اور مُجھے لگتا ہے پسندیدگی کے کوئی اصول نہیں کوئی بھی کہیں بھی پسند آ جاتا ہے۔ اکثر عام سے عام بھی پسند آ جاتا ہے اور کبھی کبھار خاص سے خاص کو ہم اہمیت نہیں دیتے۔انسانی فطرت بہت عجیب ہے جسے ایک ناپسند کر رہا ہوتا ہے دوسرا اُسے پانے کے لیے جتن کر رہا ہوتا ہے۔"

روحا نے اُس کی بات پر تاسف سے سر جھٹکا۔

"انکل اب کیسے ہیں؟" اُس نے موضوع بدلنا چاہا۔

"ٹھیک ہیں اب بس تمھاری باتیں کرتے رہتے ہیں۔
کیا سحر ہے تمھاری شخصیت میں ہر کسی کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہو مقناطیسی طاقت ہے تمھارے پاس جو ایک بار تمھیں جان لے تُمھیں پھر وہ روحا کو ہی اپنی زندگی ماننے لگتا ہے۔" وہ روحا کو بڑی تحسین نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"آپ کسی ایک مقام پر کسی کا ساتھ دیں گے اگلے دس مقامات پر وہ شخص آپکو یاد رکھے گا۔
کبھی مُشکل میں ہو گا تو یاد کرے گا کہ شاید وہ اب بھی میری مدد کر سکے یا کامیاب ہو تو آپ کو یاد رکھے گا میرے یہاں تک آنے کے پیچھے اُس شخص کا بھی ہاتھ ہے۔
میں کسی کو مُشکل میں دیکھوں تو کام آنے کی کوشش کرتی ہوں شاید اس لیے مجھے یاد رکھتے ہیں۔"
اُس کے چہرے کو ہلکی سی مسکان نے چھوا۔
"مریان لکھانی کے کب کام آئی تھی جو وہ تُمھیں اپنی زندگی سمجھتا ہے؟" روحا کے چہرے کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔
اُس نے تھوک نگلا تھا جواب مُشکل تھا اُس کے لیے مریان کے متعلق ہر سوال کا جواب دینا مُشکل ہو جاتا تھا۔
جب بھی کام آیا تھا وہی آیا تھا وہ کب اُس کے کام آئی تھی پھر وہ اُسے اپنی زندگی کیوں مانتا تھا اُس کی اپنی منطق غلط ثابت ہو گئی تھی۔
"شاید اس نام کی کشش ہے کیونکہ زِندگی ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے۔"
"اپنے دِل سے پوچھو اِس بات کا صرف یہی جواب ہے۔"

"میں نہیں جانتی کیا جواب ہے اور تُم مریان کے متعلق سوال کیوں کرتی ہو؟" وہ علیحہ پر بگڑی۔
"پتہ نہیں جب تُم سے بات کروں مُجھے مریان سر یاد آ جاتے ہیں اور جب اُن سے بات کروں تُم یاد آ جاتی ہو۔"
"اِس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"
"جب آپ کُچھ نہیں سمجھ پاتے بے بس ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب آپ محبت کی پہلی سیڑھی پر ہیں۔"
"میں محبت کی سیڑھیاں عبور کر چُکی ہوں۔
سیدہ روحا سادام شاہ کو کسی سے محبت ہوئی ہے تو وہ آذر آفندی ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔
"سیدہ روحا سادام شاہ؟؟
تُم کب سے سید ہو گئی تُم تو روحا ابتسام آفندی تھی؟"
روحا نے زُبان کی نوک دانتوں میں دبائی وہ جلد بازی میں غلط الفاظ بول گئ تھی۔
"میں سید ہی ہوں اور مجھے بھی کُچھ عرصہ پہلے پتہ چلا کہ سید زیام شاہ کی چچا زاد ہوں۔"
"کیا مطلب تُم۔۔۔ تُم زیام کی کزن ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
علیحہ حیرت کی انتہا پر تھی۔
"علیحہ اِس دُنیا میں سب ہو سکتا ہے جو ہمیں نا ممکنات لگ رہی ہوتی ہیں کسی کی زندگی میں ویسے حالات چل رہے ہوتے ہیں۔جو ہماری لیے نا ممکنات ہیں ہو سکتا ہے وہ کسی کے لئے ممکنات میں سے ہو۔جو ہمیں فرضی لگ رہا ہوتا ہے ہو سکتا ہے وہ کسی کی زندگی کی خوشگوار یا تلخ حقیقت ہو۔

جب کوئی قابلِ یقین شخص ہمیں کُچھ بتا رہا ہو تو اُس کی باتوں کا یقین کر لینا چاہیے بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی اعتبار کر لینے والے زیادہ فائدے میں رہتے ہیں۔

کبھی کبھار ہماری ذہنی کیفیت ہمارا ذہن بھی نہیں سمجھ پاتا۔ہماری سوچ اتنی آگے چلی جاتی ہے کہ ذہن ہار مان جاتا ہے۔ہماری سوچیں اِس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ ہمارا ذہن کمزور پڑ جاتا ہے۔نا قابلِ یقین چیزیں حقیقت بن کے سامنے آتی ہیں تو ذہن قبول کرنے سے قاصر ہوتا ہے ہماری سوچ ہمارے اعصاب پر حاوی ہوتی ہے۔ہمارا اندرونی سکون چھین لیتی ہیں۔خود سے جنگ اور خود سے ہار آپ پر خوفناک اثرات چھوڑ جاتی ہے۔“ وہ بولی تو لہجہ نرم و گداز تھا۔

”تم نے مُجھے کیوں نہیں بتایا؟

میری مُشکل شاید آسان ہو جاتی۔“

”کیسی مُشکل؟“ روحا نے سوالیہ ابرو اٹھائیں۔

”جن مشکلات میں گھری ہوں۔“

”تم روحا سادام کی زندگی ہو تُمہیں مشکلات میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔کون سی مُشکل میں ہو؟“

روحا نے اسرار کرتے پوچھا۔

”ایک ہی شخص کی پیدا کردہ مُشکلات ہیں۔“

”پھر اُس شخص کو چھوڑ دو۔“

وہ کیسے اتنی سفاکی سے اُسے چھوڑنے کا کہہ سکتی تھی۔

”اُس شخص کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گی؟“

”جو تمھارے قابل ہو۔مریان جیسا شخص تمھارے قابل ہے تُم اُس کے قابل ہو۔“

”روحا محبت میں قابلیت کب دیکھی جاتی ہے؟

تم اور زیام ایک جیسے ہو خود غرض محبت کو ٹھکرانے والے تُم لوگ بے حس ہو۔

کوئی کیسے کسی کو کہہ سکتا ہے کہ اپنے جسم کا حصہ کاٹ دے اور باقی کا وجود کسی کو بھی سونپ دے۔

میرا خود پر کوئی حق نہیں؟“

روحا نے گہری سانس لی تھی۔

”تم اور مریان ایک سے ہو بس محبت چاہیے اُس کی خاطر چاہے جو بھی کرنا پڑے کرو گے مگر اُسے بھلاؤ گے کبھی نہیں۔محبت میں سب جائز سمجھنے والے ہو۔

پا لینا سب نہیں ہوتا چھوڑ دینا زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے تُم لوگ دوسرے کی اذیت نہیں سمجھتے۔

جب سمجھ جاؤ تب محبت کے دعوے کرنا۔“

وہ کہتے ہوئے اُٹھی تھی مگر وہ رو کیوں رہی تھی علیحہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

علیحہ ٹھیک سمجھتی تھی ابھی اُسے سمجھنے کی ضرورت تھی فلسفے کب آسانی سے سمجھ میں آتے ہیں۔

”بھائی یہ ہر وقت آپ کے ساتھ کیوں رہتے ہیں؟“

حرا نقیب کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

"کیونکہ یہ میرے ساتھ بندھا ہوا ہے۔"

مریان جواب دیتے نقیب کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اور یہ مسکراہٹ نقیب کو خاصی ناگوار گزری تھی۔

"آپ یقیناً کھانا کھانے آئے ہونگے۔" حرا نے اندازہ لگایا۔وہ اکثر و بیشتر کھانے کے وقت ہی آیا کرتا تھا۔

"ویسے آپ کون ہوتی ہیں میرے یہاں آنے پر اعتراض اُٹھانے والیں؟" وہ غُصہ ضبط کرتا تمیز کے دائرے میں رہ کر بولا۔چھٹانک بھر کی لڑکی اُس سے سوال و جواب کر رہی تھی وہ کیسے برداشت کرتا۔

"اس گھر کی مالکن۔۔" کیسا پُر اعتماد انداز تھا اُس کا نقیب تو گنگ رہ گیا۔

"تو میں کون سا یہاں کا نوکر ہوں اور بچی دادو ہیں اِس گھر کی مالکن زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں۔"

مریان زیرِ لب مسکرایا وہ جو خود انتہا کا خوش فہم تھا دوسروں کو خوش فہمی نہ پالنے کی ترغیب دے رہا تھا۔

صحیح کہہ رہی ہے یہ اِسکا گھر ہے یہ میں اِس کے نام کروانے کا سوچا ہے۔"

"کیا؟؟ لیکن کیوں؟" نقیب چلایا۔

"بس میرا دِل چاہ رہا ہے۔" مریان نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"مجھے کُچھ دینے کو تو کبھی دِل نہیں چاہا۔"

نقیب کو اپنے دکھ یاد آ گئے تھے۔

"تُم بچوں کے ساتھ بچے کیوں بنتے ہو؟"

"تم مجھے بوڑھا ثابت کرنا چاہتے ہو۔"

"ہر گز نہیں!" مریان نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"ویسے تُم نے ایسا کیا تو تم حماقت کرو گے۔" نقیب نے خیر خواہ بننا چاہا۔

"میں نے کب رائے مانگی؟" مریان کو اُس کی خیر خواہی کی ضرورت کب تھی۔

"اتنی جلدی کسی پر اِس طرح اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

"نقیب مجُھے لوگوں کی پہچان ہے۔"

"دادو جلدی کھانا لگوا دیں یہ نہ ہو یہ لوگ میرے کھانا کھانے سے پہلے ہی مجھے یہاں سے نکال دیں۔" نقیب نے کچن میں ملزموں سے گفتگو کرتی صبیحہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"یہ تو نا ممکن ہے کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی تُمھیں یہاں سے نکال دے۔" صبیحہ بیگم نے کھانے کی ٹرے اُس کے سامنے رکھی پھر مریان کے ساتھ صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔

وہ کُچھ ہی عرصے میں صبیحہ بیگم کو نقیب کی سب سے گھل مل جانے والی طبیعت کی بدولت لگاؤ ہو گیا تھا۔

"صاحب باہر پولیس آئی ہے۔" ملازم نے آ کر اطلاع دی۔

سب کے چہروں سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔"

مریان کہتا ہوا باہر کی جانب بڑھا۔

باقی سب بھی اُس کے پیچھے چل پڑے۔

"چلیں شکر ہے آپ گھر پر مل گئے ورنہ مُجھے لگتا تھا کہ اب تک فرار ہو چکے ہونگے۔"

مریان ایس ایچ او کے رویے پر حیران ہوا۔

"میں کیوں فرار ہونگا۔" وہ متعجب ہوا۔

"تو کیا آپ نہیں جانتے آپ کی گرفتاری کے وارنٹس آئے ہیں۔" مریان کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

"لیکن کیوں میں نے ایسا کیا کر دیا؟"

"غیر قانونی قبضہ کیا ہے اور پھر اُس پراپرٹی کو آگے بیچ کر کروڑوں روپے کمائے ہیں۔میڈیا پر ہر طرف آپ کی ایمانداری کے پول کھل گئے ہیں۔"

"کون سی پراپرٹی؟" اُس کا دماغ معمہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"جو آپ نے ابتسام آفندی کو بیچی ہے۔"

مریان کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا اُسے خود پر افسوس ہوا تھا کہ وہ کاغذات وہاں کیوں بھول کر آیا تھا۔

اکثر ذرا سی بھول کے بڑے خمیازے بھرنے پڑتے ہیں۔

ایس ایچ او طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کاغذات اور وارنٹس اُس کی جانب بڑھا چکا تھا۔

مریان نے بغور دیکھنے کے بعد ہلکی سی مسکان کے ساتھ اپنے ہاتھ اُس کے آگے بڑھائے تھے۔

"ہتھکڑی نہیں لگاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"آپ کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کو میرا دِل نہیں مان رہا۔"

"اور اِن کاغذات کے سچا ہونے کی دل گواہی دے رہا ہے؟"

وہ بغیر جواب دیئے خاموشی سے چل پڑا تھا۔

"میرے بھیا نے کُچھ نہیں کیا وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔"

اُسے حرا کی بھیگی آواز سنائی دی مگر رکنا اُس کے بس میں کہاں تھا۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟ تم کوئی گرفتاری نہیں کر سکتے۔تمھارے خاندان تباہ کر دوں گا۔" نقیب پھبرتے ہوئے اُن کے سامنے آیا۔

"دھمکیاں دینی ہیں تو ہمدان رؤف کو جا کر دو میری تُم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں میرا کام ہے اور مُجھے کرنا ہے۔" ہمدان رؤف کے نام پر نقیب نے مٹھیاں بھینچیں۔

"مریان تُم غلطی کر رہے ہو۔جو سیاستدان جیل کا منہ دیکھ آئے عوام کے دلوں میں اُس کی عزت نہیں رہتی۔"

وہ مریان کا بازو تھامے کھڑا تھا۔

نقیب کی سُرخ آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے تھے۔

"قانون کے خلاف نہیں جا سکتا وہ خود کیسے کر لوں جِس سے دوسروں کو روکنے نکلا ہوں۔خود عمل نہیں کروں گا تو لوگ میرے کہے پر بھی عمل نہیں کریں گے۔

نقیب نے اُس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔"

اسے جاتا دیکھ کر اُس کی تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا ساتھی کا ساتھ چھوٹ جائے تو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔وہ مریان کو پولیس کی گاڑی کی طرف بڑھتا دیکھ رہا تھا وہ جانتا تھا اب کون اُس کی مدد کر سکتا ہے۔

--

روحا ابتسام ولا کے لان میں بیٹھی سورج کی ڈوبتی نارنجی شعاعیں دیکھ رہی تھی جو قدرت کا صناعی شاہکار پیش کر رہی تھیں۔

"روحا۔۔"

روحا بُلند آواز میں اپنے نام کے پکارنے پر مڑی سامنے کھڑے نقیب کو دیکھ کر حیرت سے بھنویں سکیڑیں۔

"روحا اُسے بچا لو۔" نقیب کے گلوگیر لہجے میں کہنے پر اُس کی حیرت سوا ہوئی۔

"کسے بچا لوں؟" روحا نے کم فہمی سے نقیب کو دیکھا۔

"مریان کو بچا لو وہ جیل میں ہے۔"

لیکن وہ کیوں جیل میں ہے؟ اُس نے کیا کیا ہے؟"

مریان جیسے انسان کی جیل میں جانے کی خبر کسی کو بھی حیران کر سکتی تھی۔

"ہمدان رؤف کے لگائے گئے جھوٹے الزام کی وجہ سے اُسے گرفتار کیا گیا ہے۔"

"کیسا الزام؟"

"غیر قانونی قبضے کا الزام اور اس کے پیچھے تمھارے بابا کا ہاتھ ہے اُنہوں نے ہی پراپرٹی کے کاغذات دیئے ہیں اور کہا ہے کہ مریان نے اُنہیں وہ بیچی ہے۔" اُس کی آواز میں تلخی گھلی تھی۔

"بابا ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ بڑبڑائی۔

"دوبارہ میرا مان نہیں ٹوٹ سکتا بابا ایسا نہیں کر سکتے۔"

وہ بے یقینی کی کیفیت میں کھڑی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا میں کُچھ کرتی ہوں بے قصور کو کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔"

روحا کے پُر اعتماد لہجے پر نقیب نے یقین کر لیا تھا۔

وہ سینے پر بازوں لپیٹے سامنے موجود شخص پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔سامنے کھڑا شخص ایسے نظریں جھکائے کھڑا تھا جیسے وہ زمین میں گڑھنا چاہتا ہے۔وہ اُس سے چند قدم دور کھڑی تھی مگر جو فاصلہ اکثر ہمیں چند قدموں کا نظر آ رہا ہوتا ہے وہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ ہم ساری زندگی اُسے عبور نہیں کر پاتے۔

"سر کیوں جھکایا ہوا ہے؟"

روحا کی آواز میں تھرتھراہٹ تھی مرعوب کر دینی والی شکل اور آواز میں توازن نہیں تھا جو ظاہری نظر آ رہی تھی وہ اندر سے ویسی مضبوط نہیں تھی اُسے خطرہ تھا اگر وہ ہار گئی تو کیا ہو گا ساری دلائیں گئیں اُمیدوں کا کیا ہو گا؟

"شرمندگی ہو رہی ہے سر اُٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی اپنا آپ گرا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"
روحا کو مریان کی آواز میں نمی محسوس ہوئی تھی۔
"کس بات کی شرمندگی ہے مجرم شرمندہ ہوتے ہیں تُم کس کے مجرم ہو؟"
"بعض اوقات بغیر قصور کے بھی سزائیں مل جاتی ہیں۔ آپ کو مجرم سمجھا جانے لگے آپ کے شرمندہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ مُجھے اِن شرمندگی کے گڑھوں سے نکال لو۔"
مریان اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا درمیان کا فاصلہ مزید بڑھا تھا وہ پیچھے جا رہا تھا اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں روحا کو حیرت زدہ کر رہے تھے۔
تو کیا مریان لکھانی کسی کے سامنے ہاتھ بھی باندھ سکتا تھا ایسے آنسوؤں بھی بہا سکتا تھا؟
"میں تمہیں نکال لوں گی۔" اس کا لہجہ یقین و اُمید سے بھرا تھا۔
"آپ قصور وار نہیں ہیں تو آپ کا دِل مطمئین ہوتا ہے اور دِل مطمئین ہو تو شرمندگی کیسی؟"
"میرا دِل اِس الزام کے بوجھ تلے دبتا جا رہا ہے۔"
فاصلے کی وجہ سے روحا کو اُس کی آواز بمشکل سنائی دی تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا دبی دبی آواز میں بولا تھا۔ وہی افسردہ سی آواز وہی اُترا چہرہ جو کہیں غائب ہو جانا چاہتا تھا۔

”ملزم کو بغیر ثبوت اور گواہوں کے مجرم نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ جھوٹے ثبوت کبھی سچ نہیں ہو سکتے اور سچا گواہ تمھارے پاس ہے تمھاری بے گناہی کا ثبوت اور گواہ تمھارے سامنے ہے اور تمھارے حق میں بولنے کے لئے بلکل تیار ہے۔

بس تین گھنٹے مریان لکھانی یہ قید اور شرمندگی برداشت کر لو اس سے زیادہ وقت تُمھیں یہاں نہیں رہنے دوں گی۔

اُس کے اعتماد نے سامنے موجود شخص کو جھکا سر اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”تو اُس کی زندگی کو اُس کی اتنی فکر تھی؟

وہ سمجھتا تھا کہ اُسے اگر اُسے کوئی اِس شرمندگی سے نکال سکتا ہے وہ صرف روحا ہے تو وہ ٹھیک سوچتا تھا؟“ وہ خوش فہم ہو رہا تھا وہ ہمیشہ زیادہ خوش فہم ہو جایا کرتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا اُس سے مزید اُمیدیں باندھ رہا تھا اور روحا سادام اُمیدوں پر پورا اترنے والی لڑکی تھی۔

مخلص لڑکی ہر کسی کے لئے لڑنے والی اُن کی مشکلات میں بغیر کسی غرض کے ساتھ کھڑے رہنے والی لڑکی تھی۔

وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی دماغ میں اگلا لائحہ عمل گھوم رہا تھا۔

”اپنے باپ کی غلطیوں کے سارے خمیازے مُجھے کیوں بھگتنے پڑتے ہیں اب کیسے اس غلطی کو دُرست کروں۔

بے قصور کو گنہگار بنا دیا ہے ذرا سی غلطی نے اُس کی عزت داؤ پر لگا دی ہے۔اپنے باپ کی وجہ سے میں کسی کو سزا نہیں ہونے دوں گی جبکہ میں جانتی ہوں وہ بے قصور ہے۔"

روحا نے تھانے سے باہر آ کر نقیب کو کال ملائی تھی جو فوراً سے اُٹھا لی گئی تھی۔

"تم ملی اُس سے؟ وہ کیسا ہے؟"

اِس سے پہلے کے روحا کچھ بولتی نقیب سوال کرنے لگا تھا۔

"شام کو کانفرنس ارینج کروا سکتے ہو؟" روحا اُس کا سوال یکسر نظر انداز کر گئی تھی۔وہ اُسے نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کا وہ دوست جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے وہ تکلیف میں ہے۔

"تم کیا کرنے والی ہو؟"

"جو غلط ہوا ہے اُسے صحیح کرنے والی ہوں۔"

"تم کر لو گی؟"

"تمہاری جگہ مریان ہوتا تو کبھی ایسا سوال نہ کرتا۔" روحا کو نقیب کا شبہ کرنا پسند نہیں آیا تھا۔

"کیونکہ میں مریان لکھانی نہیں آنکھ بند کر کے سامنے والے کی ہر بات پر یقین کرتے اُس کے پیچھے نہیں چل سکتا۔"

"جو کہا ہے وہ کرو تم سے یقین کرنے کا نہیں کہہ رہی۔"

روحا نے درشتگی سے کہتے کال کاٹ دی تھی۔

موبائل گاڑی کی سیٹ پر پٹختے اندر بیٹھی۔

اپنی منزل وہ جانتی تھی ابھی ثبوت اکھٹے کرنے تھے اُس کے لیے ابتسام آفندی کو بھی راضی کرنا تھا وہ دُنیا کے سامنے روحا ابتسام آفندی ہی تھی۔

اُس پر ابتسام آفندی کا اثر ہوا تھا اگر ابتسام آفندی ضدی تھے تو وہ قائل کرنے میں اپنے باپ کو دس بار مات دے سکتی تھی۔

مریان نے جیل خانے پر نظر دوڑائی تھی۔

زندگی چند پل میں کہاں سے کہاں لا کے کھڑا کر دیتی ہے جِس مقام پر ہم مان کر رہے ہوتے ہیں وہ لمحوں میں چھین لیا جاتا ہے۔دنوں میں وہ آسمان پر پُہنچا دیتا ہے تو وہ لمحوں میں گرا دیتا ہے۔

"شاید میں خود پر مان کرنے لگ پڑا تھا مگر حاکم صرف وہ ذات جو ہے ہمارے بس میں کُچھ نہیں۔"

وہ گھٹنوں کے بل گرا تھا اور سجدے میں چلا گیا تھا۔

"اگر کہیں میں نے غرور دیکھا بھی دیا ہے تو یہ بندہ سجدے میں تُجھ سے اعتراف کرتا ہے کہ صرف تیری ذات حاکم ہے۔میں کبھی کُچھ کروں گا تو صرف تیری مخلوق کی خدمت کے لیے میرے لیے یہی سب بڑا شرف ہو گا۔تو جسے مرضی چاہے اپنی مخلوق کی فلاح کے لیے چن لے۔

یا اللہ پاک۔۔یا اللہ پاک۔۔۔یا اللہ پاک

اِس ذلت سے مُجھے نکال لیں۔

بے شک آپ ہی عزت اور ذلت دینے والے ہیں۔مُجھے اِس ذلت سے بچا لیں۔

سسکیوں کی آواز بلند ہو رہی تھی مگر وہ ایک ہی دعا کر رہا ہوتا۔

کوئی اُسے دیکھتا تو گواہی دیتا کہ وہ بہت عاجز اِنسان ہیں مگر لوگوں سے زیادہ دِل کی گواہی زیادہ ضروری ہوتی ہے۔اُسے دِل کی گواہی کی ضرورت تھی۔

جب یہ آپ کو بے قصور ثابت کر دے تو آپ کو چین نصیب ہو جاتا ہے۔

"سچ بولنے کے نتائج کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہو آپ کا دِل مطمئین ہوتا ہے آپ کسی بوجھ کے بغیر زِندہ رہیں یہی اصل سکون ہے۔"

ابتسام آفندی اپنے کمرے میں بیٹھے نبیہا سے باتیں کر رہے تھے۔روحا اُن کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئی اور ان کی پُشت دیکھنے لگی۔

"ارے روحا تُم یہاں۔۔؟"

ابتسام آفندی نے مڑتے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"مریان کے جیل جانے میں آپکا بھی ہاتھ ہے؟"

"روحا تُم۔۔"

"بابا میں آپ پر یقین کرنے لگتی ہوں آپ پھر سے میرا یقین توڑ دیتے ہیں آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" روحا نے اُن کی بات کاٹی۔

”روحا مجھے نہیں اندازہ کہ وہ اس حد تک جا سکتے ہیں۔اِس سب میں میرا کوئی ہاتھ نہیں میں نے کبھی ایسا چاہا بھی نہیں۔“

”آپ نے امانت میں خیانت کیوں کی؟“

”میں مجبور تھا۔“

”ایسی کیا مجبوری تھی کہ آپ نے کسی کو اتنی بڑی مُشکل میں ڈال دیا۔“

”اُس نے تمھیں مارنے کی دھمکی دی تھی۔“

روحا خاموشی سے ابتسام آفندی کو دیکھنے لگی الفاظ زُبان تک نہیں آ رہے تھے۔

”میں سوتیلا ہی سہی مگر تمھارا باپ ہوں دِل تڑپ گیا تھا میرا جب اُس نے کہا تُمھیں ایک بار اٹھوا سکتا ہے تو اگلی بار مروا بھی سکتا ہے۔“

”بابا۔۔۔“ وہ ابتسام آفندی سے لپٹ گئی تھی نا جانے کتنے عرصے بعد رنجشیں ختم ہوئی تھیں۔

کبھی کبھار چند الفاظ زِندگی بھر کے روگ ختم کر دیتے ہیں۔پاس بیٹھی نبیہا بھی اُن دونوں کو یوں دیکھ کر مسکرائی۔

”بابا آپ اُسے بچانے کے لیے کُچھ کر سکتے ہیں؟“ اُس نے ابتسام آفندی سے علیحدہ ہوتے پُر امید نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

”تم اُسے بچانا کیوں چاہتی ہو؟“

”کیونکہ وہ بے قصور ہے وہ میرے ملک میں بہتری لا سکتا ہے۔اُس کی جگہ اُس قید خانے میں نہیں ہے وہ اُس کا حقدار نہیں ہے۔

"بالکل کر سکتا ہوں اُن کے پاس جو کاغذات ہیں وہ جعلی ہیں میں اصلی کاغذات منظرِ عام پر لانے والا تھا۔"

"ویسے بابا آپ کو جعلی کاغذات بنوانے کی ضرورت کیوں پڑی؟"

"تُمھارے بابا اتنے بھی معمولی اِنسان نہیں کوئی ہم پر نظر رکھے اس سے پہلے ہماری اُس پر نظر ہوتی ہے اندر چھپے بھیدیوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔میں تمہیں کاغذات لا کر دیتا ہوں اور جاؤ بیٹی اپنا کمال دیکھا دو۔"

وہ روحا کا سر تھپتھپاتے الماری کی طرف بڑھے اور کاغذات لا کر روحا کو تھمائے۔

وہ شفقت بھرا ہاتھ ہی اُس کو ہمت دینے کے لیے کافی تھا۔

روحا نے سامنے موجود کیمروں کو دیکھ کر تھوک نگلا۔مائیک سیدھا کرتے اُس نے بولنا شروع کیا۔یہ اُس کا کیمرے کے سامنے بولنے کا پہلا اتفاق تھا۔

"ہم لوگ بہت جلد باز ہیں ایک طرف سے لگائے گئے الزامات پر بہت جلد اعتبار کر لیتے ہیں اور دوسرے جانب سے آنے والی وضاحت کا اِنتظار نہیں کرتے ضروری نہیں کے الزامات سچے ہو مگر ہم زیادہ تر الزامات لگانے والے کو سچا کہتے ہیں ہم پہلے آنے والوں کو مواقع دیتے ہیں چاہے وہ غلط بات ہی کیوں نہ کہہ رہے ہو۔دو طرفہ بیانات سننے کے بعد فیصلہ کیا کریں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے۔"

"کیا آپ ہمدان رؤف کے الزامات کی تردید کرنے آئی ہیں؟" نیوز رپورٹر نے سوال کیا تھا۔

”نہیں اُن کی تردید تو یہ کاغذات کر چکے ہیں۔یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جھوٹے کاغذات بنوا کر مریان لکھانی کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور میرے بابا نے یہ زمین نہیں خریدی۔مریان لکھانی کے دشمنوں نے فضول میں اِس معاملے میں اُنہیں گھسیٹا ہے۔“

روحا بازو اوپر کر کے کاغذات کو ہوا میں لہرایا۔

”پھر اِس پریس کانفرنس کا مقصد؟“

”آپ لوگوں کو سچ اور جھوٹ کا فرق بتانا چاہتی تھی کاغذات کسی بھی میڈیا چینل پر دے سکتی تھی۔ جب آپ کسی شخص پر یقین کر رہے ہیں تو اُس کے بعد بے اعتباری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر آپ کسی جھوٹے الزام پر بھی یقین کر لیتے ہیں اور اُس شخص آسمان سے زمین سے پر پٹخ دیتے ہیں اُس کا خود پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے وہ خود پر شک و شبہات کرنے لگ پڑتا ہے وہ سوچتا ہے ایسا کون سا گناہ ہوا مُجھ سے کے سب میرے خلاف ہو گئے۔بے اعتبار نہ ہوا کریں ورنہ سچ معلوم ہونے پر شرمندہ ہونا پڑے گا۔

میں نے زِندگی میں سب سے زیادہ ملال صحیح لوگوں کو غلط سمجھنے کے بعد محسوس کیا ہے۔“ وہ مسکراہٹ کے سے ساتھ پیچھے ہٹتی کیمروں کے سامنے سے اوجھل ہوئی تھی۔

”تمہیں تقریر کرنے کا کس نے کہا تھا؟“

نقیب اُس کے پیچھے ہٹتے ہی بولا۔

”کسی نے نہیں کہا اور میں اپنی مرضی سے آئی ہوں اپنی مرضی کا ہی بولنا تھا۔“ وہ کب دبنے والی تھی۔

”ویسے تمھارے بابا بڑے ذہین نکلے۔“ نقیب نے پُر ستائش الفاظ سے ابتسام آفندی کو نوازا۔

”ذہین کیا مطلب وہ ہیں ہی ذہین۔۔“

”مطلب مُجھے نہیں معلوم تھا۔ویسے بے قصور تو مریان ثابت ہو چکا ہے پر اب کیا کرنا ہے؟“ نقیب نے اگلا لائحہ عمل جاننا چاہا۔

”پولیس اسٹیشن جانا ہے اور مریان کو لانا ہے۔“

”لیکن کاغذی کاروائی میں وقت لگے گا۔“

”تُمھارے تعلقات کب کام آئیں گے؟ تُم کس لیے ہو؟“

”تمہاری باتیں سننے کے لئے۔۔“

وہ منھ بناتے بولا۔

روحا نے اُس کے پھولے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنسی دبائی۔

”سر آپ کی ضمانت ہو گئی ہے۔“

سامنے کھڑا پولیس والا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

مریان اُس کے دروازہ کھولنے پر باہر نکل کر بڑھنے لگا تھا کہ پولیس والے نے بازو آگے کر کے روکا۔

مریان نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

”آپ کی دعا میں بہت شدت ہے اِس لیے اتنی جلدی قبول ہو گئی۔ آپ جیسے حکمران کی ہمیں بہت ضرورت ہے آپ سا عاجز اِنسان ہی اچھا حکمران بن سکتا ہے۔ اچھے حکمران کی سب سے بڑی نشانی ہے کہ وہ دینے کے بعد جتاتا نہیں غرور اُس کی فطرت میں نہیں ہوتا۔“

وہ ہلکا سا مسکرا کر آگے بڑھ گیا تھا تعریفی الفاظ اہمیت کھو چُکے تھے۔

”کُچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اِس طریقے سے خود کی حاکمیت کا احساس دلاتے ہیں کہ اُن کا یقین پُختہ ہوتا جاتا ہے کہ وہی عزت اور ذلت دینے ہے پھر اُن لوگوں پر تعریفی الفاظ بے سود ہو جاتے ہیں وہ سر اُٹھانا بھول جاتے ہیں اُنہیں ہر لمحے احساس رہتا ہے کہ کوئی ہے جِس نے اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال رکھی ہے اُنہیں خوف رہتا ہے کہ سر اُٹھا تو شاید وہ محبت کو نفرت میں بدل دے کیونکہ اصل حاکم وہی ہے ہم جتنا بھی اترا لیں ہم مخلوق ہی ہیں۔“

مریان کی نظر سامنے کُرسی پر بیٹھی لڑکی پر پڑی تھی وہ وعدے کی اتنی پکی تھی اُسے اندازہ نہیں تھا وہ تین گھنٹے کا کہہ کر گئی تھی اور دو گھنٹوں میں لوٹ آئی تھی اور خالی ہاتھ نہیں لوٹی تھی کامیابی کے ساتھ لوٹی تھی۔

روحا نے مڑ کر اُسے دیکھا تھا چہرے پر ہلکی سی مسکان تھی وہ بھی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

وہ خاموش نگاہ اُس پر ڈالتا بیٹھ گیا۔

”وقت پر آئی ہوں نہ؟“ وہ کہتے ہی ایک دم سے چُپ ہو گئی جیسے اپنے الفاظ پر ہی پشیمان ہوئی ہو۔

”وقت سے پہلے۔۔“ وہ اتنا ہی بول پایا۔

”سر ہم آپ سے معزرت کرتے ہیں مگر ہمیں جو اوپر سے حکم آتا ہے ہمیں وہی کرنا پڑتا ہے بڑے لوگ بڑی کارروائیاں کرتے ہیں۔“

”چھوٹے لوگ اپنی چھوٹی کوشش کر سکتے ہیں۔“

وہ تحمل سے بولا تھا مگر سامنے والے کو لا جواب کر گیا تھا۔مریان کے پُر شکوہ چہرے پر بدستور مسکراہٹ کی دلاویزی شامل تھی۔

”تمہیں اب کس بات کا سکتہ ہے؟“ نقیب نے فرنٹ سیٹ سنبھالی اور پیچھے مڑ کر مبہوت بیٹھے مریان کو دیکھا۔

مگر وہ کہاں سُن رہا تھا وہ فاصلے پر کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

”یار مریان کیا ہوا ہے؟“ نقیب اس کی خاموشی سے جھنجھلایا۔

”میں اِس کا مقروض ہو گیا ہوں۔“ وہ ہنوز روحا پر نظریں جمائے بولا۔

”تم کب کسی کا قرض رکھتے ہو اِسکا بھی اُتار دینا۔“

”مُجھے لگتا ہے میں عمر بھر اِسکا قرض نہیں اُتار سکوں گا۔“

”ضروری نہیں اِنسان کو ہمیشہ ٹھیک ہی لگے۔“ نقیب نے چہرہ سیدھا کیا۔

"نہیں نقیب جس بات کے لیے آپکا دِل بار بار کہہ رہا ہو وہ اکثر سچ ہو جاتی ہے۔مُجھے کبھی کبھی لگتا ہے یہ دِل سب جانتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔" وہ ہنوز اُس کی التفات بھری نظروں کے حصار میں تھی۔

"نہیں اس دِل میں جو موجود ہے نہ وہ سب جانتا ہے۔"

نقیب کی بات پر اُس نے رُخ موڑ کر اُسے حیرت سے دیکھا جو سب اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو اپنے دوست کی ذہانت پر شک تھا؟" نقیب اس کی خود پر جمی نظریں محسوس کر چکا تھا۔

"تھا بھی تو اب نہیں رہا۔" نقیب مریان کی تحسین پر ہنسا تو وہ فقط مسکرایا۔

گاڑی کا شیشہ کھٹکنے پر مریان نے باہر دیکھا۔

سیاہ گہری آنکھیں پہلی بار اتنی قریب سے دیکھی تھیں اُن میں چمک تھی شاید فتح کی چمک۔۔

اُس کی سانسوں کی ڈور الجھنے لگی۔

مریان نے شیشہ نیچے کیا بیچ میں حائل فاصلہ ختم ہوا تھا جو اگلے ہی لمحے روحانے پیچھے ہٹ کر دوبارہ سے قائم کر دیا تھا۔

"یہ آپکی امانت۔۔"

روحانے پراپرٹی کے کاغذات اُس کی طرف بڑھائے۔

مریان نے ہاتھ بڑھا کر کاغذات پکڑے تھے ہاتھ مس ہوا تھا روحا نے جھٹکے سے ہاتھ کھینچا مگر ناکام رہی وہ ہاتھ پکڑ چُکا تھا اور پوری قوت سے پکڑا تھا اُسے لگا تھا وہ کبھی بھی اُس کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑوا پائے گی۔

روحا نے بے بسی سے بھوری آنکھوں میں جھانکا تھا جہاں نہ شرارت تھی نہ محبت صرف سنجیدگی تھی۔

مریان نے اُس کی اُنگلی سے اپنی انگوٹھی نکال کے گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔

"اپنی ساری امانتیں واپس لوں گا۔" سرد مہری آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

روحا نے گرفت ڈھیلی پڑتی دیکھ کر لمحے میں ہاتھ چھڑوایا تھا۔

جیسے دامن سے کوئی خاک جھٹک دے
یُوں توڑ دیا اُنہوں نے ربط شناسائی کا

مریان اُس کے ہاتھوں کی جانب دیکھنے لگا جہاں اب ایک سیاہ انگوٹھی تھی۔

وہ دونوں اُس کے پاس کیسے چھوڑ سکتا تھا جوڑی کیسے ساتھ رہ سکتی تھی جبکہ جوڑی دار الگ تھا۔

وہ بغیر کُچھ بولے جانے کے لیے مڑی۔وہ اُس کی نظروں سے دور جا رہی تھی۔

مریان نے اُس کے جانے پر نقیب کی جانب دیکھا جو اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"اچھا طریقہ ہے۔"

”کس چیز کا؟“ مریان اُلجھا۔

”ہاتھ پکڑنے کا۔۔“

مریان نے اسے گھوری رسید کی۔

مگر اب اُس پر گھوری بے اثر تھی اُس کے اندر کا شیطان جاگ چُکا تھا۔

”مجھے تو شرم آگئی تھی میں نے آنکھیں بند کر لیں۔“ اُس نے آنکھوں کے آگے دونوں ہاتھ رکھے۔

”اب تُم اتنے شریف بھی نہیں ہو۔میں نے ویسے بھی انگوٹھی اُتارنے تھی۔“

”اُسے کہہ دیتے کہ تُمہیں انگوٹھی چاہیے۔“

”اُس نے دینی نہیں تھی۔“

”اچھا بہانہ ہے۔“

”تم اب بکواس بند کرو۔“ نقیب اس کے دپٹنے پر بُرا سا منہ بنا کر سیدھا ہوا۔

”پیچھے کیوں بیٹھے ہو؟“

”آگے رہنے کی چاہ نہیں رہی۔“ اس نے چہرے پر مایوسی کے سائے لہرا رہے تھے۔

”اب کس بات کی افسردگی ہے؟“

”میں ایک بار کوشش کرنا چاہتا ہوں۔“

”کس کے لئے کوشش کرنا چاہتے ہو؟“

”میں ایک بار اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اُس کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اُس کے چہرے پر الگ ہی بے قراری تھی۔اُس کے لہجے کی بے قراری پر نقیب بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"میں اُسے جتنا جانا ہوں وہ فیصلہ کر چُکی ہے اور تمھارے حق میں فیصلہ نہیں بدلے گی۔"

"میں بتا کر شاید اس افسردگی سے نکل آؤں۔"

"تم اُس کا ردِ عمل دیکھ کر مزید افسردہ ہو گے۔"

گاڑی میں لمبی خاموشی چھا گئی تھی۔

آگے آ جاؤ۔" نقیب اُسے خاموش پا کر بولا۔

وہ خاموشی سے آگے آ کر بیٹھ گیا پھر خفت سے نقیب کو دیکھا۔

"یہ تُم اتنا پرفیوم کیوں لگاتے ہو؟"

"مجھے خوشبو پسند ہے۔تم چائے میں چینی زیادہ ڈالتے ہو میں نے کبھی کُچھ کہا؟"

"مٹھاس کی مقدار بڑھا بھی دی جائے پھر بھی وہ مٹھاس ہی رہتی ہے۔"

"تو خوشبو بھی خوشبو ہی رہتی ہے۔"

"نہیں خوشبو کی مقدار بڑھے گی تو تُم اُس کو ٹھیک سے محسوس نہیں کر پاؤ گے وہ خوشگواریت کا احساس نہیں دے گی۔"

"مٹھاس کب خوشگواریت کا احساس دیتی ہے؟" نقیب کو اُس کی منطق سے اعتراض تھا۔

مٹھاس ہر ذائقے کے مداوائے کے طور پر استعمال ہوتی ہے آپ نمکین زیادہ کھائیں گے تو آپ کو مٹھاس کی طلب ہو گی آپ تیکھا زیادہ کھائیں گے آپ مٹھاس کی طرف بھاگیں گے آپ کڑوا کھائیں گے تو منھ کا ذائقہ بدلنے کا واحد حل مٹھاس ہو گی۔"

نقیب خاموش ہو گیا تھا وہ جانتا تھا اِس معاملے میں بحث بے سود ہے مریان اپنی پسندیدہ چیزوں کی خصوصیات نکالنا خوب جانتا تھا۔

~~

”زیام بیٹا تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہی تھی۔“ زیام کھانے کی میز پر اپنی پلیٹ پر سر جھکائے ناشتہ کر رہا تھا جب سیدہ سعدیہ نے اُسے مخاطب کیا۔زیام نے سر اٹھا کر اُنہیں دیکھا۔”جی ماما جلدی کہیے ناشتہ کر کے آفس جانا ہے ضروری میٹنگ ہے آج آنکھ ہی دیر سے کھلی۔“ وہ پراٹھے کے بڑے لقمے توڑتا عجلت میں منہ میں ڈالتے کہہ رہا تھا۔”میں نے اور معین نے تُمھارے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے بہت اچھی اور پیاری لڑکی ہے۔پہلی نظر میں میرے دل کو بھا گئی ہے۔“ زیام کا پلیٹ کی طرف جاتا ہاتھ سست پڑا۔”سید ہے؟“ سیدہ سعدیہ اور سید معین نے اس کے سوال پر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔وہ اس کا انکار متوقع کر رہے تھے مگر وہ الگ ہی سوال کر رہا تھا۔”تمہیں تو ذات سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟“ سید معین نے اس سے الٹا سوال کیا۔

”آپ ہاں اور نا میں جواب دے دیں۔“ وہ اپنے سامنے پڑی پلیٹ پرے دھکیل چکا تھا۔

”اور اگر میں کہوں کہ سید ہے تو؟“

”تو مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔“

وہ عجلت میں کہتے ہوئے اُٹھا اور میز پر پڑی چابی اُٹھاتے باہر نکل گیا۔

سیدہ سعدیہ اور سید معین نے ایک دوسرے کی طرف مسکراہٹ اچھالی تھی۔اُن کی اولاد اُن کی توقعات سے زیادہ فرمابردار تھی۔مگر وہ غلط سمجھ رہے تھے اگر وہ کہتے کہ لڑکی سید نہیں وہ پھر بھی ہاں کرتا۔وہ فیصلہ کر چُکا تھا وہ علیحہ کی زندگی میں اپنی وجہ سے مزید کوئی پریشانی نہیں چاہتا تھا۔وہ اگے بڑھنا چاہتا تھا اور ذات اُس کے لیے کبھی اہم نہیں تھی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی تھی۔

"زیام وہ تمھارا انتظار کر رہی ہوگی۔" وہ جب سے آفس سے آیا تھا سیدہ سعدیہ دسویں بار یہ فقرہ دہرا چکی تھیں۔"ماما آپ کو پتہ ہے میں کتنی فاسٹ ڈرائیونگ کرتا ہوں وقت پر پُہنچ جاؤں گا۔" وہ پُر سکون سا بولا۔"کب تک جاؤ گے؟"

سیدہ سعدیہ اب بھی بے چینی سے بولی تھی زیام کی بات سے اُنہیں تسلی نہیں ہوئی تھی۔"ماما وہ میرے انتظار میں مر نہیں رہی ہوگی اور میں بھی مرا نہیں جا رہا کے وقت سے پہلے پُہنچ کر اس کے انتظار میں لمحات کاٹوں۔"

"تم اُسے دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔" سیدہ سعدیہ اُس کی بے رُخی سے کہے الفاظ نظر انداز کر گئی تھیں۔

"ماما یہ آپ کا وہم ہے۔" زیام نے رکھائی سے ان کی بات کی تردید کی۔

"وہ اتنی پیاری اور اچھی ہے کہ مجھے یقین وہ تمہارا دل موہ لے گی۔"

"دیکھ لیں گے کون سی شہزادی آپ ڈھونڈھ لائی ہیں۔" وہ بیزاری سے کہتا موبائل پر نظریں جمائے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”بیٹھ کیوں رہے ہو اُٹھو جاؤ۔“ سیدہ سعدیہ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔
”ماما مجھے اب آپ کی پسند پر یقین ہی نہیں رہا آپ فاطمہ کی بھی یونہی تعریفیں کیا کرتی تھیں۔“ زیام شکوہ کناں نظروں سے اُنہیں دیکھتے بولا۔
”ارے نہیں وہ تو میری بہو کے سامنے کُچھ بھی نہیں تھی۔“
”میں نے ابھی پسند نہیں کی اور آپ کی بہو پہلے بن گئی ہے۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر کی جانب چل پڑا۔ اُسے یقین تھا سیدہ سعدیہ اسے مزید وہاں ٹکنے نہیں دیں گی۔

علیحہ پرس میں سامان ڈال رہی تھی جب نسرین بیگم اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئیں۔
”علیحہ بیٹا کہاں جا رہی ہو؟“
”زمین گھمانے اور آسمان پلٹنے۔۔“ وہ سرشاری سے بولی۔
”کیا کہہ رہی ہو؟“ نسرین بیگم نے کم فہمی سے پوچھا۔”آپ کے داماد سے ملنے جا رہی ہوں۔“
”کون سا داماد؟“ ایک دم سے ان کے ذہن سے کل علیحہ کے لیے آئے رشتے کا خیال نکل ہی گیا تھا۔
”واپسی پر ساتھ لیتی آؤں گی۔“
”تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے واپسی پر میٹھائی لانی ہو۔“

"امی گلاب جامن لاؤں گی۔" زیام اپنے لیے ایسے القابات سنتا تو غش کھا کر گر پڑتا۔وہ نسرین بیگم سے لپٹی تھی۔نسرین بیگم نے اُسے خود میں بھینچتے ماتھا چوما۔وہ نسرین بیگم سے الگ ہوتے کمرے سے باہر نکلی۔

"خدا حافظ بابا۔" اُس نے اونچی آواز میں امین بخش سے کہا۔

"بیٹا کہاں جا رہی ہو؟" امین بخش نے سامنے چلتے ٹی وی سے توجہ اُس کی جانب مبذول کی۔

"یہ زمین گھمانے جا رہی ہے۔" نسرین بیگم نے اپنی طرف سے بڑی اہم معلومات دی تھیں۔

"بیٹا فٹ بال کھیلنے لگی ہو؟" علیحہ اپنے والدین کی ذہانت پر عش عش کر اٹھی تھی۔

"زیام سے ملنے جا رہی ہوں۔" اُس نے بالآخر بتایا۔

"تو پہلے کیا کہہ رہی تھی؟"

"پہلے بھی یہی کہہ رہی تھی مگر اپنی زبان میں۔" "عجیب زُبان ہے تمہاری۔" امین بخش ہتھیلی گھماتے دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوئے۔

علیحہ مزید کچھ بولے صبر کا گھونٹ پیتی دروازے کی جانب چل دی۔

زیام منہ بنائے بیٹھا تھا آج پہلی بار اُسے وقت سے پہلے آنا بُرا لگ رہا تھا پچھلے پانچ منٹ میں وہ دس بار گھڑی دیکھ چکا تھا۔

"پتہ نہیں کب آئے گی۔" اُس نے کوفت سے داخلی دروازے کی جانب دیکھا۔

"کیا بے بسی ہے ملنا نہیں چاہتا پھر بھی اِنتظار کر رہا ہوں۔" اُس نے گیارہویں بار گھڑی دیکھ کر سر اٹھایا تو سامنے علیحہ کو دیکھ کر بونچکا گیا۔

"علیحہ تم یہاں۔۔یہاں کیا کرنے آئی ہو؟"

وہ اُسے اپنے سامنے کُرسی کھینچ کر بیٹھتا دیکھ کر مزید حیران ہوا۔

"یہاں کیا کرنے آتے ہیں؟" علیحہ کے سوال پر وہ خجل ہوا۔

"ملنے۔۔"

"نہیں ریستوران کھانا کھانے آتے ہیں۔" علیحہ نے اُس کی بات کاٹتے تصحیح کی۔

"اوہ ہاں۔۔" زیام نے لب گول کرتے سر ہلایا۔

"لگتا ہے تم کسی سے ملنے آئے ہو۔"

"نہ۔۔نہیں تو میں تو کسی سے ملنے نہیں آیا۔" علیحہ کے کہنے پر وہ گڑبڑایا۔اُس کی پیشانی پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہوئے۔

"لگتا ہے کراچی میں گرمی زیادہ پڑھ رہی ہے۔ویسے تم کب سے جھوٹ بولنے لگے ہو؟" اُس کی نظریں زیام کی پیشانی پر جمی تھیں۔

"نہیں تو۔۔میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔" زیام نے میز پر پڑے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر پیشانی پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"مجھ سے ڈر کر بول سکتے ہو اور تمہاری تیاری سے لگتا ہے یہاں کسی لڑکی سے ملنے آئے ہو۔"

"نہیں وہ۔۔وہ دراصل۔۔" زیام کے الفاظ بے ربط ہوئے۔

"ہکلا کیوں رہے ہو؟" علیحہ اس کی حالت دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔

"وہ ماما نے کسی لڑکی سے ملنے کا کہا تھا۔" اُس نے ہمت جمع کرتے سچ بتا ہی دیا تھا۔

"کس سلسلے میں؟"

"شادی کے لیے۔۔" اب کی بار اُس نے بغیر اٹکے جواب دیا۔ایک لمحے کو علیحہ کا ردِ عمل دیکھنے کو رکا۔

"ماما نے اصرار کیا تو میں انکار نہیں کر پایا۔" وہ اب وضاحت دے رہا تھا۔

"اچھا تو شادی کر رہے ہو؟"

"نہیں تو۔۔" علیحہ نے اُس کے پھر سے انکار کرنے پر اچھنبتے سے اس کی جانب دیکھا۔

"پھر یہاں بیٹھ کر اُس کے ساتھ فلرٹ کرو گے؟"

"نہیں میں کیوں فلرٹ کروں گا۔" زیام نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا۔

"اِس کا مطلب ہے پھر شادی ہی کرو گے۔" وہ خاموش ہو گیا تھا۔کیسا برا پھنسا تھا وہ۔۔اُس کے سامنے اِس بات کا اقرار کرنا کتنا مشکل تھا۔

"ویسے تم نے اسے دیکھا ہوا ہے؟" وہ چند لمحے اُس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر نفی میں سر کو جنبش دی۔اُس کے لیے علیحہ کا ایسا ردِ عمل تعجب انگیز تھا۔اُسے لگا تھا وہ غُصہ کرے اور اگر سب کے سامنے غُصہ نا کر سکی ضبط کر بھی گئی تو اس کا چہرہ ضرور بجھے گا مگر وہ تو ایسے بات کر رہی تھی جیسے اسے کوئی فرق ہی نا پڑ رہا ہو۔وہ چاہے جس سے مرضی شادی کرے۔

"پھر اسے پہچانو گے کیسے؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"ماما نے کہا تھا وہ بہت پیاری ہے۔" اُسے سیدہ سعدیہ کے الفاظ یاد آئے۔

"وہ تو تم یہاں جس لڑکی سے بھی پوچھو گے خود کو خوبصورت ہی کہے گی۔" وہ مسکرائی۔

"تمہاری ماما نے اور کیا بتایا تھا مطلب نام، حلیہ وغیرہ۔۔"

"ماما نے کہا تھا وہ سید ہے اور نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔" اُسے اپنی نام نا پوچھنے والی غلطی کا احساس ہوا۔

"پھر کیسے پہچانو گے؟" علیحہ نے اسے سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"میں بتاؤں اس کا نام کیا ہے؟" اُس نے خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا۔

"تم کیسے؟ تم اسے جانتی ہو؟" زیام نے حیران کن نظروں سے اُسے دیکھا۔

"سیدہ علیحہ بُخاری۔۔" وہ کھڑی ہوئی اور ہاتھ اُس کی جانب بڑھاتے بولی۔زیام پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔حیرت سے اُس کے ہونٹ وا ہوئے۔

"تم سید۔۔تم سید ہو؟" وہ تو اس انکشاف پر گنگ رہ گیا تھا۔بے یقینی ایسی تھی کہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس سے پوچھے کیا۔

"ہاں میں سید ہو اور وہی ہوں جس سے تم ملنے آئے تھے۔"

"لیکن کیسے؟" اُس کی حیرت بجا تھے اُس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس کی تعریفوں کے پل اُس کی ماں باندھ رہی تھی وہ علیحہ ہو سکتی ہے۔

"سید زیام شاہ تمہاری خاطر میں نے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔مجھ سے کوئی پوچھے محبت حاصل کرنا کتنا مُشکل ہے۔مگر محبت آسانی سے مل جائے تو ہمیں اس کی قدر نہیں رہتی مگر تم خوش نصیب ہو مجھے تمہاری

قدر ہے اور ہمیشہ رہے گی۔" اُس سے کُرسی کی پُشت سے ٹیک لگائی اور زیام ہنوز چہرے پر حیرت لیے اُسے تک رہا تھا۔

"مریان سر کہتے ہیں زمین کا گھومنا اور آسمان کا پلٹنا طے ہے۔ مگر مجھے لگتا ہے طے کی گئی چیزیں بھی اتنی آسانی سے نہیں ملتیں۔ کُچھ لوگ سارا دن سکون کی چاہ میں رات کا انتظار کرتے ہیں اور کچھ ساری رت اپنے اندر موجود کرب کو کم کرنے کے لیے دن چھڑنے کے لیے گھڑیاں گنتے ہیں۔ رات سے صبح اور صبح سے رات کا ہونا طے ہے مگر اِس درمیانی وقفے کو گزارنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ یہ اِنتظار بھی لمبا ہوتا ہے لمبے انتظار پر صبر کرنا بھی آسان نہیں۔

تمہارا اور میرا ملنا شاید واقعی طے تھا مگر میں نے تمہاری کزن کو پہلے منایا۔ روحا نے تمہارے ماما، بابا کو سمجھایا تم مجھے بہت مُشکل سے ملے ہو ساری زندگی تمہیں ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔" علیحہ نے ہتھیلی اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے مھٹی بند کی۔ اسے لگا وہ ہمیشہ کے لیے اُس کی قید میں چلا گیا تھا۔

"تم نے فاطمہ کو کیا کہا تھا؟"

"یہی کہ تم اُس کے کام کے نہیں ہو جس کے کام کے ہو اسے دے اور اُس کے ساتھ خوش رہے جس کے ساتھ وہ رہ سکتی ہے۔"

"تو اس نے وہ سب خود نہیں کیا؟" نا بلدی سے پوچھا۔

"اُس نے جو بھی کیا اپنی مرضی سے کیا وہ کبھی بھی تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی بس اپنی ماں کے دباؤ میں آ کر فیصلہ کیا تھا اور کسی کا فیصلہ بدلنا مجھے خوب آتا ہے۔تم شاید مزید کچھ پوچھنا چاہ رہے ہو؟" علیحہ نے اس کی آنکھوں میں ابھرتی بے چینی دیکھ لی تھی۔

"تم واقعی سید ہو؟" زیام ابھی تک اس بات کو ہضم نہیں کر پایا تھا۔"میں نے تمہیں پوری کہانی سنا دی اور تم وہیں پر اٹکے ہو۔" علیحہ نے منہ بنایا۔

"پھر تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا جب میرے والدین کے غیر سید سے شادی نا کرنے والا اعتراض اٹھایا تمہیں تب ہی سچ بولنا چاہیے تھا۔"

"سید زیام شاہ میں ماتھے پر سید ہونے کا ٹھپہ لگا کر نہیں رہتی میں بات بات پر نہیں جتاتی کہ میں اعلیٰ ذات ہوں۔میں تمہیں تب مل جاتی تو تمہاری ذہنیت کبھی نا بدلتی تم یہی سمجھتے کے سید کا نصیب سید ہی ہے۔اعلیٰ ذات کو اعلیٰ ذات ہی ملتا تھا تم ذات کی تفریقات میں ہی بٹے رہتے اور میں ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی جس کے نزدیک اِنسان سے زیادہ ذات اہم ہو۔اسلام میں سید کا غیر سید سے شادی کرنے میں کوئی مضحکہ نہیں۔یہ مسئلہ دراصل کفو کا ہے۔"

وہ بولنے لگی تو زیام خاموشی سے اسے سننے لگا۔اتنے عرصے میں وہ اِس متعلق اُس سے زیادہ معلومات اکھٹی کر چکا تھا مگر وہ اُسے سننا چاہتا تھا اتنے عرصے بعد اُسے سننے کا موقع ملا تھا۔

"کفو کا مطلب خاوند کا حسب، دین، نسب اور گھر وغیرہ میں عورت کے برابر ہونا۔

کفو کی حقیقت اتنی ہے کہ لڑکے لڑکی میں ہر ممکن حد تک مناسبت کا لحاظ کیا جائے۔بے جوڑ اور غیر مناسب رشتوں سے بچا جائے تاکہ دونوں میں ہم آہنگی مطابقت و موافقت ہو۔الفت ہو، کالے، گورے، سید غیر سید۔ذات پات کا نظام اسلام میں نہیں ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔

فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ

"ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں"۔النساء، 4: 3

مندرجہ بالا آیت میں بھی لفظ "ما" جو کہ عموم کے لئے ہے یعنی محرمات کے علاوہ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں خواہ وہ کفو سے ہو یا غیر کفو سے ہوں باہمی رضامندی سے نکاح کر لو۔

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ

البقرہ، 2: 221

"اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بے شک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً بتا دیا کہ مسلمان آزاد لڑکیوں کا نکاح غلام مسلمانوں سے کرنا جائز ہے۔حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہوتا۔

احادیث مبارکہ میں بھی غیر کفو میں نکاح سے متعلق بے شمار ثبوت ہیں۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کے باعث نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال، اس کے حسب و نسب، اس کے حسن و جمال اور اس کے دین کی وجہ سے تیرے ہاتھ گرد آلودہ ہوں، تو دیندار کو حاصل کر"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ بپا ہو گا۔

اسلام نے نکاح کا مقصد محبت و الفت بتایا ہے۔
لہٰذا نکاح کرتے وقت چند امور کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت فرمائی۔جس سے میاں بیوی میں جہاں تک ممکن ہو محبت، یگانگت اور ہمدردی پیدا کر دی جائے تو جو رشتہ ازدواج کی پائیداری کا سبب ہو۔ میاں بیوی میں اتحاد و اتفاق ہو۔اور وہ پر سکون زندگی بسر کر سکیں۔یہ بنیادی بات ہے اسلام نے یہ

حق ہر مرد اور عورت کو دیا ہے لہٰذا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی پر اپنی مرضی مسلط کرے یہاں تک کہ باپ، دادا کو بھی جبر کا اختیار نہیں۔

اسلام کی نظر میں عزت و ذلت بڑا اور چھوٹا ہونے کا دار و مدار ایمان و کردار پر ہے حسب و نسب پر نہیں۔

اسلام میں تو ہر چیز مثالوں سے بتائی جاتی ہے اور اتنی تفصیل سے کہ دماغ کے ساتھ دِل کی بھی ہر گرہ کھل سکتی ہے۔اسلام نے ایسے رواج نہیں بنائے۔ماں باپ کے ادب کی تلقین کی ہے ماں باپ کی خاطر ساری زندگی سولی پر لٹکنے کا نہیں کہا۔

اسلام تو زبردستی سیکھاتا ہی نہیں پھر اسلام پر چلنے والے اسلام کا نام لے کر زبردستی کیوں کرتے ہیں؟

یہ اسلام پر نہیں پرانی جہالت کے گھڑے میں ڈوبے روایات قائم کرنے والے لوگوں کی مانتے ہیں یہ تو اتنا بھی نہیں جانتے وہ کافر غیر مسلم تھے۔جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

جنہوں نے کبھی ایک حدیث پڑھنے کی زحمت نا کی ہو وہ بھی غیرت کے نام پر قتل کرتے پھرتے ہیں۔

کون سی غیرت جاگتی ہے؟ کس بات پر جاگتی ہے؟

لڑکی یا لڑکے کی اپنے پسند کے شخص سے شادی کی خواہش پہ؟

یہ اسلام کے خلاف بات ہے جو غیرت جاگتی ہے؟

لاکھوں گناہ دن میں کرتے ہوئے۔اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کرتے ہوئے، اسلام کے خلاف جاتے ہوئے یہ غیرت کیوں نہیں جاگتی؟ ہم کُچھ معاملات میں آج بھی کند ذہن ہیں اور یہ صرف ایمان کی روشنی سے کھل سکتے ہیں۔" اُس نے خاموش ہوتے گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔

"میں جانتا ہوں اور میرے لیے ذات کبھی بھی مسئلہ نہیں رہی مگر والدین کی محبت کے آگے ہار گیا تھا اور دیکھو آج سب کچھ جیت گیا محبت، چاہت اور تمہیں سب کچھ پا لیا۔" اس کے لہجے میں سرشاری تھی۔

"زیام والدین کی محبت اہم ہے اُن کی فرانبرداری اہم ہے مگر غلط کو غلط نا کہنا بھی غلط ہے۔کُچھ لوگوں کے سامنے اسلام سے بھی دلائل دو وہ نہیں سنتے۔وہ اپنے آباؤ اجداد کی روایات نہیں توڑنا چاہتے۔مگر وہ غلط لوگوں کو مثال بناتے ہیں۔وہ اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مثال کیوں نہیں بناتے جنھوں عمر میں زیادہ یا کم ہونا دیکھا نا بیوہ ہونا۔انھوں نے تو غلاموں کے ساتھ شادی کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔انھوں نے تو اعلیٰ ذاتی کے سبق نہیں پڑھائے۔ہم ان کی مثال کیوں نہیں لیتے اُن سے زیادہ حسین کوئی ہو سکتا ہے؟ اُن سی شخصیت کسی کی ہو سکتی ہے؟ اُن سی اعلیٰ ذات ہونے کا مطلب اُن سا اعلیٰ ظرف بننے کی کوشش بھی کرو۔

ہم سب نے حشر میں ایک ساتھ ہی کھڑا ہونا ہے۔سب کا ایک طرح سے حساب ہونا ہے۔جہنم کی صورت میں ایک طرح کی سزا کے ہی حقدار ہونگے۔جنت کی صورت ایک ہی طرح کا انعام مقرر ہے۔وہاں یہ اعلیٰ ذاتی کام نہیں آئے گی کیونکہ اسلام برابری سیکھاتا ہے کنگھی کے دانوں کی طرح کی برابری۔۔۔"

زیام مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی باتیں سنتا رہا پھر اُس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔علیحہ چند لمحے اُس کے ہاتھ کی جانب دیکھتی رہی پھر ہاتھ اُس کی جانب بڑھا دیا۔

"انگوٹھی کہاں ہے؟" زیام نے اُس کے خالی ہاتھ دیکھتے پوچھا۔

"وہ روحا کے پاس ہے۔"

"پھر ٹھیک ہے مجھے لگا تم نے پھینک دی ہوگئی۔" وہ جانتا تھا وہ کتنی جذباتی تھی۔

"پھینک ہی دی تھی اس نے اُٹھا کر پہن لی۔" وہ اپنی حماقت پر ہنس پڑی۔

"چلو پھر فلحال یہ پہن لو۔" وہ اپنی انگوٹھی اُتار کر اسے پہنانے لگا مگر وہ اس کی انگلی سے نکل کر گر پڑی۔زیام چند لمحے سوچتی نظروں سے اُس کی مخروطی انگلیوں کو دیکھتا پھر اُس کے انگوٹھے میں پہنا دی۔پہنائی ہوئی انگوٹھ اس کی انگلی میں اس کے نام کو جاوداں بخشی ہوئی تھی۔

"اب نہیں اترے گی۔"

"اِس بار بھی تم مکر گئے تو؟" علیحہ نے انگوٹھی پر نظریں جمائے پوچھا۔

"تم نے خودی تو کہا ہے اس بار ساری زندگی ہاتھ سے نہیں جانے دو گی پہلے بھی تم نے ہی جانے دیا تھا ورنہ ہمارا ملنا تو طے تھا۔"

اُس نے اپنا سانولی رنگت کے ہاتھوں کو اُس کے دودھیا رنگت کے ہاتھوں پر رکھتے کہا۔

انسانیت کی طرح محبت بھی رنگ، نسل، حسب نسب سے بالاتر ہوتی ہے اسے جہالت کی نذر کرنے والے بھی جواب دہ ہونگے۔

"میں شادی کرنے لگا ہوں۔" نقیب نے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھتے پُر جوش انداز میں بتایا۔

"کس سے۔" بے پروائی سے جواب آیا۔

"کیا مطلب کس سے؟ تم نہیں جانتے میں کس سے شادی کر سکتا ہوں؟"

"نہیں۔۔" لا پرواہی قائم رہی۔

نقیب نے مریان کے جواب پر مٹھیاں بھینچیں۔ مگر وہ اُس کے غصے سے لاعلم کتاب میں منہمک بیٹھا تھا۔

"یہ کارڈ تمھیں دینے آیا ہوں اگلے ہفتے شادی ہے۔"

"اچانک شادی؟" مریان کو حیرت ہوئی تھی کہ اُس کا سب سے اچھا دوست اپنی شادی کے بارے میں اُسے چند دن پہلے بتا رہا تھا۔

"تمھیں پہلے بتانا چاہیے تھا اگلے ہفتے میں شاید پاکستان میں نا ہوں۔"

"کیا مطلب تم میری شادی میں نہیں آؤ گے؟ میں تُمھارا گلہ گھونٹ دوں گا۔" نقیب نے اپنے دونوں ہاتھ اُس کے گلے پر رکھے۔

"کسی کی گرفت اتنی مضبوط نہیں کے مریان لکھانی کا گلہ گھونٹ سکے۔" مریان نقیب کے گلے پر دباؤ ڈالتے بولا اور جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔

"تمھارا دماغ خراب ہے تم نے میری بیوی کو ابھی سے بیوہ کرنا" نقیب نے بے اختیار ہاتھ اپنے دکھتے گلے پر رکھتے اُسے سہلایا۔

"ہونے والی بیوی۔۔" مریان نے تصحیح کی۔

"ہونی تو میری ہی ہے۔"

"دیکھ لیں گے۔"

"مطلب تم دیکھنے آؤ گے؟" نقیب کی اُمید بندھی۔

"مریان تم میری شادی میں نا آنے کے لیے بہانے بناؤ گے؟"

"نہیں۔۔" اُس کا یک لفظی جواب نقیب کو مزید تپا گیا تھا۔

"یہ تُمھارے ہاتھ سے کیا ہے؟" نقیب نے اُس کے ہاتھ میں موجود لسٹ پکڑی اور بغور اُسے پڑھنے لگا۔

۱. ایم ایل ہسپتال

۲. ایم ایل ریستوران

۳۔ایم ایل کیب سروس

۴. ایم ایل ٹرسٹ

"یہ کون سی ایم ایل دنیا بنانے کا ارادہ ہے؟"

"صرف ارادہ نہیں ہے اِن سب پر بہت عرصے سے کام کر رہا ہوں اب تو صرف منظرِ عام پر لانا ہے۔"

"تم اتنا سب سنبھال لو گے؟" نقیب نے لسٹ دوبارہ اپنے چہرے کے سامنے کی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مریان لکھانی صرف باتیں کرتا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے مریان لکھانی جو سوچتا ہے وہ کرتا ہے مگر تم یہ سب اکیلے سنبھال لو گے؟"

"تمہیں ساتھ صرف ٹھسوانے کے لیے رکھا ہوا ہے؟" نقیب نے اس کی بات پر تیوری چڑھائی۔

"میں ابتسام ولا جا رہا ہوں۔" مریان نے اُسے آگاہ کیا۔

"کیا کرنے جا رہے ہو۔" نقیب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"روحا سے بات کرنے۔"

"تم باز نہیں آؤ گے؟"

"میں مثبت سوچ رکھتا ہوں آگے برا ہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"تم حماقت کر رہے ہو تم بھی جانتے ہو اُس نے اپنی مرضی سے آذر کو چنا ہے اور اس کی جگہ کوئی بھی ہونا ایسا ہی کرتا۔"

"شاید اُسے میرے جذبات کی قدر ہو جائے۔"

"وہ تُمھارے جذبات کی قدر کرتی ہے مگر وہ تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تم پیچھے ہٹ گئے ہو تو وہ اب بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ وہ صرف تُمھارے جذبات کی خاطر سب کو اپنے خلاف نہیں کر سکتی جبکہ اُس کے پاس تُمھارے لیے ویسے جذبات بھی نہیں ہیں۔"

"تم چاہتے ہو میں ساری زندگی سولی پر لٹکتا رہوں؟ میں ایک کنارہ کرنا چاہتا ہوں زیادہ سے زیادہ وہ مجھے دھتکار دے گی۔" اُس نے بے رخی سے نقیب کی بات کاٹی۔

"تو تم سہہ لو گے؟ تمہیں اس بار بھی پیچھے ہٹا پڑ گیا تو کیا کرو گے؟"

"تو میں ہر چیز سے منظر سے ہی پیچھے ہٹ جاؤں گا۔" اُس کی آنکھوں میں کرب تھا۔

"اور اگر اُس نے کُچھ اور کہہ دیا تمہیں دلبرداشتہ کرنے والی بات کر دی تو؟" نقیب اُسے ہر قسم کے ردِ عمل کے لیے تیار کر رہا تھا۔

"وہ ایسی نہیں ہے وہ سب کا دِل رکھ لیتی ہے میرا بھی رکھ لے گی۔" نقیب نے گہرا سانس لی اُسے سمجھانا کب آسان تھا۔ مثبت سوچ والوں کو بُرا ہونے سے کب ڈرایا جا سکتا ہے۔

"ابھی جا رہے ہو؟" نقیب نے اُسے اپنی نشست سے اٹھتا دیکھ کر پوچھا۔ "فلحال جا رہا ہوں۔"

"میں بھی جاؤں گا۔" یہ بتانے کی دیر تھی کہ نقیب برقی سے کھڑا ہو ہوا۔

"حرا پھر کہے گی کھانا کھانے آ جاتے ہو۔"

"تو میں کھانا کھانے ہی جا رہا ہوں۔ اب اُس چھٹانک بھر کی لڑکی کی باتوں کو دِل پر لوں گا تو بھوکا رہ جاؤں گا۔" نقیب دانتوں کی نمائش کرتا اُس کے ساتھ چل پڑا۔

"مجھے تو اُس دن پر افسوس ہوتا ہے جب پہلی باری میں نے تمہیں اپنے گھر کھانا کھلوایا تھا۔"

"تمہیں مجھے ایک وقت کا کھانا کھلانا بھاری لگتا ہے؟ میں سیاست کی وجہ سے حیدرآباد چھوڑ کر اپنے گھر سے الگ یہاں اکیلا نا رہ رہا ہوتا تو کبھی تُمھارے گھر سے کھانا نا کھاتا۔" نقیب نے چہرے پر مسکینیت طاری کی۔

"بات ایک وقت کے کھانے کی ہو پھر بھی ٹھیک ہے پر تم تین وقت کا کھانا کھاتے ہو۔" بے ساختہ جملہ اُس کے لبوں سے نکلا تو اُس نے زُبان دانتوں تلے دبا لی۔

"نہیں جا رہا میں تمھارے ساتھ۔۔" وہ پیر پٹختے مڑا تو مریان نے اس کا بازو تھام لیا۔

"مت جاؤ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

نقیب اُس کے انداز پر ہنس پڑا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"ویسے تمہاری اِس خاصیت کا مجھے علم نہیں تھا۔"

"کون سی خاصیت؟"

"یہی ڈرامے کرنے والی۔۔" مریان نے مسکراہٹ دبا کر اُسے گھوری سے نوازا۔

نقیب نے گاڑی روکی اور بھاگتے ہوئے اندر گیا۔

"نقیب رکو۔" مریان سست قدم اٹھاتا آ رہا تھا۔

"تم تو سست اِنسان ہو تمہارے چکروں میں بھوکا رہ جاؤں گا۔" وہ چند لمحے رک کر کہتا پھر اندر بھاگ گیا۔

"بہت ہی بھوکا ہے۔" وہ بڑ بڑاتے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔

نقیب نے سیدھا دائنگ ٹیبل کا رُخ کیا تھا۔وہ جانتا تھا اس ٹائم کھانا لگ رہا ہو گا۔

"آپ پھر کھانے کے ٹائم آ گئے." حرا ناک چڑاتے میز پر پلیٹیں لگانے لگی۔

"یہ مریان صاحب ویسے تو غریبوں کے لیے ریستوران بنا رہے ہیں پر مجھ غریب کو کھانا کھلاتے تم لوگوں کو موت پڑتی ہے۔"

"پر آپ غریب نہیں ہیں۔" حرا جتاتے والے انداز میں بولی۔

"خیر میں امیر بھی نہیں ہوں۔" اُس نے شانے اچکاتے اپنی پوری توجہ کھانے پر ثبت کی۔

"میں وہ ریستوران تمھارے حوالے کر رہا ہوں خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا۔۔" مریان نے چمچ کو پلیٹ پر بجایا یہ اُس کا کھانا مانگنے کا طریقہ تھا۔صبیحہ بیگم نے سمجھتے ہوئے کھانا اُس کی پلیٹ میں ڈالا۔

"بس پھر کسی کو کھانا نصیب نہیں ہو گا۔" حرا نے پیشگوئی کی۔

"کسی کو ہو نا ہو پر تمہیں وہاں کا کھانا نصیب نہیں ہو گا۔" اُس پر اچنپٹی نظر ڈال کر اُس نے نگاہوں کا رُخ پھیرا۔

"کیا مطلب مجھے نصیب نہ ہو میرے بھائی کا ریستوران ہو گا۔" نقیب کے چڑانے پر حرا کو پتنگے لگ گئے تھے۔

"دو دن پہلے کی بنی بہن ہو۔" وہ بھی کہاں چپ رہتا تھا۔

"اچھا بس کرو نقیب تم کیوں ساتھ بچے بن جاتے ہو۔"

صبیحہ بیگم کے کہنے پر دونوں خاموش ہو گئے۔

"دادو میرا دِل چاہتا ہے میری شادی کا کھانا آپ بنائیں۔" نقیب کے پاس فرمائش تیار تھی۔

"دادو نے جو کچھ عرصہ پہلے تھوڑا بہت بنانا شروع کیا ہے تمہاری فرمائش سننے کے بعد یہ بھی چھوڑ دینا ہے۔" مریان نے اسے نتائج سے آگاہ کیا۔

"کب ہے تمہاری شادی؟" صبیحہ بیگم نے اس کی فرمائش نظر انداز کرتے سوال کیا کیونکہ اس کی فرمائش پر عمل درآمد تو ممکن نہیں تھا۔

"اسی کا تو بتانے آیا ہوں۔"

"اچھا مجھے لگا کھانا کھانے آئے ہو۔"

صبیحہ بیگم کی بات پر حرا اور مریان نے ہنسی دبائی۔

نقیب نے دونوں کو آنکھیں دیکھائی تھیں پر صبیحہ بیگم کے سامنے کُچھ بول نہیں پایا تھا۔

"مریان تم دبئی کب تک جا رہے ہو؟"

"رات تک بتاؤں گا دبئی جانا ہے یا یہیں رہنا ہے۔" وہ پُر سکون نظر آ رہا تھا کہ کہیں یہ سکون بے سکونی میں نا تبدیل ہو جائے۔

"مریان مجھے گھر چھوڑ آؤں گے؟" نقیب نے خالی پلیٹ پیچھے ہٹاتے پوچھا۔اُس کا یہاں آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

"ظاہری بات ہے اپنی گاڑی تو تم استعمال نہیں کرتے میں لایا ہوں تو میں ہی چھوڑ آؤں گا۔"

"مجھے تُمھارے ساتھ بیٹھ کر گھومنا پسند ہے؟" کیسا اچھا بہانہ تھا اُس کے پاس۔۔

"کیوں میں تمہاری گرل فرینڈ ہوں؟" ساتھ بیٹھی حرا نے اڈتی ہنسی کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔نقیب اُسے گھورتا باہر نکلا۔

"مجھے تمہارے گھر کی ایک بات پسند ہے۔" مریان نے سر اٹھا کر ایک نظر اُس کے گھر پر دوڑائی۔

"کیونکہ یہ روحا کے گھر کے قریب ہے؟"

"نہیں کیونکہ یہ پاکستان کے واحد سمندر کے قریب ہے۔" سید نقیب شاہ اور اُس کے بیکار اندازے۔

"اچھا طریقہ ہے۔۔"

"اب کس بات کا اچھا طریقہ ہے؟" مریان اس کی بات گھوما کر کرنے والی حرکت سے بہت تنگ تھا لیکن وہ ایک بات پکڑ لیتا تھا تو اُسے کسی سبق کی طرح دہراتا تھا۔

"بات بدلنے کا اچھا طریقہ ہے۔"

"نقیب میں نے واقعی کسی دن تمہارا گلہ دبا دینا ہے۔"

"کسی کی گرفت اتنی مضبوط نہیں کہ وہ سید نقیب شاہ کا گلہ دبا سکے۔" وہ مریان کے الفاظ دہراتا اُس سے دور جا کر کھڑا ہوا وہ دوبارہ اس کے ہاتھوں اپنا گلہ دبوانے والا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ دور کھڑے ہونے کی وجہ سے قدرے اونچی آواز میں بولا تھا۔

"اب تو اتنا دور کھڑے ہو یہاں سے تمہارا گلہ نہیں دبا سکتا ڈرو نہیں۔" مریان اس کی بات مزاح میں لے گیا تھا۔

"مجھے تمہارے لیے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کس بات کا ڈر؟"

"کہیں تم دلبرداشتہ ہو کر نا لوٹو۔" اُس کے لیے فکر مندی چہرے سے عیاں تھی۔

"ہوا بھی تو آ کر سارا غُصہ تم پر نکالوں گا۔" وہ بڑبڑایا تھا مگر اُس کی بڑبڑاہٹ دور کھڑے مریان تک نہیں پہنچی تھی۔اُس نے رُخ اپنے گھر کی جانب چل دیا اُسے جاتا دیکھ کر مریان بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔نقیب نے ایک بار مڑ کر اُسے گاڑی میں بیٹھتا دیکھا تھا۔

مریان نے ابتسام ولا کے سامنے گاڑی روکی اور ایک طائرانہ نظر اُس عالیشان عمارت پر ڈالی۔

پہلی بار روحا سے ملنے کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوما وہ دانتوں میں اُنگلی دبائے سیاہ آنکھوں اور سُرخ اٹھی ہوئی ناک کو مزید اوپر کیے اُسے دیکھ رہی تھی۔ مریان سر جھٹکتے آگے بڑھا۔

آج دروازے کے پار گارڈ بھی کھڑا تھا جس نے اُسے دیکھتے دروازہ کھول دیا تھا۔شاید وہ اُسے جانتا تھا۔

ابتسام آفندی کی گاڑی آج بھی پورچ میں کھڑی تھی جو اُن کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔

وہ مرے مرے قدموں سے چل رہا تھا۔ذہن خدشوں کی زد میں تھا۔

"روحا تم مجھ سے ڈھنگ سے بات کیوں نہیں کرتی؟"

ابتسام آفندی کی آواز میں اُس نے شاید پہلی بار اصلی ملائمت محسوس کی تھی۔یہ وہ بناوٹی نرم لہجہ نہیں تھا جو وہ کسی سے اپنا کام نکلوانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" روحا کی روٹھی سی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جو بھڑاس ہے نکال لو تمہاری رنجش تو دور ہو جائے گی۔"

"بابا مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے بس کچھ اختلافات ہیں جو ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں۔" اب کی بار اس کے لہجے میں نرمی آئی تھی۔

"اب کی بار کون سی رنجش ہے جو تم نے مجھ سے ڈھنگ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"آپ کو مجھے مریان والے معاملے کے بارے میں لا علم نہیں رکھنا چاہیے تھا اور آپ کو پیسے کی ایسی ہوس نہیں دیکھانی چاہیے تھی کہ لوگ آپ کی بیٹی کو پیسوں کے بل پر خریدنے کا سوچنے لگیں۔لوگ پیسے کی وجہ سے اتنے اندھے کیوں ہو جاتے ہیں کہ اُسے کسی کے احساسات نظر نہیں آتے۔مجھے لگتا

ہے عورتوں کے معاملے میں رواج نہیں بدلے بس نئی نسل نے رواجوں کے نام بدل دیئے ہیں۔پہلے لڑکیاں انتقام کے بدلے میں ونی کر دی جاتی تھیں اور اب ڈوبتے بزنس اور بات کی شہرت کے لیے قربان کر دی جاتی ہیں۔یہ اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ سب کچھ اپنے پیسے اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔یہ خود پر نہیں بلکہ پیسے پر یقین رکھنے والے ہوتے ہیں۔یہ سمجھتے ہیں پیسے سے جذبات، احساسات اور محبت ہر چیز کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔" ابتسام آفندی نے اُسے بھڑاس نکالنے کی دعوت دی تھی اور وہ بھڑاس نکالنے کو تیار کھڑی تھی۔ابتسام آفندی ہونکوں کی طرح اُسے دیکھ رہے تھے۔

مریان کو لگا تھا کانوں میں کسی نے پگھلا سیسہ انڈھیل دیا ہو۔وہ اُسے بچانے آئی تھی تو وہ کتنا خوش فہم ہوا تھا اور خوش فہمی نے اِس بار بھی دِل پر ایسا تھپڑ جڑا تھا کہ وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔بعض اوقات ہمارے ذہن میں آئی ایک بری سوچ بھی چھپی نہیں رہتی اُس کے بل بوتے پر بھی آپکا تماشا لگ کر رہ جاتا ہے۔وہ ذات آپکے راز نا رکھے تو کیسے سب کے سامنے آپ رسوا ہو جاتے ہیں نظریں اُٹھا کر کسی سے ملانا محال لگتا ہے۔کُچھ لوگوں کی چھوٹی غلطیاں بھی پکڑ لی جاتی ہیں اور اُنہیں اُن کی بڑی سزائیں ملتی ہیں تا کہ وہ اگلی بار چھوٹی غلطی کرنے سے بھی گریز کریں۔اللہ تعالیٰ بس ایک بار ہی تو سوچا تھا اُس نے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جائے گا پھر تو اس نے قسمت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔اُس کی خوشیوں کے بیچ کوئی رکاوٹ حائل نا اس لیے اس کی زندگی سے نکل گیا تھا اب بھی تو وہ صرف اپنے جذبات بتانے آیا تھا اُسے خود کے سپرد کہنے کے لیے کب آیا تھا۔کوئی زور زبردستی کرنے کب آیا تھا وہ تو اپنے دِل کے زور دیئے جانے پر آیا کھڑا تھا۔

مریان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ اُس کی خوش قسمتی تھی یا بد قسمتی کے اُس نے سب سن لیا تھا یہ اُس کے لیے خود میں جھانکنے کا ایک اور ذریعہ تھا۔اُسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ اُس نے جو سوچا تھا غلط سوچا تھا۔

روحا سادام شاہ میں تمہیں اتنا ناپسند کیوں ہوں؟ مجھ میں ایسی بھی کیا برائی ہے؟ ایک غلط سوچ کے علاوہ میں نے ہمیشہ تُمھارے ساتھ بھلائی ہی کی ہے۔" وہ کہنا چاہتا تھا پر نہیں کہہ پایا تھا۔روحا کے تلخ الفاظ اُس کی زبان گنگ کر دی تھی۔اس کے ہونٹوں پر خموشی نے پہرے لگا دیئے تھے۔

روحا کسی کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے تھی اور مریان کی موجودگی پر چونک کر رہ گئ تھی۔

"مریان تم یہاں۔۔؟" وہ بت بنے سامنے بولتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔بے یقینی ہی بے یقینی تھی وہ اُسے سامنے پا کر شرمندہ بھی نہیں ہوئی تھی۔وہ اُسے جواب دینا چاہتا تھا مگر الفاظ کی ادائیگی اُسے اس وقت سب سے دشوار کام لگ رہا تھا۔وہ قدم پیچھے کی جانب بڑھانے لگا تھا اب آگے کیسے بڑھتا۔روحا کا دِل چاہ رہا تھا کہ ہاتھ تھام کر اُسے روک لے مگر وہ مزید دور ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا وہ اس کی دسترس سے باہر ہو رہا ہے۔ایک بار ہاتھ سے گرائی ریت بھی بھلا دوبارہ ہاتھ میں آتی ہے۔

وہ اُسے تو یہ سب سنانا نہیں چاہتی تھی مگر وہ سن چکا تھا۔وہ یہ سب اُسے کب کہہ رہی تھی مگر مریان کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا وہ غلط سمجھ رہا تھا۔وہ اس کی ساری کہی باتیں خود پر لے گیا تھا۔وہ وضاحت دینا چاہتی تھی مگر نہیں دے پا رہی تھی۔اُسے اُس وقت لگ رہا تھا وہ مریان کو پکارے گی مگر وہ نہیں سنے گا اور اس نے روحا کے پکارنے پر بھی نہیں سنا تھا وہ نہیں رکا تھا۔

اُسے خود حیرت ہوئی تھی وہ کیوں اپنے قدم نہیں روک سکا تھا جب پہلی بار آیا تھا تب تو اس کے پکارنے پر فوراً رک گیا تھا۔

وہ باہر جا رہا تھا جب آذر گھر میں داخل ہوا۔

شرمندگی کے احساس سے روحا کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ آذر نے آنسوؤں موتیوں کی طرح چہرے سے لڑھک کر گرتے دیکھتے پھر مریان کی پُشت کی جانب دیکھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے سوچنے لگا تھا کہ وہ اُن کے لیے کیا کر سکتا ہے۔ اُس کے بس میں اُنہیں ملوانا ہے یا قسمت بچھڑ جانے کے فیصلے کر چکی تھی؟

وہ قسمت پر یقین رکھنے والا تھا پر اُن کے لیے کُچھ کرنا بھی چاہتا تھا۔ وہ سخت دِل نہیں تھا کہ دوسروں کے لیے تکلیف کا سبب بنتا۔

مگر ہاتھ میں آئی چیز کون گنواتا ہے اور محبت تو کوئی بھی نہیں گنواتا۔ مگر قسمت پر یقین رکھنے والے قسمت پر یقین کر کے سب داؤ پر لگا دیتے ہیں وہ بھی لگانے والا تھا۔

”میں نے وہ سب اسے نہیں کہنا تھا۔“ روحا آنسوؤں کے بیچ بے بسی سے بولی۔ آذر نے گہرا سانس لیا تھا اور آگے بڑھ کر اِس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

”تمہیں اُس کے پیچھے جانا چاہیے۔“

”لیکن میں۔۔“

”اگر اُس نے اپنے ساتھ کُچھ کر لیا تو تم ہی نہیں میں بھی خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔“ اس نے بات کاٹتے سمجھایا۔

”میں نہیں جا سکتی۔
”تم ساری زندگی دِل سے یہ بوجھ نہیں اُتار پاؤ گی۔“
”اُس نے کوئی اور مطلب نکال لیا تو؟“
”کیا سمجھے گا کہ تم اُس سے محبت کرتی ہو تو کیا نہیں کرتی؟“ روحا نے نفی میں سر ہلایا۔آذر ہولے سے مسکایا۔کتنا قرار آتا ہے جب سامنے والا آپکا من پسند جواب دیتا ہے۔
”پھر کس سے کرتی ہو؟“ اُس نے چاہا تھا اس کی چاہت اُس کا نام لے۔وہ آج اقرار کر دے۔
”آذر جذبات کی شدت ایک اِنسان تک رہے تو بہتر ہے ورنہ کسی کے سامنے بھی آپکے جذبات کی کوئی قدر نہیں رہے گی۔میں نے مریان کے بارے میں اس نقطے پر کبھی نہیں سوچا مگر تم سے منسوب ہونے کے بعد میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔میں نے جذبات کی شدت تُمھارے لیے محسوس کی ہے۔عزت دار لڑکیاں جن سے منسوب ہوتی ہیں اُنہیں کے بارے میں سوچتی ہیں۔“
”پھر یہ آنسووں؟“
آذر نے اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسووں کی جانب اشارہ کیا۔
”یہ ملال کہ ہیں اُسے غلط کہنے کی وجہ سے ہیں۔میں جانتی ہوں وہ اچھا انسان ہے میں دِل سے اس کی قدر کرتی ہوں مگر دِل میں جگہ دینا آسان نہیں ہوتا جب جگہ پہلے سے پُر ہو۔کسی ایک شخص کے جذبات کے روند کر دوسرے کے جذبات کی قدر ممکن نہیں ہے جبکہ آپ کو اُس میں کبھی کوئی برائی نظر نا آئی ہو۔یک طرفہ محبت کی قدر کر سکتی ہوں مگر اب یہ دِل نہیں پلٹ سکتی۔دُنیا پلٹنا شدید آسان ہو مگر کسی کا دِل پلٹنا بہت مشکل ہے۔میں اس کے بارے میں سوچ بھی لیتی شاید اُس کی محبت

میرے دل میں تمہاری محبت سے پہلے جگہ بنا بھی لیتی مگر اُس نے غلطی کر دی۔اُس نے مجھے حاصل کرنے کا غلط طریقہ اختیار کیا۔وہ اگر تمہاری طرح میرے سامنے اپنی محبت کھول دیتا تو شاید میں اُسے چن لیتی۔مگر اب صرف ملال کر سکتی ہوں اُسے چھوڑ دینے کا بے قصور کو سزا دینے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔"

پاس کھڑے ابتسام آفندی نم آنکھوں کے ساتھ روحا کی جانب دیکھ رہے تھے وہ اُن کی سوچ سے بھی زیادہ سمجھدار نکلی تھی۔

"یہ پلٹتا نہیں ہے مگر تڑپتا بہت ہے سوچ لو کس طرف زیادہ تڑپے گا۔" وہ اپنے دل پر انگلی رکھے کھڑا تھا۔

"تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

"بہت محبت کرتا ہوں اور عشق بھی کر سکتا ہوں چاہ ہے مگر طلب اتنی نہیں کہ کسی کی تکلیف کا سبب بنوں۔"

"آذر یہ عشق نہیں محبت ہی ہے محبت نا ملے پھر بھی دلوں میں زندہ رہتی ہی ہے پا لینا سب نہیں ہوتا۔یہ زندگی ہمیشہ اُس کا ہاتھ کب آپ کے ہاتھ میں تھماتی ہے جس کا آپ چاہ رہے ہوتے ہیں۔یہ زندگی سب کے ساتھ منصف نہیں ہے۔یہ کسی کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتی اور تب تو بالکل بھی نہیں جب یہ دو لوگوں کی محبت کے درمیان فیصلہ کر رہی ہو۔کسی ایک نے تو خالی ہاتھ رہنا ہی ہوتا ہے۔"

”پھر وہ میں ہی کیوں نا ہوں۔“ آذر نے اُس کا ہاتھ تھاما تھا اور اُسے باہر لے جا کر گاڑی ہے سامنے کھڑا کر کے چھوڑ دیا تھا۔

”ایک بار اُس کے پاس چلی جاؤ۔اُس کی بات سن آؤ۔“

وہ مڑنے لگا تو روحا نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اب اپنی آنکھوں سے میرا فیصلہ نہیں دیکھو گے؟“

”میں نے کبھی تمہیں کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور نہیں کیا مگر تم ہمیشہ درست فیصلے کرتی ہو اب بھی مجھے تم پر یقین ہے تم سب ٹھیک کر دو گی۔“

روحا نم آنکھوں سے مسکرائی تھی وہ اُسے سب سے زیادہ مان دیتا تھا سب سے زیادہ اُس پر اعتماد کرتا تھا وہ کیسے اُس کے ساتھ نا انصافی کر سکتی تھی۔اُسے سامنے کھڑا شخص چٹان کی مانند لگ رہا تھا جس کی آنکھوں میں نا محبت کے دور جانے کا خوف تھا نا فیصلہ اپنے منافی آنے کا ڈر تھا۔

وہ گاڑی فل سپیڈ سے چلا رہا تھا۔روحا کا تیکھا لہجہ اس کے ذہن میں جھماکے سے در آیا تھا۔اُس کے الفاظ سماعتوں سے ٹکرا رہے تھے۔

”وہ مجھے اتنا غلط کیسے سمجھ سکتی ہے۔میں نے تو بس سوچا تھا کیا تو کُچھ بھی نہیں تھا۔میں تو پیچھے ہٹ گیا تھا میں بھلا اُسے کیسے خرید سکتا ہوں بھلا زندگی کون خرید سکتا ہے۔“ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نکل کر رخسار پر ڈھلک گئے۔

"پیچھے ہٹے تھے تو اب تمہیں کیا چاہیے۔اُس کے چند محبت بھرے الفاظ۔۔؟ مگر محبوب کے تو درشتگی سے کہے الفاظ بھی خوبصورت لگتے ہیں۔" کہیں اندر سے آواز آئی تھی۔

"مریان یہ کس بات کی بے چینی ہے جو تمہیں سکون نہیں لینے دے رہی؟" وہ خود سے جواب طلب تھا۔

"چھوڑ جاؤ اب بھی پیچھے ہٹ جاؤ مگر بھلا روح اور زندگی کے بغیر کوئی رہ سکتا ہے؟ مگر زبردستی سے بھی تو زندگی کو بھی ساتھ نہیں باندھا جا سکتا۔" کہیں اندر سے جواب آیا تھا۔اُس نے ہارن پر زور سے ہاتھ مارا۔ساتھ والی گاڑی میں بیٹھے شخص نے اس کی جانب دیکھا اور مسکرایا شاید وہ اُسے جانتا تھا مگر وہ ہر چیز سے بیگانہ بیٹھا تھا۔

~~~~

وہ ساحل پر بیٹھا ریت مُٹھی میں جکڑے رکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ریت ہاتھ سے گرتی ہوا میں مل کر اُڑ جاتی تھی۔

"مریان لکھانی ریت سا ہے تبھی سب کے ہاتھوں سے گر کر کہیں دور جا پہنچتا ہے۔"

وہ افسردہ لہجے میں بول رہا تھا۔اس کا دل اس وقت چرک رہا تھا اور آنکھیں درد سے چیخ اٹھی تھیں۔
وہ اپنی سوچ میں مستغرق قدم بڑھائے مزید لہروں کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بڑی تیزی کے ساتھ ہمک ہمک کر اس کے رخساروں کو دھو رہے۔
~~~~

کسی کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔
اُس نے پانی پر سر جھکایا تھا وہ اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ناکام رہا تھا۔
اُسے اپنے پیچھے کسی کے کھڑا ہونے کا احساس ہوا تھا۔
وہ مڑا تھا مگر پلٹ کر پیچھے کھڑے شخص کو دیکھ نہیں پایا تھ اُس نے دھکا دیا تھا۔مریان اپنا توازن قائم نہیں رکھ پایا تھا اُس کا وجود اُنہیں لہروں کی نذر ہوا تھا وہ خود کو گہرائی میں جانے سے روک رہا تھا مگر وہ تیرنا نہیں جانتا تھا وہ ڈوب کر اُبھرنے کا شوقین پانی میں ڈوب رہا تھا۔
روحا کو اُس منظر نے منجمد کر دیا تھا۔وہ اُس کی گاڑی کی پیروی کرتے وہاں تک پُہنچے تھے۔
لوگوں نے مدد کے لیے شور مچانا شروع کر دیا تھا کہرام برپا ہو چُکا تھا۔روحا کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا معلوم ہو رہا تھا مگر آذر کا دماغ پوری رفتار سے چل رہا تھا وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔اُس شخص کو فوراً دھر لیا گیا تھا۔
”تم سے تو میں بعد میں سب اُگلواؤں گا۔“ آذر نے اُس کا گریباں پکڑا۔مگر اُس کے چہرے پر ہنوز مسکراہٹ تھی۔
”تم کیا سمجھتے ہو کہ تُمہیں کوئی بچا لے گا؟ جس کے کہنے پر آئے ہو نہ آذر آفندی کو اُن کی نسلوں تک یاد رکھیں گی کہ کس شخص سے پالا پڑا ہے اور تُم کیا چیز ہو چند ہزاروں پر بکنے والے دوسروں کی موت کو اپنے ہاتھ لینے والے اُس زِندگی اور موت کے فیصلے کرنے والے کو تو تم بعد میں جواب دہ ہو گے مگر تُمہیں اِس دُنیا کے کٹہروں میں بغیر سزا کے کہیں نکلنے نہیں دوں گا۔“ آذر کی باتوں سے اُس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈی ایچ اے سیکیورٹی اور امدادی عملہ وہاں پُہنچ چکا تھا اُسے تلاش کرنے کے لئے آپریشن شروع کر دیا گیا تھا غوطہ خوروں کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی وہ ابھی بھی پانی کی اوپری سطح پر رہنے کے لئے لگاتار جدوجھد کر رہا تھا۔

اُس کا صرف ہاتھ پانی کے باہر نظر آ رہا تھا وہ ڈوب رہا تھا اُس نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی ہوئی تھی اور اُنگلی کے عین اوپر سورج چمک رہا تھا اور اس کی کرنیں مریان کی شہادت کی انگلی پر پڑ رہی تھیں۔

(I'm not drowned, I'm dropped)

روحا نے وہ منظر دیکھ کر کتاب کا نام زیرِ لب دہرایا۔

"جن کی قسمت میں ڈوب جانا ہو اُنہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔"

"اُس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اُسے تیرنا نہیں آتا۔

تیرنا تو مجھے بھی نہیں آتا۔"

"تمہیں سیکھ لینا چاہیے۔"

"مجھے ڈوب جانے کا خوف نہیں ہے۔سورج جتنی مرضی آب و تاب سے چمکے اُسے ڈوب ہی جانا ہوتا ہے اور اُس کے بعد نئ صبح ہونی ہوتی ہے جس نے بہت سے لوگوں کو بیدار کرنا ہوتا ہے اُن میں زندگی کے رنگ بکھیرنے ہوتے ہیں۔" الفاظ اُس کی سماعتوں میں گونجنے لگے تھے۔

گندلا پانی ہونے کی وجہ سے وہ سانس روکے خود کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا مگر سانس اُکھڑ رہا تھا پانی منھ کے اندر جانے لگا تھا۔

"یا اللہ تیرا اتنا بُرا بندہ تو نہیں کہ ایسی درد ناک موت نصیب ہو۔" اُس نے پوری شدت سے اپنے رب کو پُکارا تھا الفاظ نہیں ادا ہوئے تھے مگر دِل سے کہے گئے الفاظ وہ زیادہ جلدی سُنتا ہے۔

اگلے لمحے اُسے اپنا آپ ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا اُسے ہوش کھونے سے پہلے جو احساس ہوا تھا کسی نے اُسے کھینچ کر پانی کی سطح سے باہر نکالا تھا اور وہ سانس لے سکا تھا سکون کا احساس تھا تشکّر کا احساس تھا مگر وہ اس رب کا شکر ادا کرنے کی حالت میں بھی نہیں تھا۔

"میں اِس کی اِس حالت کی قصور وار ہوں۔" وہ ریت پر بیٹھی اُس ریت سے اِنسان کے لئے آہ و پکار کر رہی تھی۔

"یہ اُس کی قسمت میں تھا تمھارا اِس میں کوئی قصور نہیں تُم قصور وار نہیں ہو۔آذر نے ہولے سے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جھوٹی تسلیاں ہیں۔" روحا نے اُس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"وہ زندہ ہے جلد ٹھیک ہو جائے گا اُسے چند منٹوں میں موقع پر بچا لیا گیا ہے اُس کی قسمت اچھی ہے۔" روحا نے سُرخ آنکھیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اور اُس کی جانب دوڑی۔غوطہ خور اُسے باہر لایا تھا ایمبولنس میں اُسے امدادی کروائی دی گئی اُسے تشویشناک حالت میں ہسپتال منتقل کیا تھا۔

وہ ہسپتال میں داخل ہونے لگے تو آذر نے سر اٹھا کر ہسپتال کا نام پڑھا تھا۔

"ایم ایل ہاسپٹل۔۔" اس کے سینے سے ایک درد انگیز آہ نکلی۔وہ ہسپتال کے افتتاح سے پہلے اُس ہسپتال میں آیا بھی تھا تو کیسے۔۔اُس نے اسٹریچر پر لیٹے شخص کو دیکھا جس کا منہ کھلا تھا اُسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔جو نہیں جانتا تھا زندگی اُس کے حصے میں آئے گی یا نہیں اُس کی سانسوں کو مہلت ملے گی یا بھی نہیں۔پر وہ گارنٹی سے کہہ سکتا تھا کہ یہ ہسپتال لاکھوں لوگوں کی زندگی کا سبب بننے والا تھا۔اسٹریچر کو برق سے دھکیل کر لے جا رہے تھے۔وہ کھڑا ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا اُس کا دِل جیسے نہال ہو گیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر نے آکر اطلاع دی تھی کہ مریض اُن سے بات کرنا چاہتا ہے۔روحا نے اپنی قیزل آنکھیں اُٹھا کر ڈاکٹر کی جانب دیکھا تھا آنکھوں میں اُمید اتری تھی۔

"تم چلی جاؤ میں کسی طرح اُس کے گھر والوں کو مطلع کرتا ہوں۔"

"میرے پاس نقیب کا نمبر ہے تم اُسے بتا دو وہ اُس کے گھر بتا دے گا۔" روحا اپنا موبائل اُسے تھماتے خود ڈاکٹر کے پیچھے چل دی۔

وہ زرد رنگت لیے آنکھیں موندے سفید کپڑے تلے منہ پر آکسیجن ماسک لگائے لیٹا تھا۔روحا کا اس کی حالت دیکھ کر دل کٹا۔وہ اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

"مریان۔۔" اُس کے پکارنے پر مریان نے دھیرے سے آنکھیں کھولی۔اُس نے اُسے دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر آکسیجن ماسک اُتار دیا تھا۔وہ کچھ بولنا چاہ رہا تھا۔ڈاکٹر نے روکنا چاہا تھا پھر اُس کی بولنے کی جہت دیکھ کر ٹھہر گیا۔

"پتہ ہے یہ زِندگی بہت بے مول چیز ہے اِس کی کوئی قیمت نہیں اسے خریدا نہیں جا سکتا کسی کے لیے اتنی معمولی چیز ہے کہ وہ چند لمحے سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتا اور اپنے ہاتھوں سے اسے ختم کر لیتا ہے کسی کے لئے اتنی اہم ہے کہ وہ پیسہ پانی کی طرح بہاتا ہے مگر کسی کی رکی ہوئی سانسیں بحال نہیں کروا سکتا۔اگر اِس کا کوئی مول ہوتا تو شاید اس کی خرید و فروخت ہو جاتی مگر یہ بے مول ہے پھر روحا تُم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اپنی زندگی خریدوں گا؟"

اُس کی مدھم آواز با مُشکل روحا سن پائی۔

روحا کو اپنی سماعت اُس پر مرکوز کرنے کے بعد بھی با مُشکل سنائی دیا تھا۔

مریان نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما تھا گرفت بہت ڈھیلی تھی مگر اِس بار اُس نے ہاتھ نہیں چھڑوایا تھا ربط اور شناسائی کا تعلق جڑا تھا مگر کیا ہر بار ربط اور شناسائی کے تعلق کے بعد ہمراہی ہی نصیب ہوتی ہے؟" نہیں بعض اوقات جدائی بھی آڑے آ جاتی ہے نا ختم ہونے والی جدائی۔۔

مریان نے اس کا ہاتھ اپنی نم آنکھوں پر رکھا تھا اور روحا کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی تھی سکتہ چھا گیا تھا گہرا اور لمبا سکتہ۔۔۔"

اُس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں مگر روحا ہاتھ ہٹانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔کتنی ہی دیر وہ اس حالت میں بیٹھی رہی تھی۔ڈاکٹر احسن کے قدم بھی اپنی جگہ منجمد رہ گئے تھے۔

آذر اندر داخل ہوا اور کمرے میں موجود خاموشی پر ٹھٹھکا۔وہ روحا کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔وہ بری طرح رو رہی تھی۔ آذر چند منٹ اُسے اِس حالت میں دیکھتا رہا پھر اُس کا ہاتھ مریان کی آنکھوں سے ہٹایا اُس کی آنکھیں بند تھیں اُس نے ڈاکٹر احسن کو ہلایا تھا جو بت بنے کھڑا تھا۔

وہ حواس میں آتے روحا کو جانے کا کہہ رہے تھے مگر وہ ہل بھی نہیں رہی تھی۔

"روحا ڈاکٹر باہر جانے کا کہہ رہے ہیں۔"

"زندگی بے مول ہے۔رکی سانسیں کوئی بحال نہیں کروا سکتا زِندگی کا کوئی مول نہیں ورنہ سب اِس کی خرید و فروخت کرنے لگ پڑیں۔" اُس کی آواز کنویں سے آتی معلوم ہوئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے ایسے کیسے کوئی منٹوں میں مر سکتا ابھی تو وہ بول رہا تھا وہ زندہ ہے" آذر اُس پر چلایا تھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے تک لایا تھا۔

"ہاں وہ یہاں زندہ ہے۔" اُس نے دِل پر ہاتھ رکھا تھا۔

"سب باہر چلے جائیں آخری کوشش ہم ضرور کرتے ہیں۔" ڈاکٹر تحمل سے کہتا مریان کے قریب پہنچا تھا۔

آذر نے بے یقینی سے روحا کی جانب دیکھ رہا تھا پھر تھوڑی دیر پہلے آئیں باہر کُرسی پر بیٹھی صبیحہ بیگم اور حرا پر نظر پڑی وہ کُچھ نہیں بول پایا اُن کے گرتے آنسوؤں نے اُس کے جسم کو شل کر دیا تھا وہ کسی قسم کی حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔

"آذر آفندی آج سے مریان لکھانی کی ساری زمہ داریاں اپنے زمہ لیتا ہے۔" اُس نے بڑبڑاہٹ کی۔

”مریان تھے نہ پھر کیوں نہیں کسی کو ملے نام کا مطلب ملنا اور تُم بچھڑ گئے؟“ وہ آنکھوں پر ہتھیلیاں جمائے چلائی تھی مگر اب سماعتیں کُچھ بھی سننیں سے قاصر تھیں وہ اپنی زندگی کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔

”روحا چلو۔“ آذر اُسے کھینچ کے باہر لایا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک نظر اُس ساکت پڑے وجود پر ڈالی اُس کا دِل ڈوبا تھا وہ کیسے اُسے مردہ کہہ سکتا تھا وہ تو اُس کا مسیحا تھا۔

”آنٹی آپ ٹھیک ہیں؟“ آذر ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑتے بت بنے بیٹھی صبیحہ بیگم کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

”ٹھیک ہوں بہت مضبوط ہوں جوان بیٹے کی موت نے مضبوط کر دیا تھا جوان پوتے کی موت شاید پتھر کر دے۔“ سپاٹ لہجے میں جواب آیا۔

”پھر یہ آنسو؟“

”ایسے حالات میں خود با خود آنکھوں سے چھلکنے لگتے ہیں۔“ اُن کا لہجہ سرد تھا اندر پڑے شخص کے وجود جیسا سرد۔۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر باہر آیا تھا۔ آذر نے پُر اُمید نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔ اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

”آپ کو تھوڑی دیر میں ڈیڈ باڈی مل جائے گی۔“

وہ صوفے پر ڈھ گیا تھا بے یقینی تھی وہ مریان لکھانی کے لئے مردہ لفظ کیسے سن رہا تھا۔

اُسے وہاں بیٹھے لوگوں کو سنبھالنا مُشکل لگ رہا تھا مگر خلافِ توقع کوئی نہیں رویا تھا سب بت بنے بیٹھے تھے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" روحا نے ماحول میں موجود سکتہ توڑا۔

"لیکن یہاں پر۔۔"

"میرا سر پھٹ جائے گا آذر مُجھے یہاں سے لے جاؤ اُس کی باتیں مُجھے ہر طرف سنائی دے رہی ہیں آذر مُجھے لے جاؤ۔۔" وہ ہاتھ باندھے اُس سے التجا کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں زیام کو آنے کا کہتا ہوں۔ مگر اُس کی باتوں سے جان چھڑانا اب ممکن نہیں تھا۔"

ہم نے ذرہ ذرہ کر کے گنوا دیا

اُسے ریت کی مانند

آذر جانے لگا تو ڈاکٹر نے اسے بلایا۔اُس نے اپنے لرزش زدہ قدم اُن کی جانب بڑھائے۔ڈاکٹر اسے سائیڈ پر لے گیا تھا وہ بول رہا تھا اور آذر فریفتہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔نقیب اُن کے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا وہ کب آیا تھا حیرت میں ڈوبے آذر کو پتہ ہی نہیں چل پایا تھا۔اُسے بس تب احساس ہوا جب اُس نے اپنا ہاتھ اُس کے مضبوط ہاتھوں پر رکھا اُسے لگا تھا کسی نے منوں کا وزن اُس کے کندھوں پر لاد دیا تھا۔ڈاکٹر کہتے کہتے رکا۔ایک نظر فاصلے پر کھڑی روحا پر ڈالی جو یقیناً اُن کی گفتگو نہیں سن سکتی

تھی۔ "اُنہیں بھی مت بتائیے گا۔" اُس نے روحا جانب اشارہ کیا جو غیر حاضر دماغی سے اُن کی جانب دیکھ رہی تھی۔ آذر نے بامشکل سر کو جنبش دی۔

اُس نے آنسوؤں پونچھے تھے۔ یہ وقت رونے کا نہیں تھا۔ اُسے ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔ ایک لمبی جدوجہد اُس کی منتظر تھی۔ اُس نے وہاں جانے سے پہلے نقیب نے گلے لگا کر شکریہ اُس کا ادا کیا تھا۔ وہ کم فہمی سے اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ اُس نے نقیب کی خشک و سنجیدہ آنکھوں میں جھانکا۔ وہ لوگ کتنے بہادر تھے وہ اتنے بہادر کیوں تھے؟؟ کیونکہ وہ مریان لکھانی کے عزیز تھے وہ اُس کی طرح خوف زدہ نہیں ہوتے۔ حق کی خاطر لڑتے تھے اور ہار جانے پر صبر کرتے تھے۔

تین سال بعد:

"مجھے اب ساحلوں سے خوف آتا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں سر جھکائے بولی۔ زیام نے چہرہ اُس کی طرف موڑا اُسے وہ سوچوں میں اُلجھی لگی تھی۔

"وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا وقت ہماری بہت سی یادیں خود میں جذب کیے آگے بڑھ جاتا ہے اور ہمیں بھی ساتھ آگے بڑھنے کا موقع دیتا ہے۔" زیام نے اُس کی جانب دیکھتے ملائمت سے کہا۔

”وقت کی بازی بہت خطرناک ہے ہم اِس کی بازی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں اور یہ اتنی دیر میں نئی چال چل دیتا ہے یہ رفتار میں ہم سے تیز ہے ہم سے آگے چلتا ہے ہم اِس سے آگے نہیں چل سکتے مگر یہ ہمیں بھی رکنے نہیں دیتا خود بھی چلتا ہے اور ہمیں بھی سفر میں رکھتا ہے اِس سفر میں ہم تھک سکتے ہیں مگر تب تک ہار نہیں مان سکتے جب تک وقت مات نہ کھا جائے اسے صرف ایک چیز ہرا سکتی ہے اور وہ ہے موت اِنسان کے لئے وقت تھم جاتا ہے اُس کا سفر اختتام پزیر ہو جاتا ہے۔“

اُس کے آخری الفاظ نے زیام کو بھی خاموش کروا دیا تھا وہ مزید نہیں بول پایا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے سب معمول پر آ جائے گا؟“

علیحہ نے نگاہیں اپنے پاؤں سے ہٹا کر اُس کی جانب مرکوز کیں جو سر جھکائے چل رہا تھا اُس کی نظریں بھی اپنے اٹھتے قدموں پر جمی تھیں وہ دونوں اکثر ایک سے کام کرتے تھے اُسے زیام کی ایک سی شخصیت کے لوگوں کی ساتھ رہنے والی بات اب بری نہیں لگتی تھی ہمسفر کو آپ کے معاملات میں آپ سے اتفاق ہو آپ کو اچھا لگتا ہے آپ بحث مباحثوں اور لڑائیوں سے بچ جاتے ہیں آپ میں رنجشیں نہیں بڑھتیں۔جو بھی کہہ لیا جائے مگر تلخ کلامی کے بعد ہم دوبارہ پہلے سے نہیں ہوتے کہیں نہ کہیں وہ الفاظ یاد آنے پر چبھتے ہیں۔الفاظ کے زہر کا اثر زائل کرنا آسان نہیں۔

”زیام سوچنے لگی؟“ زیام نے اُسے کسی سوچ میں محو پوچھا۔

"اچھے لوگ کب بھولتے ہیں اُس نے آج تک کُچھ معمول پر نہیں آنے دیا وہ آج بھی یاد آنے پر زندگی میں ہل چل مچا دیتا ہے سوچیں مفلوج کر دیتا ہے۔وہ مریان لکھانی ہے جِس کی زندگی میں آیا اُس کی کہانی میں ایسا پنہ بن گیا جسے وہ چاہ کر بھی نہیں پلٹ سکتے۔"

اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے۔جتنی بھلائیاں اُس کے ساتھ مریان نے کی تھیں وہ اسے کبھی بھلا نہیں سکتی تھی کبھی نہیں۔۔۔

"سب سے زیادہ اچھائیاں مرنے والے کی یاد کیوں رکھی جاتی ہیں؟ زندہ لوگ قابلِ ستائش نہیں ہوتے؟

ہم زندہ کی برائیاں اور مردہ کی اچھائیاں ڈھونڈھنے میں ماہر ہیں۔"

وہ ہاتھ تھامے چل رہے تھے پاؤں ساحل کی ریت میں دھنس رہے تھے وہ نہ جانے کس خیال کے تحت جھکا تھا اور ریت اُٹھا کر مُٹھی میں جکڑی تھی مگر گیلی ریت ہتھیلی سے پھسل کر نیچے نہیں گری تھی۔

پھیکی مسکان لئے اُس نے ہتھیلی سے ریت گرا دی تھی۔

"بابا۔"

مانی نے پیچھے سے پُکارا تھا۔

"کیا ہوا مانی؟"

"بابا آپ مُجھے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔"

"مریان کو آگے رہنے کی چاہ نہیں تھی۔" زیام لا پرواہی سے کہا۔

"لیکن میں تو پیچھے گم ہو جاتا۔" وہ بروٹھے سے بولا۔
"ایک کو گم کر چکے ہیں تُمہیں کہیں گُم نہیں ہونے دیں گے۔"
زیام نے اُسے اُٹھا کر اپنے کندھوں پر بیٹھا لیا تھا۔
مانی نے قہقہہ لگایا تھا اُسے اپنے باپ کے کاندھے پر بیٹھنا پسند تھا۔
علیحہ نے مسکراہٹ کے ساتھ اپنے پاس آنے والی نعمت پر پیار بھری نظر ڈالی۔
وہ ابھی خاموش تھا تو اُس پر پیار لوٹایا جا سکتا تھا ورنہ بولنے لگتا تو اپنے ماں باپ کا موڈ وہ منٹوں میں خراب کرتا تھا۔

"تُمھارے بابا کہاں گئے ہیں؟" علیحہ تہہ شدہ کپڑے بازوں پر لٹکائے کمرے میں جانے لگی تھی کہ اُسے ٹی وی کے سامنے بیٹھا دیکھ کر اُس کے پاس چلی آئی تھی۔
"مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟" بے پروائی سے جواب آیا۔
"بتا کر نہیں گئے؟"
"مجھے کب بتا کر جاتے ہیں؟" اُلٹا سوال ہوا۔
"تم نے باہر جاتے دیکھا ہے؟"
"میں کیوں دیکھوں گا؟"
"تُمھارا دھیان کہاں ہوتا ہے؟" علیحہ چڑ کر بولی۔

"کیوں پوچھ رہی ہیں؟؟" اُس نے اب ٹی وی سے نظریں ہٹا کر مڑ کر اپنی ماں کی جانب دیکھا۔

"اففف۔۔" وہ سر تھامے بیٹھ گئی تھی۔

"کیا ہوا ماما؟" وہ اپنے ننھے قدم اٹھاتا علیحہ کے پاس کھڑا فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم ایسے کیوں کرتے ہو؟"

"کیسے ماما؟" لاعلمی ہنوز قائم تھی۔

"جواب کی بجائے اُلٹا سوال کیوں کرتے ہو؟"

"ماما میں ایسا کب کرتا ہوں؟" ہمیشہ کی طرح جواب کی بجائے اُلٹا سوال آیا تھا جو اُسے مزید تپا گیا تھا۔

"کُچھ نہیں کرتے تم اب بس چُپ۔۔"

وہ جانتی تھی ہار اُسے ہی ماننی پڑنی تھی ورنہ اس کے پاس سوالوں کی کب کمی تھی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" وہ اپنی ماں کی تیاری دیکھ چکا تھا۔

"یونیورسٹی جا رہی ہوں۔" علیحہ عجلت میں کھڑی ہوئی کپڑے کُرسی کی پُشت پر رکھتے سامنے میز پر پڑی کتابیں اکھٹی کر کے اپنے بیگ میں رکھنے لگی۔

"ماما آپ یونیورسٹی کیوں جاتی ہیں؟"

"مانی آپ کو کتنی بار بتایا ہے پڑھنے جاتی ہوں۔" اُس نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور کپڑے الماری میں لٹکانے کی غرض سے دوبارہ بازوں پر لٹکا لیے۔

”ابراہیم کی ماما تو یونیورسٹی پڑھنے نہیں جاتیں پھر آپ کیوں جاتی ہیں؟“

”وہ مجھ سے بڑی ہیں نہ تو وہ اپنی پڑھائی مُکمل کر چکی ہیں۔“ علیحہ نے اُس کی ٹھوڑی اُٹھا کر نرمی سے کہا۔

”تو آپ نے پڑھائی مُکمل کیوں نہیں کی؟“

”بیٹا اب کر رہی ہوں نہ۔۔“

”اب کیوں کر رہی ہیں؟“

اُس نے بیزاری سے اپنے دو سالہ بیٹے کو دیکھا تھا جو اسے بیٹا کم سوالوں کی دکان زیادہ لگتا تھا۔

”کیونکہ میں نے جلدی شادی کر لی تھی۔“

”جلدی کیوں کی تھی؟“

”غلطی ہو گئی بیٹا۔۔“ وہ روہانسی ہو کر بولی اور دروازے پر کھڑے شخص کا قہقہہ بلند ہوا تھا وہ اُن کی باتوں سے ہمیشہ کی طرح محظوظ ہوا تھا۔

”زیام میں نے تمہیں کہا تھا نہ پہلے مُجھے پڑھنے دو اتنی جلدی شادی کر کے کیا کرنا مگر تُمہیں تو ایسے جلدی تھی جیسے تُم تو بوڑھے ہو رہے تھے نہ اب دیکھو یہ بھی مُجھ سے سوال کرتا ہے۔“

اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں چھلکنے کو تیار تھے۔

”میں نے تمھارے جیسی ماں پہلی بار دیکھی ہے جو اپنے دو سالہ بچے کی باتوں پر رونے لگتی ہے۔“

اُس نے ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔

مانی نے اپنی اُٹھی ہوئی ناک مزید اوپر کیے منھ بنایا تھا اسے اپنی باتوں پر اپنے ماں باپ دونوں کا ردِ عمل پسند نہیں آیا تھا۔ ایک ہنس رہا تھا تو دوسری رونے لگی تھی۔

"مانی بیٹا۔۔"

"جی بابا۔۔"

"ماما آپ کو چھوڑ کر جاتی ہیں آپ کو بُرا تو نہیں لگتا؟" زیام نے اُسے گود میں اُٹھا لیا تھا۔

"نہیں بابا پڑھنا تو اچھی بات ہوتی ہے نہ ابراہیم بھی پڑھنے جاتا ہے۔"

"بابا میں کب پڑھنے جاؤں گا؟" وہ اب اپنے باپ کا دماغ خراب کرنے کے لیے تیار تھا۔

"تم اُلٹا پڑھا کر ہی آیا کرو گے۔" زیام بڑبڑایا تھا۔

"میں پڑھانے جایا کروں گا؟"

زیام کے الفاظ اُس کی تیز سماعتوں تک پہنچ چکے تھے۔

"نہیں بیٹا آپ کو ٹیچرز پڑھایا کریں گے۔"

"کیا پڑھائیں گے؟" علیحہ مسکراہٹ دباتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی اب سید زیام شاہ کی باری تھی وہ اپنی باری بھگت چکی تھی۔

"کتابیں۔۔"

"کون سی کتابیں؟؟" زیام نے اس کے معصوم چہرے کی جانب دیکھا تھا۔کتنا پیارا تھا وہ پر اُس کی زُبان کا وہ کیا کرتے؟؟

"جو ہم لے کر دیں گے۔"

"کب لے کر دیں گے؟؟"

"بس۔۔"

اُس کے سوالوں سے زیام کا سر چکرا گیا تھا دِن میں کئی بار وہ اُنہیں ایسے ہی چکر دلواتا تھا۔

"مجھے اب سمجھ آتی ہے کہ اتنے سوال کرنے کے کیا نقصانات ہیں۔"

"کیا نقصانات ہیں؟" وہ مریان تھا خاموش رہنا کب ممکن تھا۔

"یہی کہ اِس سے سامنے والے کا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔۔" اُس نے اپنے گلابی لب گول کیے۔

زیام کو اُس پہ پیار آیا مگر وہ جانتا تھا یہ اُسے شے دینے والی بات تھی پھر وہ بلا جھجھک مزید بولنے لگتا۔

"بابا آپ کو پتہ ہے ابراہیم کی ماما کہہ رہی تھیں تُم بہت پیارا بولتے ہو۔"

"علیحہ یار یہ ابراہیم کون ہے؟" وہ دِن میں پچاس بار اُس کا ذکر سُنتا تھا مگر کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

"ہمارے نئے پڑوسی ہیں اُن کا پانچ سال کا بیٹا ہے وہ اِس کے ساتھ کھیلنے آتا ہے کبھی کبھی اس کی ماما بھی آ جاتی ہیں۔" علیحہ کو کمرے میں اُس کی اونچی آواز پہنچ گئی تھی اس نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔

"میں نے کبھی کیوں نہیں دیکھا؟" زیام کو حیرت ہوئی۔

"وہ شام میں آتے ہیں کیونکہ امل جاب پہ جاتی ہے اور ابراہیم سکول جاتا ہے۔"

"اچھا۔ویسے تمہیں یونیورسٹی سے دیر نہیں ہو رہی؟"

"نہیں میں نہیں جا رہی۔" وہ کمرے سے خالی ہاتھ باہر نکلی اور وہ منھ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔

"یار اب میرا کیا قصور ہے تمھارا بھی تو بیٹا ہے۔"

"لیکن مشورہ تمھارا تھا۔"

"کون سا مشورہ؟"

"اس کا مریان نام رکھنے والا مشورہ۔۔" اُس نے دبا دبا احتجاج کیا۔

"مجھے کیا پتہ تھا نام کا اتنا اثر ہوتا ہے اور مریان تو اتنا نہیں بولتا تھا۔"

"ماما بابا آپ دونوں گھر ہیں تو کیا ہم کہیں گھومنے جائیں؟

"مانی میرے ساتھ چلو گے؟" مانی نے فوراً سے سر ہلایا وہ تو تیار بیٹھا تھا۔وہ اسے اکثر ساتھ لے جاتا ہے تھا ورنہ وہ علیحہ کی غیر موجودگی میں سیدہ سعدیہ کے پاس رہتا تھا وہی تھیں جو مانی کے سوالات سے اکتاتی نہیں تھیں۔وہ اپنے ماں باپ سے زیادہ اپنی دادی کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔

"مُجھے تو لگتا ہے یہ سیاستدان بنے گا جس طرح سیاسی جواب دیتا ہے۔" علیحہ کے دماغ میں نئی بات آئی تھی۔

"میرا بیٹا بڑا ہو کر کیا بنے گا؟" زیام نے اُس کی گال پوچھا۔

"مریان۔۔"

"مگر وہ تو آپ اب بھی ہو۔"

"نہیں ابھی میں مانی ہوں بڑا ہو کر مریان بنوں گا۔"

"افففف۔۔" دونوں یک زُبان بولے تھے۔
اُنہیں اپنے سیاسی بچے سے غیر سیاسی جواب کی توقع نہیں کرنی چاہیے تھی۔
"یہ پتہ نہیں کب ٹھیک ہو گا یا ساری زندگی مریان کی طرح سوال کے بدلے سوال کرے گا۔"
"ماما یو ڈونٹ لو می؟؟" مانی ہونٹ لٹکائے بولا۔
"مریان تُم تو میری جان ہو۔" وہ اُسے خود میں بھینچتے بولی۔
اس کا معصوم چہرہ اُن کا غُصہ غائب کر دیتا تھا مگر وہ منٹوں میں دوبارہ دماغ خراب کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا وہ سید مریان شاہ تھا اُس میں ساری خصوصیات کا ملاپ تھا۔
زیام نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا؟
"مریان اور جان دونوں الفاظ اکھٹے نہ بولا کرو۔"
"پھر کیا کہا کروں؟"
"مانی کہا کرو۔"
"سید زیام شاہ آپ نے ہی اِس کا نام مریان رکھا تھا اب جیلس ہونے کی ضرورت نہیں۔" علیحہ اُس کی جلن پر ہنسی تھی۔

"تب میں جذباتی ہو گیا تھا۔"
"مانی بیٹا ہم آپ کا نام بدل دیں؟"

"نہیں میں مریان ہوں۔" اس نے خفگی سے زیام کو دیکھا اسے مشورہ قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔

زیام جانتا تھا اب وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گا آخر وہ مریان تھا فیصلے پر ثابت قدمی تو لازم تھی۔

علیحہ کے موبائل پر کال آئی تھی روحا کی تصویر دیکھ کر مریان اچھلا تھا۔

"پنک والی آنٹی کی کال آئی ہے۔" زیام ہنسا تھا۔

"ویسے تُم بھی اِس پنک والی آنٹی جیسے لگتے ہو۔"

زیام نے پہلے اس کی تصویر کو پھر مانی کی شکل کی جانب دیکھا۔وہی گلابی رنگت اُٹھی ہوئی ناک اور لانبی پلکیں۔

"مجھے یہ ہمارا بچہ نہیں لگتا۔" اُن کے دکھ کم نہیں تھے اُن کی اولاد کسی طرح اُن پر نہیں گیا تھا۔

"مگر ہے تو ہمارا۔علیحہ مُجھے تو ڈر لگتا ہے یہ بڑا ہو کر روحا کی طرح فلسفے بھی جھاڑنے لگا ہم تو پاگل ہو جائیں گے شکل تک تو سمجھ آتی ہے مگر میں ہر وقت کے فلسفے برداشت نہیں کر سکتا۔"

مگر وہ بھول رہے تھے روحا ابتسام آفندی بذاتِ خود ایک فلسفہ تھی جسے مریان لکھانی بھی نہ سلجھا پایا تھا۔ابھی بہت سے فلسفے رہتے تھے ابھی بہت سی الجھنوں کے جواب باقی تھے۔اِنسانی دماغ آئے دن نئی ذہنی اُلجھن کا شکار ہوتا ہے اور اُنہیں سلجھانے کے لئے کوئی نہ کوئی فلسفہ ہوتا ہے۔

"پنک والی آنٹی چلی گئیں۔" اُس کا چہرہ بجھا۔

کال اٹھا لی گئی تھی۔علیحہ نے موبائل کان کو لگایا۔

"پنک والی آنٹی آپ سے ملنے آ رہی ہیں۔"

"یاہو۔۔" وہ اپنی ماں کی گود سے نکل کر صوفے پر اچھلنے لگا تھا۔

اتنی خوشی تو کبھی مریان لکھانی کو نہیں ہوتی ہو گی جتنی اسے روحا کے آنے کی ہوتی ہے۔زیام پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا اُٹھا۔

"ماما مُجھے مریان لکھانی کو دیکھنا ہے۔"

زیام نے اُسے اُٹھا کر شیشے کے سامنے کیا۔

"دیکھو یہ ہے۔" مانی ناک آئینے سے لگائے اپنا عکس دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

زیام نے ایک گہری نظر اپنے کھکھلاتے ہوئے شہزادے پر ڈالی جو یقین کر چُکا تھا کہ وہی مریان لکھانی ہے۔

تیرا عکس ساتھ لیے پھرتے ہیں
پھر شکوہ ہے کہ تُم بہت یاد آتے ہو

"روحا کیا سوچ رہی ہو؟" آذر اس کے سامنے والی کُرسی پر آ کر بیٹھا تھا۔

"کُچھ نہیں۔۔" اُس نے سر نفی میں ہلاتے جھکا سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔

”پھر شکل بجھی بجھی کیوں ہے؟“ وہ ہمیشہ سے شکل سے اس کی کیفیت سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“

”روحا میں تمھارا چہرہ پڑھ سکتا ہوں تُم مُجھ سے اپنی اُداسی نہیں چھپا سکتی۔“

”مت پڑھا کرو۔“ اُس نے دوبارہ سے سر جھکا لیا۔

”فلسفہ سمجھ نہیں سکتا مگر پڑھ تو سکتا ہوں۔“

”اسی بات کا تو ڈر ہے کہ تُم سمجھ بھی سکتے ہو۔“

روحا نے آذر کا ابھی لایا گیا کافی کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

”کیسی ہے؟“

”ہمیشہ کی طرح اچھی۔۔“ وہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”یونورسٹی نہیں گئی؟“

”نہیں علیحہ نہیں گئی تو سوچا میں بھی نہ جاؤں۔“

”وہ کیوں نہیں گئی۔“ آذر نے بھی اپنا کپ اُٹھا لیا تھا۔

”ایک ہی بہانہ ہے اُس کے پاس مانی کا حالانکہ وہ تنگ نہیں کرتا سعدیہ آنٹی یا زیام کے پاس رک جاتا ہے اب تو بڑا ہو گیا ہے وہ تو چھوٹا ہوتا بھی اس کی پڑھائی میں رکاوٹ نہیں بنا تھا۔“

”مریان ہے رکاوٹ کیسے بن سکتا تھا۔“

روحا نے کپ سے اٹھتی بھاپ سے نظریں اُٹھا کر اُس پر مرکوز کیں۔

"تم اتنے سالوں بعد بھی آئے دن اُس کا ذکر لے کر بیٹھ جاتے ہو۔نہ خود بھولتے ہو نہ مُجھے بھولنے دیتے ہو۔" اُس کی آنکھوں میں آزردگی پھیلی۔

"کہتے ہیں خاص لوگوں کو یاد رکھا جاتا ہے اور مُجھے لگتا ہے جو بہت خاص ہوتے ہیں وہ یاد رہتے ہیں اِس لیے مریان کو ہم نہ بھی یاد رکھیں بھلانے کی جتنی بھی کوشش کریں لیکن پھر بھی وہ یاد رہے گا کیونکہ وہ بہت خاص ہے۔" اس نے محسوس کیا تھا آذر جب اس کا ذکر کرتا تھا اُس کے لہجے میں بے پناہ توقیر ہوتی تھی۔

"جیسے کہ مُجھے ہمیشہ ہر جگہ ہر فیصلے میں سب سے پہلے تُم ہی یاد رہتے ہو۔"

روحا نے اُس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے جو اُس نے فوراً تھام لیے تھے۔

صرف وہی حقدار تھا اُس کے ہاتھ تھامنے کا دِل کی رضا مندی سے بنے رشتوں میں ہی سامنے والے کو سارے حق ملتے ہیں۔

آذر نے اُلفت بھری نظروں سے اُسے دیکھا تھا لانبی پلکیں جھکی تھیں آج بھی کوئی ساکت رہ گیا آس پاس کا ماحول کہیں پیچھے رہ گیا تھا صرف وہ دیکھائی دے رہی تھی۔ بچپن کی چاہ جوانی کی محبت زندگی بھر کی ساتھی اُس کی زندگی روحا سادم شاہ۔۔

"مجھے لگتا ہے نکاح کے بعد مُجھے تم سے مزید محبت ہو گئی ہے۔" آنکھوں میں محبت کے حباحب جلے۔

"مجھے لگتا ہے کم ہو گئی ہے۔" وہ شکوہ کر رہی تھی۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟"

"ہفتوں بعد کُچھ گھنٹوں کے لیے آتے ہو ایک کافی کا کپ بنا کر دے دیتے ہو اور سمجھتے ہو سب حق ادا ہو گئے۔"

"بس مصروفیت بہت ہے ادھورے کام مُکمل کرنے میں وقت لگتا ہے اور چند ماہ کی بات ہے مصروفیت بھی کم ہو جائے گی اور شادی کے بعد بیویاں شوہروں کو قابو کر ہی لیتی ہیں اور مجھ سا معصوم شوہر تو با آسانی تمھارے قابو میں آ جائے گا۔"

"سیاست دانوں والے جھوٹے دعوے۔۔"

وہ منھ بناتے بولی۔

"مجھے باقی سیاست دانوں سے ملانے کی ضرورت نہیں ہے میرا ریکارڈ پچھلے تمام سندھ کے وزیرِ اعلیٰ سے اچھا ہے۔" اُس نے تفاخر سے کالر جھاڑا۔

"مگر سیاست دان کہیں نہ کہیں جھوٹے دعوے ضرور کرتے ہیں اکثر نہ بھی چاہتے ہو مگر پھر بھی اُن کے دعوے جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں کیونکہ ملک میں سب اُن کی مرضی سے کب ہوتا ہے۔"

"تم جتنا سیاست کو جاننے لگی ہو سیاست میں حصہ کیوں نہیں لیتی۔"

"میں سیاست سے بہت اُکتا چُکی ہوں تُمھیں سیاست میں جانے کی اجازت دے دی کافی ہے میں خود ایسا نہیں کر سکتی ویسے بھی عوام کی فلاح کے لیے کام کرنے کا واحد طریقہ سیاست نہیں ہے میں بابا کی طرح فلاحی ادارے چلاؤں گی۔"

"آدھی جائیداد تو مُجھ پر لُٹا چُکی ہو۔"

”تب مُجھے یہی ٹھیک لگا تمھارا سیاست میں آنا واقعی اہم تھا ورنہ آج ہمدان رؤف جیسے لوگ سیاست کے شعبے کو مزید بُرا ثابت کر چُکے ہوتے۔ اگر ہم نے اپنا بہت کُچھ اِس سیٹ کو حاصل کرنے کے لیے لٹایا ہے تو پایا بھی تو ہے عوام کے تشکّر بھرے الفاظ ذہنی سکون دیتے ہیں۔ جائیداد زمین کا ٹکڑا تھا اور مُجھے یقین تھا وہ میرے کسی کام کا نہیں میں اگلی نسلوں کے لئے یہ سب کیسے سنبھال کر رکھتی جب کے ہمارے آج کے دور کے آس پاس موجود لوگ چند روپوں کی خاطر زندگیاں ختم کر لیتے ہیں کیونکہ اُن کی زندگی تباہ حال تو پہلے ہی ہوتی ہے۔ ہم یہ جو بو رہے ہیں یہ کاٹنا ہماری قسمت میں نہیں ہے تو اس کا سوال بھی ہمارے حصے میں نہیں آنا چاہیے۔ آنے والی نسل کی فکر مت کریں وہ بھی آپ کی طرح اپنا رزق لکھوا کر آئیں گے اُن کے رزق کی مختاری اور زمہ داری آپ کی نہیں ہے۔ ہاں آپ کی زمہ داری اپنے آس پاس والوں کا احساس کرنا ہے تو اپنی حقیقی زمہ داریوں کو سمجھیں۔ آپ سے یہ پوچھ لیا گیا کہ تُم نے میری مخلوق کو بُرے حال میں دیکھا تو کیوں اُسے دھتکار کر چلے گئے تو کیا دلائل دیں گے وہاں یہ کہیں گے کہ اُس کا حلیہ اچھا نہیں تھا یا آپ کو اُس کی شخصیت پسند نہیں آئی اور اگر آگے سے یہ کہہ دیا گیا کہ اس کے حلیے اور حال کے پیچھے تمھارا بھی ہاتھ تھا کیونکہ تُم اُس کے ساتھ بھلائی کر سکتے تھے مگر تُم نے نہیں کی تو کیا کہیں گے؟ اگر یہ کہیں گے کہ زِندگی کی مصروفیات میں کہیں دھیان نہیں گیا اور یہ سوال کر لیا گیا کہ یہاں بھیجھنے کا مقصد کیا انہیں لوگوں پر دھیان دینے کا نہیں تھا؟... تو کیا کہیں گے؟ ابھی یہ بہانے بے معنی لگ رہے ہیں تو اس رب کے سامنے کیسے جواب دے پائیں گے۔“

”تم ایم ایل ٹرسٹ کی برانچ کیوں نہیں سنبھال لیتی۔“ آذر نے اُسے نیا مشورہ دیا تھا۔

"تم کہا کی تیاری پر ہو؟" روحا نے بات بدلی۔
"پارٹی کا اجلاس ہے وہاں جانا ہے۔"
"مجھے کبھی کبھی یقین نہیں آتا کہ تُم سیاستدان بن گئے۔
"قسمت کسی کو کہاں کا کہاں پُہنچا دیتی ہے جو کام آپ کے گمان میں بھی نہیں ہوتا آپ سے وہ بھی کروا لیتی ہے۔ مُجھے خوشی ہے کہ مُجھے عوام کی فلاح کے لئے چنا گیا اور وہ جسے چاہے چن لے کسی کی کیا مجال اس پر اعتراض اُٹھائے۔" اُس کے ذہن میں تین سال پہلے کا واقعہ گھوما۔ اُسے اپنا دیا گیا عہد یاد آیا۔
"میں نے جب آذر سے پوچھا تھا تُم آگے کیا کام کرو گے تو اِس نے کہا تھا ہڈ حرامی کا کام کرے گا اور دیکھو سیاست دان بن کے اِس نے اپنی بات دُرست ثابت کر دی ہے۔" نبیہا نے لان میں آتے آذر کی بات سن لی تھی اور ٹانگ آڑانا لازم و ملزوم سمجھا تھا۔ نبیہا نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میز پر رکھی اور کُرسی کھینچتی اُن کے بیچ بیٹھ گئی۔
"موٹی تُم کہاں سے ٹپک پڑی؟" آذر آفندی سارے جہان کے لئے بدل سکتا تھا مگر نبیہا کے ساتھ دشمنی کم نہیں کر سکتا تھا۔
"میں نے پورا پانچ کلو وزن کم کیا ہے۔" نبیہا نے پانچوں انگلیاں اس کے سامنے کیں۔
"دیکھ لو پھر بھی موٹاپے میں فرق نہیں آیا۔" اُس نے تاسف سے سر دائیں سے بائیں ہلایا۔ نبیہا نے غصے سی مٹھیاں بھینچیں۔
"سوکھا پتہ۔۔" وہ دانت پیستے بولی۔

آذر نے شانے اچکا دیئے۔

"ویسے یہ سیاست والا کام اچھا ہے میں بھی بڑی ہو کر سیاست دان بنوں گی۔"

"واٹ تُم نے کیا کہا بڑی ہو کر؟؟" آذر نے فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا۔

"تم میرے جتنی ہو اِس کا مطلب ہے میں نے بھی ابھی بڑا ہونا ہے؟ ویسے چھبیس سال تک اِنسان بڑا ہو نہیں جاتا؟" وہ ہنسی روک نہیں پا رہا تھا۔

نبیہا نے منھ بنایا وہ اُس کی کہی بات کیسے ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا اگر اُس سے ہونے والی غلطی کو وہ نظر انداز کرتا تو اُن کی دشمنی میں فرق آ سکتا تھا اِس لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

"اگر تُم سیاست میں آ گئی تو واقعی ملک لوٹ کر کھا جاؤ گی باقی سیاستدانوں کے لئے تو شدتِ جذبات میں لوگ کہہ جاتے ہیں مگر تُم تو واقعی کھانے کے معاملے میں اچھی خاصی مہارت رکھتی ہو تم یہ کام سر انجام دے سکتی ہو۔اب ایسے کیا کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی ہو ہر چیز کھانے والی نہیں ہوتی اور کھا بھی لو تو ہضم نہیں ہوتی اور آذر آفندی تُمہیں ہضم ہونے والی چیز نہیں۔اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے میں چلتا ہوں۔" وہ نبیہا کو غصے سے لال پیلا ہوتے دیکھ کر اپنی نشست چھوڑتے کھڑا ہوا۔

"علیحہ نے کھانے پر بلایا ہے۔"

روحا اُسے اُٹھتا دیکھ کر فوراً بولی وہ جانتی تھی اب گیا تو کئی دنوں بعد ملنے آئے گا۔وہ انکار کرنے کا سوچ رہا تھا مگر روحا کی نظروں سے خوف زدہ ہوتے اس نے حامی بھر لی تھی۔

"بیوی سے ڈر لگتا ہے۔" اُس نے مصنوئی خوف دیکھایا۔
"بیوی نہیں منکوحہ۔۔" نبیہا نے تصیح کی۔
"موٹی تُم چُپ رہو۔"
"اللہ کرے تمہیں عوام سے ٹماٹر اور خراب انڈے پڑیں۔" نبیہا نے ہاتھ اٹھاتے آسمان کی جانب دیکھا۔
"مہنگائی بہت ہے عوام کھانے پینے والی چیزیں ایسے کاموں میں ضائع نہیں کرتی۔اور میری سب بہت عزت کرتے ہیں ہاں اگر تم سیاست میں آئی تو ایسا کُچھ ہونے کے امکانات ہیں۔" نبیحا نے غضب ناک نظروں سے اُسے دیکھا۔
"ویسے یہ مزے کی بات ہے کہ تمھیں بدلہ لینے کے لئے بھی کھانے پینے والی چیزوں کا خیال آتا ہے۔"
وہ نبیہا کا ردِ عمل سنے بغیر باہر کی جانب چل اس سے بحث تو وہ سارا دن بھی کر سکتا تھا مگر اب اتنا وقت نہیں ملتا تھا۔
"ویسے روحا تمھارا شوہر بہت بد تمیز ہے۔"
"وہ جب میرا شوہر نہیں تھا تب بھی ایسا ہی بد تمیز تھا اور میری بہن کب پیچھے رہتی ہے۔" نبیہا نے اُس گھورا وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔وہ نہیں چاہتی تھی آذر کے حصے کا غُصہ اُس پر نکلے۔روحا نے نبیہا کی لائی گئی ناشتے کی ٹرے اپنی جانب کھسکائی۔

”نبیہا یہ ناشتہ تم نے بنایا ہے؟ نمک کی پوری کان آملیٹ میں ڈال دی ہے؟ چیز آملیٹ کہا تھا اسے دیکھ کر کہنے کو دِل چاہتا ہے کہ بھئی کہیں سے تو چیز آملیٹ لگو۔اب یہ خودی کھاؤ تمہیں پتہ چلے تمہارا بنا کُچھ کھانا کتنا صبر آزما کام ہے۔“ روحا چمچ زور سے میز پر پٹختے کھڑی ہوئی۔

”ایک تو کونگ کرنے سے ڈر نہیں لگتا اُس کے بعد ہوئی تذلیل اور وہی کھانا خود کھانے سے ڈر لگتا ہے۔“ نبیہا نے منہ بسورتے پلیٹ میں پڑا آملیٹ اور جلے ہوئے ٹوسٹ دیکھے۔اُس نے پلیٹ اٹھائی اور کچن کی طرف رُخ کیا ارادہ اُسے پھینکنے کا تھا۔”آئندہ کے بعد میں کبھی کھانا نہیں بناؤں گی رزق ضائع ہوتا ہے۔“ اس نے پلیٹ ڈسٹ بین میں خالی کرتے مصمم ارادہ باندھا۔

____

وہ سربراہی کُرسی پر آ کر بیٹھا تھا۔سب اُسے بیٹھتا دیکھ کر سیدھے ہوئے۔”آپ سب جانتے ہی ہیں کہ ہم نے اِس پارٹی کی تعمیر کے لیے کروڑوں روپے لگائے ہیں ورنہ ایک نئی پارٹی کا ایلکشن جیتنا تقریباً نا ممکن تھا مگر یہ پارٹی نا ممکنات کی بُنیاد پر ہی بنی ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ سیاست میں قدم جمانا آسان نہیں مگر عزائم اور مقصد اچھے ہو تو نا ممکنات آسانی سے ممکنات بن جاتی ہیں۔اگر ہماری پارٹی پہلی بار الیکشن لڑ کر ہمدان رؤف کی مضبوط پارٹی کو ہرا سکتے ہے تو ہم ملک میں غلط سیاست میں موجود غلط روایات کو بھی ختم کر سکتے ہیں۔“

”نقیب کراچی کے کیسے حالات ہیں؟“ وہ نقیب کی جانب متوجہ ہوا۔

”پچھلے دو سالوں میں دو گنا بہتری آئی ہے۔“ اُس نے اپنا ہمیشہ والا جواب دیا تھا وہ آج بھی ایک بات پکڑ لیتا تھا تو اُسے سبق کی طرح دہرانے لگتا تھا۔

”مجھے آپ میں سے کسی پر شک ہوا کہ آپ لوگ ملک اور پارٹی کے مفاد کے خلاف چل رہے ہیں میں آپ کی پچھلی پارٹی کے لئے کی جانے والی محنت اور قربانیاں بھلا کر آپ کو پارٹی سے الگ کر دوں گا یہ پارٹی جس مقصد کے لیے بنی ہے اگر آپ وہ مقصد بھول جائیں تو آپ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ میں موقع نہیں دیتا میں نہیں چاہتا کہ کوئی میری پیٹھ میں چھرا گھونپے اور مجھے تکلیف ہونے پر احساس ہو کہ دشمن پاس تھا اور اُسے وار کا موقع بھی میں نے فراہم کیا۔ میں تین سال کی محنت برباد نہیں ہونے دے سکتا یہاں پر موجود بہت سے لوگ اپنی خطیر رقم اِس پارٹی کی بقا کی خاطر لگا چکے ہیں میں سب کا مشکور ہوں مگر غافل نہیں ہوں میں چاہتا ہوں کہ کسی کے دِل میں غلط راستے پر جانے یا پارٹی چھوڑنے کا خیال پنپ بھی رہا ہو تو وہیں ختم ہو جائے میں کسی بھی پارٹی ممبر کے جانے کا خسارہ برداشت نہیں کر سکتا بہت محنت سے آپ جیسے مخلص لوگ تلاش کیے ہیں کسی صورت گنوا نہیں سکتا۔“

وہ پُر سکون انداز میں بول رہا تھا سامنے موجود لوگوں کو اُس کی بات گیرا نہیں گزر رہی تھی وہ لوگ اُس کی شخصیت کے بارے میں جانتے تھے وہ جانتے تھے وہ مضبوط اعصاب اور ارادوں کا مالک ہے۔ وہ اُنہیں ہر بار ایسے ہی تنبیہہ کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ آج تک اُن کی پارٹی کے کسی بھی شخص نے کسی اور پارٹی میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔

نقیب نے بارُعب انداز میں بولتے آذر کی جانب دیکھا تھا وہ جانتا تھا سربراہ والی خصوصیات اُس میں پائی جاتی ہیں ایسے سربراہ کی خصوصیات جو اپنی بات منوانا جانتا ہو جو وہ چاہتا ہو وہ کروانا جانتا ہو مگر یہ روایتی سربراہ والی خصوصیات تھیں اُسے انقلابی سربراہ بننے میں ابھی وقت تھا ایسا سربراہ جسے اپنی

بات منوانی نہ پڑے جس کی بات خود با خود لوگ مانیں۔اُسے مریان لکھانی جیسا بننیں میں وقت لگنا تھا۔

”سب سے اہم بات جس کے لیے یہ اجلاس بلوایا گیا ہے سب اُس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔چند دنوں میں پارٹی کے سربراہ کی تبدیلی کی جائے گی۔“ آذر نے نقیب کی طرف مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے کہا اُس نے بھی جوابی مسکراہٹ اُس کی جانب اچھالی۔

سب حیرت سے اُسے دیکھنے لگے تھے تین سال کی ان تھک محنت کے بعد کیسے کوئی کسی کو اپنی پارٹی دے سکتا تھا اتنا سخی دل کون ہو سکتا تھا۔مگر جِن کے مقاصد صاف ہو اُن کے نزدیک پارٹی محنت کچھ بھی اہم نہیں ہوتا اُن کو صرف اپنا مقصد نظر آ رہا ہوتا ہے۔

”کیا ہم اِس کی وجہ پوچھ سکتے ہیں؟“ ایک ممبر نے یہ سوال پوچھنے کی ہمت کر ہی لی تھی۔

”انقلاب کسی ایک شخص کے نام پر ٹھپہ نہیں ہے یہ کوئی بھی لا سکتا ہے اِس کے لئے کسی ایک مخصوص شخص کا ہونا ضروری نہیں اِنقلاب کوئی بھی خاص شخص لا سکتا ہے۔“

وہ انہیں خاموش کر گیا تھا اور موبائل پر آتی کال اُٹھا کر باہر نکلا۔نقیب کو یاد آیا تھا اُس نے بھی بہت اہم کال کرنی تھی۔

”تم کب تک گھر آ رہے ہو؟ علیحہ نے کال کر کے آنے کا پوچھا ہے۔“ روحا کے لہجے میں برہمی تھی۔

”بس دس منٹ میں آیا۔“

"مسٹر آذر آفندی اب کراچی میں ایسی بھی تبدیلی نہیں آئی کہ آپ چالیس منٹ کا فاصلہ دس منٹ میں طے ہونے لگے۔"

"میں راستے میں ہوں۔" اُس نے صاف جھوٹ بولا۔

"پیدل آ رہے ہو؟"

"نہیں گاڑی پر آ رہا ہوں۔"

"مگر تمھاری گاڑی تو میرے سامنے کھڑی ہے۔" آذر نے زُبان دانتوں تلے دبائی اس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔

"آ رہا ہوں باہر۔۔"

"جلدی۔۔" روحا نے تنبیہہ کرتے کال کاٹی۔

"خطرناک بیوی ہے۔" وہ بڑبڑایا اور باہر کی طرف بڑھا۔

آذر اُس کے ساتھ کی سیٹ پر آ کر بیٹھا۔

"تم اپنی گاڑی لے آئی؟"

"اور پیدل آتی چالیس منٹ کا فاصلہ دس منٹ میں طے کر لیتی؟" اُس کا انداز طنزیہ تھا۔

"اب میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ اس کا طنز سمجھ چکا تھا۔وہ دوسروں پر گرجنے والا روحا کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا تھا۔

"نقیب یار میری گاڑی کھڑی ہے نیچے۔۔" وہ نقیب کو کال کرتے اُس کے سامنے مظلوم بننے لگا تھا۔

"تو۔۔؟
"تو کسی کو کہہ کر اسے گھر پُہنچاوا دو۔"
"یہ ہر شخص مجھ پر ساری زمہ داریاں چھوڑ کر خود کیوں فرار ہو جاتا ہے۔"
"واپس آ کر تُمہیں مناتا ہوں۔" آذر اُس کی خفگی بھانپ گیا تھا مگر اُسے منانے کا وقت نہیں تھا اور نہ وہ اُس سے اتنی آسانی سے مانتا تھا۔
کوئی آذر آفندی سے پوچھے اُس نے زندگی میں سب سے زیادہ نخرے کس کے اُٹھائے ہیں تو وہ روحا کی بجائے سید نقیب شاہ کا نام لے گا کیونکہ اِن تین سالوں میں اُسے ساتھ لے کر چلنا اُسے اب اپنا سب سے بڑا کارنامہ لگتا تھا۔سیاست میں آنا مریان لکھانی کی جگہ اور اُس کی زمہ داریاں سنبھالنے سے بھی بڑا کارنامہ اسے سید نقیب شاہ کو سنبھالنا لگتا تھا۔

سب کھانے کی میز پر خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھے مگر مانی کی نظریں روحا پر گھڑیں تھیں۔روحا نے آنکھیں سکیڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔
بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی وہ خوف زدہ ہوئی تھی اور نظریں پھیر لی تھیں۔بھوری آنکھوں کا سامنا کرنا کب آسان تھا۔" مانی کے اگلے سوال پر اُس نے دوبارہ رُخ مانی کی طرف کیا۔
"آپ نے مریان لکھانی کو دیکھا ہے؟"
"و۔۔وہ۔۔وہ" روحا اُس کے اچانک سوال پر گڑبڑا گئی تھی۔
"دیکھا ہے؟" دوبارہ سے سوال کیا گیا۔

"ہاں۔۔"

"کیسے ہیں؟"

"اچھے" وہ با مُشکل یک لفظی جواب دے سکی تھی گلے میں کُچھ اٹکا تھا۔

"مجھے بھی دیکھنا ہے۔" اُس کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔اُس نے اتنی بار اس کا ذکر سنا تھا کہ اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔

"وہ اب نہیں ہیں۔" اُسے بولنے میں دقت ہوئی تھی۔

"مر گئے ہیں؟" جواب تھا بھی تو وہ نہیں دے پائی تھی سر جھکائے بیٹھ گئی تھی۔

"مانی بیٹا مہمانوں سے اتنے سوال نہیں کرتے۔" زیام نے اُسے ٹوکا۔

"مگر یہ تو میری آنٹی ہیں نہ۔۔"

"آنٹی سے بھی نہیں کرتے۔"

"جی بابا۔۔" اُس نے سعادت مندی سے سر جھکایا بھوری آنکھوں میں اب افسردگی تھی۔

"تم لوگوں نے اِس کا نام مریان کیوں رکھا؟"

وہ آج شکوہ کر بیٹھی تھی وہ بھولنا چاہتی بھی تو سامنے بیٹھا اُس کا عکس کب بھولنے دیتا تھا۔

"روحا نام سے فرق نہیں پڑتا یہ پھر بھی ایسا ہی ہوتا مریان کا عکس ہمارے پاس ہے تو اِس میں کیا برائی ہے۔"

"پھر بھی مُجھے یہ نام اب تکلیف دیتا ہے۔"

"کیوں؟"

سوال مانی نے کیا تھا۔وہ سوال جو کوئی نہیں کر سکتا تھا وہ کر چکا تھا۔روحا کو لگا تھا مریان کے حصے کے سوال وہ اُس سے کر رہا ہے۔

"آنٹی آپ رو رہی ہیں؟" وہ روحا کے آنکھوں کی نمی محسوس کر چکا تھا۔

"آنٹی آپ کو مریان پسند نہیں؟"

اُس کے چہرے پر سارے جہان کی معصومیت تھی۔وہ سمجھ نہیں پائی تھی وہ کس مریان کا ذکر کر رہا ہے پر اسے تو دونوں میں سے کوئی بھی برا نہیں لگتا تھا۔

وہ اُٹھی تھی اور باہر کی طرف جانے لگی تھی کہ راستے میں پڑی مانی کی گاڑی کو ٹھوکر لگی تھی۔

"گاڑی توڑ دی میری۔۔" وہ چلایا تھا۔

"سوری وہ راستے میں پڑی تھی۔" وہ معذرت خواہ ہوئی۔"تو سائڈ پر اتنی جگہ تھی آپ وہاں سے گزر سکتی تھیں۔"

"محترمہ لگتا ہے آپ نے میری ساری گاڑیوں کا کباڑا کرنے کا ٹھیکہ اُٹھا لیا ہے۔"

"یہاں سے آپ گزر سکتی ہیں اتنی جگہ سے چار، پانچ سائیکل گزر سکتے ہیں آپ کو بس کھڑے ہو کر دوسروں کے بیچ کے معاملات دیکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔"

مریان کے الفاظ سماعتوں میں گونجے چہرہ آنکھوں کے سامنے لہرایا اُس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی باہر نکل گئی تھی۔

"مانی کتنی بار سمجھایا ہے راستے میں کھلونے مت رکھا کرو اور آپ نے آنٹی سے یہ کیسے بات کی ہے۔"

مانی منہ بناتا اپنی گاڑی کے پاس آیا۔

"ٹوٹ گئی۔" اُس نے رنجیدگی سے ہونٹ لٹکائے۔

آذر اُن سے معزرت کرتا روحا کے پیچھے لپکا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ گاڑی کا دروازہ بند کرتے اُس کی جانب مڑا۔

"ایک ہی بات بار بار کیوں پوچھتے ہو؟"

"کیونکہ مُجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔" اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔"

آذر کے موبائل پر بیپ بجی۔کال کرنے والے کا نام پڑھ کر وہ گھبرایا تھا۔روحا نے موبائل ہاتھ میں پکڑ کر کال کرنے والے کا نام دیکھا پھر اُلجھی نظروں سے آذر کو دیکھا۔

"بلیک سٹون (سیاہ پتھر)؟"

"زیام کی کال آئی ہے۔" وہ موبائل جھپٹتے بولا۔

"ہاں زیام بولو۔" دوسری جانب سے قہقہہ بُلند ہوا تھا۔

"بعد میں بات کرتے ہیں تُم اپنی بیوی کو سنبھالو۔"

دوسری جانب موجود شخص سمجھ گیا تھا وہ سب سمجھ جاتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے اپنی پیشانی پر آیا پسینہ ہتھیلی کی پُشت سے صاف کیا۔

"بند کر دی کال؟" روحا کو اُس کے جلدی کال بند کرنے پر تعجب ہوا۔

"ہاں۔۔"

"زیام اتنی کم بات تو نہیں کرتا۔" وہ زیام کو اچھی طرح جانتی تھی اور سامنے بیٹھے شخص کو جس کی رنگت متغیر ہو چکی تھی۔

"کہہ رہا تھا تمُہیں سنبھالوں میں نے کہا ٹھیک ہے ویسے بھی یہی کام سب سے اہم ہے۔"

"اسی لیے ہفتوں بعد شکل دیکھاتے ہو۔"

"تم میری تصویریں دیکھتی ہو گی۔"

"ن۔۔نہ۔۔نہیں"

"مریان بھی جب ایسے گڑبڑاتا ہے تو اس کا مطلب ہاں ہوتا ہے۔" آذر نے زُبان دانتوں تلے دبائی وہ غلطی میں جلتی پر تیل کا کام کر گیا تھا۔

"تم کب مریان کو اتنا جانتے تھے؟"

"مانی کی بات کر رہا ہوں۔"

"اچھا۔۔"

شکر ہے زیام نے اپنے بیٹے کا نام مریان رکھ لیا ورنہ میں کیسے صفائی پیش کرتا۔وہ دِل میں شکر ادا کر رہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" آذر نے گردن اُس کی جانب موڑی۔

"ہاں۔۔" فوراً حامی بھری گئی۔

"تمہیں مریان کیسا لگتا تھا؟" روحا نے اس کی جانب

"ایک اچھا اِنسان۔۔"

"اچھے اِنسان اتنے یاد آتے ہیں؟"

"وہ بھولتے ہی نہیں کیونکہ وہ آپ کی زِندگی میں اچھی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔"

"مگر وہ اچھی یادیں بھی آپ کو اکثر افسردہ کر جاتی ہیں۔" آذر نے اس کی بات مکمل کی۔

"محبت کیا ہے؟" اُس نے اگلا سوال کیا۔روحا نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا اُس کے لبوں کی طرح وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔

"سامنے والے پر اتنا اعتماد کے وہ کُچھ غلط کر ہی نہیں سکتا بس وہ سچا لگے باقی سب غلط ہو سکتے مگر وہ کبھی نہیں۔"

"مطلب میں محبت کے معیار پر پورا اترتا ہوں۔"

"تم معیاری محبت کرتے ہو۔" آذر کے چہرے پر مسکان تیر گئی۔

"محبت میں معیار ہوتے ہیں؟"

"ہم لوگ محبت کو پہچاننے میں غلطی کرتے ہیں جو زیادہ جنونی پن دیکھائے ہم سمجھتے ہیں وہ زیادہ محبت کرتا ہے مگر محبت وہ جذبہ ہے جو آہستہ آہستہ اپنا احساس دلاتا ہے اور بڑھتا ہے جنونی پن جھٹکے میں ختم ہوتا ہے پھر آپ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کو چننے میں آپ نے غلطی کر لی مگر آپ سے اُسے چننے میں نہیں اُن کے جذبات کو نوعیت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔اگر آپ صحیح محبت کی پہچان نہیں کر سکتے تو خود کو قابلِ محبت مت سمجھیے۔

میں اپنے جذبات کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں ہر لڑکی کے معیار ہوتے ہیں اور میرے بھی ہیں اپنانے کے بعد چھوڑتی نہیں، ایک بات کہنے کے بعد اُس پر قائم رہتی ہوں، دو کشتیوں میں سوار

نہیں ہوتی میرے لیے میرے گھر والے اور اُن کے فیصلے بھی اہم ہیں اور مُجھے یقین ہے مُجھے کبھی اپنے فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کبھی اِس فیصلے پر تُمہیں خود سے سوال نہیں کرنا پڑے گا کہ یہی شخص میں نے کیوں چنا تُم ہمیشہ یہی کہو گی میری قسمت نے میرے لیے سب سے اچھا فیصلہ کیا۔" اُس نے روحا کا ہاتھ تھامے کہا تھا۔ مسکراہٹیں رقص کناں ہوئی تھیں۔

وہ قسمت پر یقین رکھنے والا شخص تھا اور وہ قسمت بنانے والے نے اُس کے ساتھ زیاتی نہیں کی تھی وہ بہتر جانتا ہے کون کس کے لیے بہتر ہے۔

جیرینیم ریسٹورینٹ کی آہنی کرسیوں پر امل اور جارج آمنے سامنے بیٹھے تھے جبکہ ابراہیم امل کی داہنی جانب بیٹھا منیگو سموتھی پینے میں مصروف تھا۔ مدھم پیلی روشنی اُن پر پڑ رہی تھی۔

"امل تم دوسری شادی۔۔" جارج جو پچھلے دس منٹ سے بولنے کی تگ و دو میں تھا بالاخر جھجھکتے ہوئے بولنے لگا۔

"پلیز جارج۔۔" امل نے اُسے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔ جارج سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"جارج تم بہت اچھے انسان ہو مگر ہم میں بہت کچھ مختلف ہے مذہب، تہذیب اور پسند۔۔" آخری لفظ پر اُس کی آواز مدھم ہوئی۔ ذہن کے پردے پر کسی کا چہرہ لہرایا اُس نے آنکھیں بھینچ کر کھولیں۔

جارج نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔وہ ہمیشہ سمجھ جاتی تھی اس نے سوچا تھا وہ تمہید باندھے گا کہ اُس کے لیے کسی مرد کا ساتھ ضروری ہو ہے اور وہ مرد وہی ہو سکتا ہے مگر وہ پہلے ہی جان گئی تھی کہ وہ دوسری شادی کس سے کرنے کا کہنے والا ہے۔

"تُمھارے لیے کسی مرد کا ساتھ ضروری ہے۔"

"جارج میں اکیلی نہیں ہوں میرا بیٹا ہے اور بہت سی عورتیں اپنے بچوں کی خاطر ساری زندگی اکیلے گزار لیتی ہیں۔" جارج کی تمہید اُس پر بے اثر تھی وہ اُسے کبھی اُس نظر سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جارج اُسے عزت دیتا تھا تو وہ بھی اُسے عزت کی نظر سے دیکھتی تھی اُس نظر کبھی محبت نے بیچ میں آ کر دستک دی ہی نہیں تھی۔ کبھی اُس کے لیے کوئی اور احساس غالب آیا ہی نہیں تھا۔

"مگر تم کب تک تابش سے ہراساں ہوتی رہو گی میں تمہیں اس اذیت میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"جب تک میرا بیٹا میرے حق میں فیصلہ کرنے والا نہیں ہو جاتا۔جب تک وہ اپنے باپ کو یہ کہنے والا نہیں ہو جاتا کہ اس کا اُس کی ماں پر ذہنی تشدد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے تب تک مجھے یہ سب برداشت کرنا پڑے گا اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

اس کے سینے میں لاغر سی سہمی ہوئی احتجاجی صدا بلند ہوئی مگر وہ خاموش رہا۔وہ انکار کرنے پر مزید اسرار نہیں کر سکتا تھا وہ جارج اولیور تھا وہ کسی کے سامنے عزتِ نفس داؤ پر لگا کر جھکنے کا روادار نہیں تھا۔امل اُسے پسند تھی اور وہ یقین سے کہہ سکتا وہ اُسے ہمیشہ پسند رہنے والی تھی مگر وہ اس کے حصے میں نہیں تھی۔

کُچھ کہانیوں کا اختتام آپ کی مرضی کا نہیں ہو پاتا۔

کُچھ لوگوں کی کہانیوں کا آغاز کتنا ہی حسین کیوں نا
پر اختتام پرفیکٹ نہیں ہوتا۔

ڈنمارک کی بلند و بالا عمارتوں کی اوٹ سے جھانکتے سورج کی دھیمی زریں کرنیں وہ گلاس وال کے پار سے دیکھ رہا تھا۔ سامنے بیٹھے شخص نے اُسے جواب دیتا نا پا کر اُس کی جانب دیکھا جس کی نگاہیں شیشے سے باہر کے منظر کے طواف میں مگن تھیں۔ موبائل کی سکرین چمکی تو اُس کی نظر موبائل پر جگمگاتے نام پر پڑی۔ مریان ہاتھ کے اشارے سے معزرت کرتا اٹھا اور کال اُٹھاتے کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کرنیں اب اس کے چہرے کو چھونے لگی تھیں۔

"کیسے ہو؟" نقیب کی چہکتی آواز اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"مرا ہوا ہوں۔" وہ شیشے پر انگلی کی پور سے ایم ایل لکھنے کی سعی کرنے لگا۔ شیشے پر معدوم سے الفاظ لکھے نظر آنے لگے تھے۔

"کب تک زندہ ہونے کا ارادہ ہے؟" اُس نے مضحکہ اڑایا۔

"کُچھ دنوں تک۔۔" اُس نے شیشے کی جانب دیکھا جہاں ایم ایل کے عین نیچے اُس نے اے ایل لکھا تھا۔ مگر کب؟ اُسے پتہ کیوں نہیں چلا تھا۔ اُس نے ہتھیلی سے رگڑ کر فوراً سے مٹایا۔

"آگے کا کیا پلین ہے؟"

"کُچھ خاص نہیں بس منظرِ عام پر آنے والا ہوں۔" اُس کا ہمیشہ والا عام سا لہجہ تھا۔ وہ بدلا ہی نہیں تھا۔ ان تین سالوں میں اس کی ظاہری یا باطنی شخصیت میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ہاں

بس ایک تبدیلی آئی تھی زیادہ بولنے پر اُس کا سانس پھولنے لگتا تھا کُچھ عرصہ پہلے تک تو اُس کا سانس رکنے بھی لگتا تھا۔ مگر ڈاکٹر کا کہنا تھا اگلے چند سالوں تک وہ نارمل ہو جائے گا۔

"مجھ سے اِنتظار نہیں ہو رہا۔" نقیب کی آواز سے اُس کی پُر جوشی کا انداز ہو رہا تھا۔

"کرنا تو ہو گا۔ آذر کیسا ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ۔۔" نقیب کی ٹون ایک دم سے بدلی تھی۔

"پھر اُس سے ناراض ہو گئے؟" وہ اُن سے اتنی دور بیٹھا تھا پھر بھی سب سمجھ جاتا تھا۔

"ہاں۔۔"

"اب کیا ہوا ہے؟"

" میٹنگ میں ایسے بول رہا تھا جیسے سب اُس نے اکیلے نے کیا ہے۔" مریان نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"اُس کی مجبوری ہے اسے ایسا ظاہر کرنا پڑتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سارا کُچھ تُم سے اور مُجھ سے ڈسکس کرنے کے بعد کرتا ہے۔"

"ویسے بہت گھنا ہے۔" نقیب نے ناگواری سے کہا۔ مریان اُس کے سامنے ہوتا تو ضرور اُسے گھوری سے نوازتا۔

"وہ راز خود میں چھپا لیتا ہے۔"

"تم اُس کی تعریفیں نہ کیا کرو۔" نقیب بگڑا۔ وہ اس وقت مریان کے منہ سے اُس کے لیے ستائشی الفاظ سننے کے موڈ میں ہر گز نہیں تھا۔

"تم اُس سے ناراض نہ ہوتے تو مجھ سے زیادہ تعریف کرتے ویسے بیچارہ جتنی منتیں تمھاری کرتا ہے شاید ہی کوئی شخص اتنا مقام حاصل کرنے کے بعد کسی کی کرتا ہو۔"

"مجھے کل مانی ملا تھا۔" اُس نے آذر نامے سے پیچھا چھڑوانے کے لیے موضوع بدلا۔ مریان نے بھی مزید اُس کے بارے میں کچھ نہیں کہا وہ جانتا اُن کی ناراضگی ایک دن سے زیادہ نہیں چلتی۔ اور ناراضگی ختم ہوتے ہی وہ بہترین دوست ثابت ہوتے ہیں۔

"اُوہ ہاں زیام اور علیحہ کیسے ہیں؟" اُسے مانی کے ذکر پر اُن کا خیال آیا۔

"آدھے پاگل ہو چکے ہیں بیچارے پچھتاتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے کا نام مریان کیوں رکھ دیا ہر سوال پر جواب کی بجائے اُلٹا سوال کرتا ہے وہ تو اُس کا نام بدلنے کا بھی سوچ رہے تھے مگر وہ کہتا ہے نہیں میں مریان ہی ہوں۔"

مریان کا قہقہہ کمرے میں گونجا تھا پیچھے بیٹھے شخص نے اُس کی جانب دیکھا تھا پھر ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔

"چلو دیکھ لیتے ہیں کس حد تک وہ مریان لکھانی جیسا ہے۔"

"ویسے شکل اُس کی روحا سے ملتی ہے۔"

"اچھا۔" اُس کی آواز مدھم ہوئی۔ نقیب کو احساس ہوا تھا وہ جوش میں زیادہ ہی بول گیا تھا۔

"ہمارے مخالفین بہت کمزور پڑ چکے ہیں۔"

نقیب نے پھر سے بات بدلی۔

"کون سے مخالفین؟"

"ہمدان رؤف کی پارٹی سے بڑا مخالف کون ہو سکتا ہے۔" نقیب اُس کے جواب پر متعجب ہوا۔

”نقیب ہمارا کسی پارٹی سے کوئی مقابلہ نہیں ہے یہ مقابلوں اور مخالفین کی باتیں ہمیں زیب نہیں دیتیں یہ ہمارا مقصد نہیں ہے ہمارے مقاصد ہمارے سامنے ہیں ہمیں بس اُن کے لیے کام کرنا ہے۔ کسی سیاست دان کی سب سے بڑی ہار یہ ہے کہ وہ مقابلہ ہار جائے اور وہ مقابلہ جس میں اُس کے ہارنے کی توقعات بھی نہ ہو ہمدان رؤف کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔“

”تم نے اُس شخص کو جانے دیا جس نے تمھیں مارنے کی کوشش کی اور کامیاب ہو بھی ہو سکتا تھا وہ یہ سمجھتا بھی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہے۔“

”اس سے بدلہ میں خود لوں گا ایسا بدلہ کہ وہ خود کہے گا مریان لکھانی ہر معاملے میں نیا طریقہ اپناتا ہے حتٰی کہ بدلہ لینے میں بھی۔۔“

”ویسے مریان تُمہیں ماضی یاد تو نہیں آتا؟“ وہ آج پوچھ ہی بیٹھا تھا۔

”ماضی میں جو تھا وہ سب اب بھی میرے پاس ہے پھر یاد کیا کرنا۔“

”اپنی زندگی بھی؟؟“

"جس زندگی میں خوشیاں اور سامنے والے کی رضا مندی شامل نہ ہو اُس خالی خولی زندگی کا بھی فائدہ نہیں ہے۔ قسمت سے لڑنا میں چھوڑ چکا ہوں اب میں خود دیکھنا چاہتا ہوں آخر میری قسمت میں کیا ہے اور جو میری قسمت میں ہے میں اُسے سنبھال کر رکھوں گا۔“ اُس کے لہجے میں سنجیدگی عود آئی تھی۔

”تُمھارے آنے کا اِنتظار رہے گا۔“

"ہاں ابھی بہت سے لوگوں کو جھٹکے دینے باقی ہیں اُمید ہے وہ سہہ سکیں گے۔" وہ زیرِ لب مُسکرایا تھا۔

ذہن میں کسی کا خیال آیا تھا کیسے اُس کے خیال پر لب مسکراہٹ میں نہ ڈھلتے۔

"چلو بعد میں بات کرتا ہوں۔"

"مصروف ہو؟"

"ہاں ڈاکٹر احسن آئے ہوئے ہیں۔"

"اب تمھاری ساری بیماریاں ختم نہیں ہو گئیں؟" مریان اُس کے سوال پر ہنسا۔

"ملنے آئے ہیں۔"

"کیوں؟" تُم اب اپنی سوالوں کی شیٹ مت کھولنا اور اس نے کال کاٹ دی تھی۔

"عجیب لوگ ہیں کوئی عزت ہی نہیں کرتا کسی کو بھی مجھ پر فوقیت دے دیتے ہیں۔" وہ سکرین دیکھتے بڑبڑایا۔

اُس نے اگلی کال عینی کو ملائی تھی۔

"عینی تیار ہو جاؤ ہم کھانا کھانے چلتے ہیں۔"

"کہاں؟" وہ جتنی گرم جوشی سے بولا تھا اتنی ہی بے نیازی سے عینی کا جواب آیا تھا۔

"ہم بہت اچھے ریسٹورنٹ جائیں گے۔" اُس نے اپنی تئی سے عینی کو خوش کرنے کی کوشش کی۔

"نقیب اب تُم مُجھے ہمیشہ کی طرح ایم ایل ریسٹورنٹ میں لے کر جاؤ گے۔" وہ اتنے عرصے میں نقیب کو اچھے سے جان چکی تھی۔

"عینی جان وہاں کا کھانا مُجھے بہت پسند ہے۔"

"نقیب میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تُم اتنے کنجوس نکلو گے کہ مُجھے مفت کے کھانے کھلاؤ گے۔"

"جان دیکھو۔۔"

"مجھے نہیں جانا۔۔" اُس نے خفگی سے کہتے کال کاٹ دی تھی۔

"جب ایک جگہ سے آپ کو مفت میں اچھا کھانا مل رہا ہے تو جگہ جگہ دھکے کھانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ کندھے اچکائے بولا۔

"کس کی کال تھی؟" ڈاکٹر احسن اُسے اپنی جانب مڑتا دیکھ چُکے تھے۔

"نقیب کی تھی۔" وہ دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھا۔

"مخلص سیاستدان ہے۔" اُس نے تبصرہ کیا۔

"نہیں مخلص اِنسان ہے اور مخلص اِنسان جس بھی شعبے سے ہو وہ اخلاص سے ہی کام کرتا ہے اِنسان پر منحصر ہوتا ہے ہم کسی ایک شعبے سے تعلق رکھنے والے سب لوگوں کو ایک طرح کا نہیں کہہ سکتے۔" اُس سے بہتر سید نقیب شاہ کو کون جان سکتا تھا۔

"کسی شخص کا اتنی گہرائی میں ڈوبنے کے بعد زندہ بچنا بہت مشکل ہے پھر چاہے چند منٹ میں ہی آپ کو کیوں نہ نکال لیا جائے۔اب تُم مُکمل طور پر ٹھیک ہو تمھارے پھیپھڑے جو اثر انداز ہوئے تھے اب ٹھیک ہیں تمھیں یہ زندگی دوبارہ کیوں ملی اپنے مقاصد نہ بھولنا۔" ڈاکٹر احسن کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"ڈوب کر اُبھرنے کا الگ مزہ ہے۔" اُس نے سامنے پڑا پانی کا گلاس اندر انڈھیلا اُس کا سانس پھر سے پھولنے لگا تھا۔اُس نے آنکھیں بند کر کے دو، تین تیز سانس لینے کے بعد آنکھیں کھول دی تھیں۔

"جب آپ کے لئے سانس لینا محال ہو تب آپ کو احساس ہوتا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے اگلی سانس نہیں لے سکتے۔یہ سانس جب اٹکتا ہے تب اُس کے قادر ہونے پر مزید یقین قائم ہوتا ہے۔ مُجھ میں کبھی کسی معاملے میں غرور تھا بھی میرے رب نے مجھے آزمائش میں ڈالنے کے بعد وہ میری ذات سے نچوڑ لیا ہے میرا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر یقین مضبوط تر کر دیا ہے۔اُس نے مُجھے حکمران بننے سے پہلے غلام ہونے کا احساس دلا دیا میں بھٹکنے سے بچ گیا۔کامیابی ایک جھٹکے میں مل جائے تو آپکو سنبھلنے نہیں دیتی آپ کے لیے غلط سمت کی طرف جانے سے خود کو روکنا مُشکل ہو جاتا ہے۔"

اُس کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔وہی دلفریب مسکراہٹ۔۔۔

ممکن تھا اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو ہو جاتے۔سامنے بیٹھے شخص نے مریان کی دائیں گال پر پڑتے ہلکے سے گڑھے کی جانب دیکھتے سوچا تھا۔

"جب تُم نے مُجھے اپنے ہاسپٹل میں نوکری دی تھی میرے لیے وہ سب سے خوبصورت لمحہ تھا اور جب سارا ہاسپٹل میرے حوالے کیا وہ حیرت انگیز لمحہ تھا۔

اتنی محنت کے باوجود بھی میں میرٹ پر پورا نہیں اتر سکا تھا مگر بابا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پرائیویٹ ہاسپٹل بنا دیں گے مگر زندگی نے اُنہیں وعدے نبھانے کی مہلت نہ دی تب لگا تھا اتنے سالوں کی محنت ضائع ہو گئی مگر وہ محنت کا اجر نہیں رکھتا اُس نے تُم سے ملوایا اور میرا اعتماد دوبارہ سے بحال ہو گیا۔" وہ بڑی مشکور نظروں سے دیکھتا ہوا بڑی عاجزی سے بول رہا تھا۔

"تم محنتی نوجوان ہو تُمہیں میں نہیں تو کوئی اور ہاسپٹل والے رکھ لیتے۔ مگر مُجھے مردہ تمھارے علاوہ اور کوئی ثابت نا کر سکتا تھا۔ مجھے میرے دشمنوں کی نظروں سے اوجھل کر کے اُن کے اگلے وار سے بچانے والے تم ہی ہو۔" وہ ہنسا تھا گال پر موجود ڈمپل گہرا ہوا۔

"مجھ سے زیادہ تمھاری اِس خواہش کو پورا کرنے کے لئے آذر اور نقیب نے محنت کی ہے ورنہ تمہاری جگہ کسی اور کی ڈیڈ باڈی تو میں دیکھا سکتا تھا مگر اُسے تمھاری نہیں ثابت کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو اتنے عرصے میں مریان لکھانی کی زمہ داریاں انہوں نے خوب نبھائی ہیں۔" وہ اعتراف کر رہا تھا وہ اُن کے سامنے بھی سینکڑوں بار یہ اعتراف کر چکا تھا۔ کہ وہ اُس کے لیے بہت انمول ہیں بہت قیمتی ہیں کیونکہ وہ لوگوں کی فلاح کے لیے چنے گئے لوگ ہیں۔

"واپس جا کر کیا کرو گے؟" ڈاکٹر احسن نے اُس کی مسلسل ہلتی ٹانگ کی جانب دیکھا۔ وہ شاید اندر ہی اندر کچھ سوچ رہا تھا۔

"جو پہلے کرتا تھا اِنقلاب کے لئے کوشش، لوگوں کی فلاح کے لیے کام اللہ تعالیٰ نے مُجھے اسی لیے چنا ہے اور اُس کا چناؤ غلط ثابت نہیں کر سکتا۔"

"اپنے پیچھے لوگوں کو اُداس کر آئے ہو۔"

”کچھ تعلقات میں ملاقات تو کیا رابطے بھی اہم نہیں ہوتے وہ اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دوریاں اُن پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔“

وہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا بھوری آنکھوں میں چمک تھی وہ ریت سا تھا کیسے کسی کی گرفت میں آتا اسے مُٹھی میں جکڑ کر مسلنے کے شوقین لوگوں کی گرفت سے بھی وہ نکل چکا تھا مگر وہ بے خبر تھے کہ اُنھوں نے اپنے لیے خود سزا چن لی تھی۔

ڈاکٹر احسن نے اس دلفریب مسکراہٹ والے شخص کو دیکھا تھا جو پُر کشش شخصیت کا مالک تھا سب کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا سب میں مل جاتا تھا وہ مریان تھا وہ سب میں تھا مگر کسی کے پاس نہیں تھا۔

وہ نظریں جھکائے اپنی سیاہ پتھر کی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا بھوری آنکھیں سیاہ پتھر کو دیکھ کر چمک رہی تھیں کوئی بھی اُس کے سامنے بیٹھا اُسے دیکھ رہا ہوتا یہی سوچتا کیا ہر وقت سر جھکائے رکھنے والے شخص سے زیادہ کوئی عاجز ہو سکتا تھا؟

کُچھ لوگ سیاہ پتھر کی طرح ہوتے ہیں بلا کی کشش رکھتے ہیں لوگ اُن سے خود با خود متاثر ہونے لگتے ہیں لوگ اُن کی جانب خود کو کھنچتا محسوس کرتے ہیں۔

”ہاں سیاہ پتھر جیسے لوگ ہوتے ہیں۔“ وہ بڑبڑایا تھا۔

~~

ختم شد